قطعہ

از قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین شیخ المشائخ حضرت رکن الدین سید شاہ ابو الحسن قربی قادری رحمۃ اللہ علیہ

اے طالب خدا اگر چاہتا ہے وصل محبوب — ہو تابع شریعت کر اس کوں اپنا مطلوب
اطلاق ہور تقیید ہیں شرع کے مراتب — اطلاق بن تقیید عشاق کن ہے معیوب
اطلاق شرع حاصل ارشاد پیر سوں کر — بن پیر کے شرائع ہیں سب گماں سوں محجوب
یوں سر عشق ہے تو کر کاملاں سوں حاصل — اسرار عشق سارے پیراں طرف ہیں منسوب
ہیں سلبی و ثبوتی مطلق صفات حق کے — اطلاق بوج ان کا یوں گی ہوا ہے مسلوب
آپس کی ذات کا اسم اسماء میں حق چھپایا — اسمائے محجب ہیں اسکے نادان ہے اس سوں محجوب
اطلاق اسم کا جب تیرے اوپر کھلیگا — تجھ اسم حق دسیگا گیا خشک ہور مرطوب
ہر ذرہ فی الحقیقت ہے دوست کی حقیقت — اس رمز کوں سمج توں ہے رمز نادر اسلوب
ارباب کا ہے رب رب کا مربوب ہر ذرہ ہے — معنے ہیں عین رب ہے ارباب ہور مربوب
اسفل طرف گذر ہے محجوب کا ہمیشہ — اس کوں نکات عرفاں کاں سوں لگینگے مرغوب

صحبت سوں ملحداں کی کر اجتناب قربی
احوال ملحداں کا عالم منے ہے مقلوب

عطیہ مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری مدظلہ العالی المعروف میراں پاشاہ صاحب ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائے سخن

از مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی

دُنیا میں جو چیزیں انسان کو مرغوب و مطلوب ہوتی ہیں، وہ کل تین طرح کی ہوسکتی ہیں۔ یا تو وہ چیز بذاتِ خود مطلوب ہوتی ہے جیسے آخرت کی سعادت مندی و کامرانی، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار۔ کہ یہ چیزیں بالذات انسان کا مطلوب ہیں۔ دوسری چیز وہ ہے جو انسان کو بالذات مطلوب نہیں ہوتی، بلکہ اس حیثیت سے مطلوب ہوتی ہے کہ وہ انسان کے دیگر حوائج و ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے جیسے روپیہ پیسہ کے ذاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو روپیہ پیسہ اور پتھر و ٹھیکری میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ان سب کا تعلق ایک ہی نوع یعنی جماد سے ہے، لیکن چونکہ روپئے پیسے سے انسان کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے، اس لئے مطلوب ہوتے ہیں۔

تیسری چیز وہ ہے جس میں ذاتی اور اضافی دونوں حیثیتیں ہوتی ہیں، یعنی وہ شئے مطلوب بالذات بھی ہوتی ہے اور مطلوب بالغیر بھی جیسے بدن اور اعضا کی صحت و سلامتی ہے، کہ بدن کی صحت و سلامتی بالذات بھی مطلوب ہے کہ اسی میں ہر قسم کے ضرر و آفت سے بدن کی حفاظت و عافیت ہے۔ اور یہ جسمانی صحت و تندرستی انسان کا مطلوب ذاتی ہے۔ اور یہی جسمانی صحت و تندرستی انسان کے لئے تمام دنیوی و دینی اغراض و مصالح کی تحصیل و تکمیل کا ذریعہ ہے، اس حیثیت سے یہ مطلوب بالغیر ہے۔

اب علم کے متعلق غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دونوں حیثیتیں موجود ہیں۔ علم سے قلب و نفس انسانی کا تزکیہ و تصفیہ ہوتا ہے قلب منور و مجلّی ہوتا ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد نفوسِ انسانی کا تزکیہ ہے، جو علم کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ علم سے قلبِ انسانی کو زندگی ملتی ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا (شعر)

فقز بعلم تعش حیًّا بہ ابدا
الناس موتی واهل العلم احیاء

علم حاصل کرو کہ اس سے تمہیں زندگی جاوید حاصل ہوگی۔ عام لوگ مُردوں کی طرح ہیں، اہل علم ہی حقیقت میں زندہ ہیں۔ اس لئے کہ اہل علم کا ذکر جمیل، اور ان کا علمی و روحانی فیض تا قیام قیامت جاری رہیگا۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہ نصیحت فرمائی یا بنیّ جالس العلماء وزاحمهم بركبتيك فان الله سبحانه يحيي القلوب بنور الحكمة كما يحيي الارض بوابل السماء۔ اے بیٹا! تم علماء کی ہم نشینی اور مصاحبت اختیار کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت کے نور سے قلب کو زندگی بخشتا ہے جس طرح بارش سے زمین کو زندگی ملتی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اذا اتی علی یوم لا ازداد فیه علما یقربنی الی الله عزوجل فلا بورك لی فی طلوع شمس ذالك اليوم یعنی اگر کوئی ایسا دن آئے جس میں میرے علم میں کوئی اضافہ اور ترقی نہ ہو تو گویا اس دن میں میرے لئے کوئی خیر، اور برکت نہیں رکھی گئی۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں میرے علم میں اضافہ اور ترقی نہ ہوئی ہو، جیسا کہ شارحین حدیث نے اس کی تشریح میں فرمایا مقصوده تبعيد نفسه من ذالك وبيان ان عدم الازدياد ماوقع قط ولا يقع ابدا۔

میں موصلی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کرکے اس کا ترجمہ

درج کروں گا تاکہ مزید انشراح قلب حاصل ہو۔

قال فتح الموصلی رحمۃ اللہ علیہ الیس المریض اذا منع الطعام و الشراب والدواء یموت قالوا بلی قال کذالک القلب اذا منع عنہ الحکمۃ والعلم ثلاثۃ ایام یموت ولقد صدق فان غذاء القلب العلم والحکمۃ وبہما حیاتہ کما ان غذاء الجسد الطعام ومن فقد العلم فقلبہ مریض وموتہ لازم ولکنہ لا یشعر بہ اذ حب الدنیا وشغلہ بہا ابطل احساسہ کما ان غلبۃ الخوف قد تبطل الم الجراح وان کان واقعا فاذا حط الموت عنہ اعباء الدنیا احس بہلاکتہ وتحسر تحسراً عظیماً ثم لا ینفعہ (ملخصاً)

حضرت امام موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے پوچھا کہ اگر مریض کو وقت پر حسب ضرورت دوا اور غذا وغیرہ نہ دی جائے تو کیا اس کی موت نہ واقع ہوگی۔ لوگوں نے اقرار کیا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ یہی حال دل کا ہے۔ اگر اس کو تین دن تک علم و حکمت سے محروم کر دیا جائے تو انسان کا دل مردہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ علم و حکمت دل کی غذا ہے اور اسی سے دل کی زندگی ہے جس طرح کہ آب و دانہ جسم کی غذا ہے۔ جو شخص علم سے محروم ہو گیا اس کا دل مریض ہے، اور اسکی موت یقینی ہے لیکن اس شخص کو اس کا احساس نہیں ہوگا، اس لئے کہ دنیا کی محبت اور اس کے تمام مشاغل اس کے احساس و شعور کو ختم کر دیتے ہیں جیسا کہ شدت خوف یا نشہ کی حالت میں زخم کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اور جب خوف یا نشہ زائل ہوتا ہے تو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح دل پر جب تک غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے، اسے اپنی حالت کا احساس نہیں ہوتا جب موت کی وجہ سے دنیا کے مشاغل ختم ہو جائینگے۔ تب اسے قلب کی ہلاکت کا احساس ہوگا۔ اور اس وقت وہ حسرت و افسوس کریگا لیکن یہ افسوس کچھ کام نہ دیگا۔ اسی معنی میں یہ اشعار بھی ہیں:۔

فحتام لا تصحو وقد قرب المدیٰ
وحتام لا ینجاب من قلبک السکر
بلی سوف تصحو حین ینکشف الغطا
وتذکر قولی حین لا ینفع الذکر

اس قدر تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم ہی سے قلب انسانی کی زندگی ہے۔ علم ہی سے قلب کی روشنی ہے۔ علم ہی انسان کا اعلیٰ ترین فضل و شرف ہے اور جو چیز انسان کو حیوانات و بہائم سے ممتاز کرنے والی ہے، وہ یہی جوہر علم ہے۔ تو جب یہ اس قدر اوصاف و خصوصیات کی حامل ہو بلکہ خود انسانیت اور حیات قلبی کا مبنیٰ اور مدار ہو، وہ انسان کا حقیقی اور اصلی مقصود کیوں نہ ہوگا۔ اور یہی ہمارا مدعیٰ تھا کہ علم انسان کا مقصود لذاتہ ہے۔ اب وہی مقصود لغیرہ ہونے کی حیثیت تو وہ اسطرح کہ اصل مقصود سعادت اُخروی، دیدار باریتعالیٰ قرب من اللہ اور وصول الی اللہ ہے اور ان تمام چیزوں کے لئے وسیلہ اور ذریعہ صرف علم ہے۔ عمل کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس لئے کہ عمل اسی وقت ممکن ہے، جب اس کے صحیح اور غلط، جائز و ناجائز ہونے کا علم ہو۔ اسی حقیقت کا انکشاف اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے:۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجہل یعنی علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع مند ہے اور جہل کے ساتھ زیادہ عمل بھی بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ علم کے ساتھ جو عمل کرے گا، وہ صحیح اور ٹھیک طور سے انجام دے گا۔ اس میں غلطی کا امکان نہ ہوگا اور جو کام لاعلمی کے ساتھ ہوگا اس میں قدم قدم پر غلطی کا امکان ہوگا، اسی لئے فرمایا گیا ہے والمتعبد من غیر علم کالحمار فی الطاحون جو شخص بغیر علم کے عبادت و ریاضت کرتا ہے اسکی مثال اس گدھے

درج کروں گا تاکہ مزید انشراح قلب حاصل ہو۔

قال فتح الموصلی رحمۃ اللہ علیہ الیس المریض اذا منع الطعام و الشراب والدواء یموت قالوا بلی قال کذالک القلب اذا منع منہ الحکمۃ والعلم ثلاثۃ ایام یموت ولقد صدق فان غذاء القلب العلم والحکمۃ وبہما حیاتہ کما ان غذاء الجسد الطعام ومن فقد العلم فقلبہ مریض وموتہ لازم ولکنہ لا یشعر بہ اذ حب الدنیا وشغلہ بہا ابطل احساسہ کما ان غلبۃ الخوف قد تبطل الم الجراح وان کان واقعا فاذا احط الموت عنہ اعباء الدنیا احس بہلاکتہ وتحسر تحسراً عظیماً ثم لا ینفعہ (ملحضا)

حضرت امام موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے پوچھا کہ اگر مریض کو وقت پر حسب ضرورت دوا اور غذا وغیرہ نہ دی جائے تو کیا اس کی موت نہ واقع ہوگی۔ لوگوں نے اقرار کیا کہ ہاں ایسا ہی ہوگا، تو آپ نے فرمایا کہ یہی حال دل کا ہے۔ اگر اس کو تین دن تک علم وحکمت سے محروم کر دیا جائے تو انسان کا دل مُردہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ علم وحکمت دل کی غذا ہے اور اسی سے دل کی زندگی ہے جس طرح کہ آب ودانہ جسم کی غذا ہے۔ جو شخص علم سے محروم ہو گیا اس کا دل مریض ہے اور اسکی موت یقینی ہے لیکن اس شخص کو اس کا احساس نہیں ہوگا اس لئے کہ دنیا کی محبت اور اس کے تمام مشاغل اس کے احساس وشعور کو ختم کر دیتے ہیں جیسا کہ شدت خوف یا نشہ کی حالت میں زخم کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا اور جب خوف یا نشہ زائل ہوتا ہے تو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ اسی طرح دل پر جب تک غفلت کا پردہ پڑا ہوا ہے اسے اپنی حالت کا احساس نہیں ہوتا جب موت کی وجہ سے دنیا کے مشاغل ختم ہو جائینگے۔ تب اسے قلب کی ہلاکت کا احساس ہوگا۔ اور اس وقت وہ حسرت و افسوس کریگا لیکن یہ افسوس کچھ کام نہ دیگا۔ اسی معنی میں یہ اشعار بھی ہیں:۔

فحتام لا تصحو وقد قرب المدیٰ
وحتام لا ینجاب من قلبك السکر
بلیٰ سوف تصحو حین ینکشف الغطا
وتذکر قولی حین لا ینفع الذکر

اس قدر تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ علم ہی سے قلب انسانی کی زندگی ہے۔ علم ہی سے قلب کی روشنی ہے۔ علم ہی انسان کا اعلیٰ ترین فضل وشرف ہے اور جو چیز انسان کو حیوانات وبہائم سے ممتاز کرنے والی ہے وہ یہی جوہر علم ہے۔ تو جو شئے اس قدر اوصاف وخصوصیات کی حامل ہو بلکہ خود انسانیت اور حیات قلبی کا مبنیٰ اور مدار ہو، وہ انسان کا حقیقی اور اصلی مقصود کیوں نہ ہوگا۔ اور یہی ہمارا مدعیٰ تھا کہ علم انسان کا مقصود لذاتہ ہے۔ اب رہی مقصود لغیرہ ہونے کی حیثیت تو وہ اسطرح کہ اصل مقصود سعادتِ اُخروی دیدار باریتعالیٰ قرب من اللہ اور وصول الی اللہ ہے اور ان تمام چیزوں کے لئے وسیلہ اور ذریعہ صرف علم ہے۔ عمل کی حیثیت ثانوی ہے۔ اس لئے کہ عمل اسی وقت ممکن ہے جب اس کے صحیح اور غلط، جائز وناجائز ہونے کا علم ہو۔ اسی حقیقت کا انکشاف اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے:۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قلیل العمل ینفع مع العلم وان کثیر العمل لا ینفع مع الجھل یعنی علم کے ساتھ تھوڑا عمل بھی نفع مند ہے اور جہل کے ساتھ زیادہ عمل بھی بے فائدہ ہے۔ اس لئے کہ علم کے ساتھ جو عمل کرے گا، وہ صحیح اور ٹھیک طور سے انجام دے گا۔ اس میں غلطی کا امکان نہ ہوگا اور جو کام لاعلمی کے ساتھ ہوگا اس میں قدم قدم پر غلطی کا امکان ہوگا، اسی لئے فرمایا گیا ہے والمتعبد من غیر علم کالحمار فی الطاحون جو شخص بغیر علم کے عبادت وریاضت کرتا ہے اسکی مثال اس گدھے

کی ہے جو چکی میں چلتا ہے کہ صبح و شام برابر چلتا رہتا ہے، مگر اپنی جگہ ہی پر رہتا ہے تو جس طرح اس گدھے کی منزل اور مقام میں کوئی ترقی اور عروج نہیں، اسی طرح جاہل متعبد شخص کے مرتبہ میں بھی کسی روحانی اضافہ اور ترقی کی امید نہیں، تو جب علم تمام دنیوی اور دینی سعادت و فضیلت، کامیابی و کامرانی، فوز و فلاح کا ذریعہ ہے تو بغیر کسی شک و تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان علم میں مرتبۂ کمال کو پہونچے۔

دار العلوم لطیفیہ

یہ ایک عربی دینی درسگاہ ہے جو تقریباً تین صدی پہلے حضرات اقطاب ویلور قدس اللہ اسرارہم کے مبارک ہاتھوں سے عالم وجود میں آئی۔ ان بزرگوں نے جس اخلاص وللہیت کے ساتھ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اسکی تعمیر و ترقی میں اپنی پوری سعی و کوشش صرف کردی، ایثار و قربانی کا جو بے مثل نمونہ پیش کیا، اس کی مثال سرزمین ہند میں مشکل سے ملیگی۔ بڑے بڑے جید نامور علماء، مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے جنہوں نے جنوبی ہند میں متعدد مقامات پر علمی درسگاہیں قائم کیں اور طالبین و شائقین علوم کو علم و فضل کی دولت سے مالا مال کیا۔ درحقیقت ان تمام فیوض و برکات کا مبدء اور سرچشمہ مدرسۂ لطیفیہ ہی ہے اور یہ سب اسی کے فیوض و برکات کی مختلف صورتیں ہیں۔ مدرسہ کی بنا اور قیام کے وقت بانیان مدرسہ کا جو خالص جذبہ کارفرما تھا یعنی محض توکلاً علی اللہ، بقول حضرت قربی ؒ:-

ع توکل کارخانہ کا خدا خود میر ساماں ہے

بحمد اللہ کہ وہی مبارک جذبہ آج بھی موجودہ سرپرست مدرسہ اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی اور آپکے دونوں برادران محترم حضرت سید میراں بادشاہ صاحب قبلہ اور حضرت مولانا سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ ناظم مدرسہ میں موجود ہے۔ اور پوری طرح یہ حضرات اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن ہیں فللہ الحمد علی ذالک

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ،

شائقین علوم آتے ہیں اور اپنا اپنا دامن بقدر ظرف اور ہمت گوہر مراد سے بھرتے ہیں۔ اس آستانہ کا فیض سب پر یکساں ہے۔ بارش کی تاثیر اور فیضان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پہاڑ اور ٹیلہ ریگستان اور صحرا، باغ اور دریا، ہر جگہ یکساں برستی ہے۔ لیکن کہیں پھول کھلتا ہے اور کہیں گھاس پھوس۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس،

اسیطرح اس سرچشمۂ علم و حکمت کا فیضان و کرم سب پر یکساں ہے۔ اب جس کو جو کچھ ملتا ہے، یہ اسکی اپنی اپنی صلاحیت و ہمت ہے، اگر کوئی اپنی تنگدامنی کا شکوہ کرے تو اس کے لئے یہ شعر زیادہ موزوں ہوگا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

از مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی
مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

کی ہے جو چکی میں چلتا ہے کہ صبح و شام برابر چلتا رہتا ہے، مگر اپنی جگہ ہی پر رہتا ہے تو جس طرح اس گدھے کی منزل اور مقام میں کوئی ترقی اور عروج نہیں، اسی طرح جاہل متعبّد شخص کے مرتبہ میں بھی کسی رُوحانی اضافہ اور ترقی کی امید نہیں، تو جب علم تمام دنیوی اور دینی سعادت و فضیلت، کامیابی و کامرانی، فوز و فلاح کا ذریعہ ہے تو بغیر کسی شک و تردد کے کہا جا سکتا ہے کہ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان علم میں مرتبۂ کمال کو پہونچے۔

دارالعلوم لطیفیہ یہ ایک عربی دینی درسگاہ ہے جو تقریبًا تین صدی پہلے حضرات اقطاب ویلور قدس اللہ اسرارہم کے مُبارک ہاتھوں سے عالم وجود میں آئی۔ ان بزرگوں نے حسن اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اس مدرسہ کی بنیاد رکھی اور اسکی تعمیر و ترقی میں اپنی پوری سعی و کوشش صرف کردی، ایثار و قربانی کا جو بے مثل نمونہ پیش کیا، اس کی مثال سرزمین ہند میں مشکل سے ملیگی۔ بڑے بڑے جیّد نامور علماء، مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلے جنہوں نے جنوبی ہند میں متعدد مقامات پر علمی درسگاہیں قائم کیں اور طالبین و شائقین علوم کو علم و فضل کی دولت سے مالامال کیا۔ درحقیقت ان تمام فیوض و برکات کا مبدء اور سرچشمہ مدرسۂ **لطیفیہ** ہی ہے اور یہ سب اسی کے فیوض و برکات کی مختلف صورتیں ہیں۔ مدرسہ کی بنا اور قیام کے وقت بانیانِ مدرسہ کا جو خالص جذبہ کارفرما تھا، یعنی محض توکلًا علی اللہ، بقول حضرت قربی رح:—

ع توکل کارخانہ کا خُدا خود میر ساماں ہے

بحمد اللہ کہ وہی مُبارک جذبہ آج بھی موجودہ سرپرست مدرسہ **اعلیحضرت** قبلہ مدظلہ العالی اور آپکے دونوں برادرانِ محترم حضرت سید میراں بادشاہ صاحب قبلہ اور حضرت مولانا سید شاہ **محمد طاہر** صاحب قبلہ ناظم مدرسہ میں موجود ہے۔ اور پوری طرح یہ حضرات اپنے اسلاف کے نقش قدم پر گامزن ہیں فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک

ایں سعادت بزور بازو نیست
"تا نہ بخشد خدائے بخشندہ"

شائقین علوم آتے ہیں اور اپنا اپنا دامن بقدر ظرف، او رہمت گوہر مراد سے بھرتے ہیں۔ اس آستانہ کا فیض سب پر یکساں ہے۔ بارش کی تاثیر اور فیضان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پہاڑ اور ٹیلہ ریگستان اور صحرا، باغ اور دریا، ہر جگہ یکساں برستی ہے لیکن کہیں پھول کھلتا ہے اور کہیں گھاس پھوس۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ رُوید و در شورہ بوم خس،

اسیطرح اس سرچشمۂ علم و حکمت کا فیضان و کرم سب پر یکساں ہے۔ اب جس کو جو کچھ ملتا ہے، یہ اسکی اپنی اپنی صلاحیت و ہمت ہے، اگر کوئی اپنی تنگدامنی کا شکوہ کرے تو اس کے لئے یہ شعر زیادہ موزوں ہوگا۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

از مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی
مدرس دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

حضرات انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں تشریف آوری کی غرض مخلوق کی ظاہری و باطنی اصلاح و تربیت تھی۔ خاتم الانبیا سیدالمرسلین محبوب رب العالمین کی ذاتِ گرامی پر جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور ایک کسی دوسرے نبی کے آنے کی اُمید نہ رہی، تو آپکے اصلاحی و تبلیغی فرائض کی ذمہ داری آپ کی اُمت کے اولیا اور علماء پر پڑی۔ ظاہری اصلاح، تبلیغ و ہدایت کا کام علماء انجام دیتے رہے اور باطنی (قلبی) تطہیر و تزکیہ کا کام حضرات اولیاء اللہ کے ذریعہ تکمیل پاتا رہا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و نبوت قیامت تک کیلئے ہے، اس لئے ضروری ہے کہ آپ کا اصلاحی و تبلیغی فریضہ تا قیام قیامت مذکور الصدر دونوں گروہوں کے ذریعہ انجام پاتا رہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ یہ ادارہ آپکے دونوں ظاہری و باطنی اصلاحی کاموں کا سنگم یعنی مجمع البحرین ہے۔ ظاہری و باطنی اصلاح و ہدایت اور فیوض و برکات کا سلسلہ ہر وقت یہاں سے جاری ہے۔ ایک طرف علم و ادب کو بام عروج پر پہنچانے کی جدوجہد ہے تو دوسری جانب اخلاق و روحانیت کی اصلاح و تربیت کا بھی پورا اہتمام و توجہ ہے ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

حضرات اقطاب ویلور رحمہم اللہ تعالیٰ کی فیض بخشیوں کا ایک زندۂ جاوید کرشمہ **دارالعلوم لطیفیہ** ہے جس کا خاص مقصد یہ ہے کہ طلباء جس طرح زیورِ علم و ادب سے آراستہ ہوں، اسی طرح وہ باطنی اوصاف و فضائل کے بھی جامع ہوں تاکہ وہ اپنے قول و عمل اخلاق و سیرت کی تائید و طاقت سے کما حقہٗ اصلاح و تربیت کا کام انجام دے سکیں۔ جو لوگ گم کردہ راہ ہیں، اسلام کے صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں، یا مذہبِ اسلام سے بدظن و نفور ہیں انہیں اپنی عمدہ صلاحیت و استعداد سے کام لے کر اسلامی تعلیمات کے ذریعہ حق کی راہ پر لا سکیں اور خلق خدا کے لئے صحیح معنی میں مشعلِ راہ بن سکیں۔

سندِ عالم و فاضل

دارالعلوم لطیفیہ کا نصابِ تعلیم کُل گیارہ سال کا ہے۔ ابتدائی سات سال کے تعلیمی مراحل سے فارغ ہونے کے بعد درجۂ عالم میں داخلہ ہوتا ہے۔ درجۂ عالم دو سال کا کورس ہے، سال اوّل میں ھدایہ اولین، جلالین شریف، مشکوٰۃ شریف، شرح عقائد نسفی، اخلاق ناصری، ملاحسن اور محلّی داخلِ نصاب ہے۔

سالِ دوم میں تفسیر مدارک، بخاری، مسلم، ترمذی، ہدایہ آخرین، سراجی، دیوانِ حافظ داخل ہے۔

اسی طرح فاضل کا بھی دو سال کا کورس ہے۔ سال اوّل میں بیضاوی، طحاوی، مسلم الثبوت، میر زاہد، ملا جلال، میبذی سکندر نامہ، حماسہ ہے، اور سال دوم میں جواہر الحقائق۔ جواہر السلوک، تحفۂ مرسلہ۔ احیاء العلوم۔ فصوص الحکم، حجۃ اللہ البالغہ، ابن ماجہ درس میں شامل ہے۔

عالم کا کورس پورا کرنے اور امتحان میں کامیاب ہونے پر

عالم کی سند دی جاتی ہے۔ اور فاضل کا کورس ختم کرنے اور کامیابی حاصل کرنے پر فاضل کی سند ملتی ہے۔ سندِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد اُنہیں موقع ملتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور ملک و قوم کی خدمت میں لگ جائیں۔ نیز ان کامیاب ہونے والے فاضلین کو عبا و دستار بطورِ خصوصی انعام عطا کیجاتی ہے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

طلباء میں انشاء وتحریر کی صلاحیت پیدا کرنے کیلئے یہ شعبہ قائم کیا گیا ہے

رسالہ اللطیف جو سالانہ بورڈ کی جانب سے شائع ہوتا ہے اس میں طلباء واساتذہ سبھی کے مضامین ہوتے ہیں۔ لڑکے اپنی اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق کوشش و محنت سے کام لیکر مواد فراہم کرکے مضامین مرتب کرتے ہیں، جن کا مضمون معیار کے مطابق ہوتا ہے وہ لیا جاتا ہے اور جن کا معیار کے مطابق نہیں ہوتا ان کو ان کے مضمون کی خامیوں پر توجہ دلائی جاتی ہے تاکہ وہ پھر کوشش کرکے اپنے مضمون کو قابل اشاعت بنا سکیں۔

انجمن دائرۃ المعارف کے جلسے

اس انجمن کا مقصد طلباء میں تقریر وخطابت کی قوت بہم پہنچانا ہے تاکہ وہ اسلام کے پیغام کو اچھے اور عمدہ طریقہ سے قوم کے سامنے پیش کرسکیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس مقصد میں بہت کچھ کامیابی ہوئی ہے اور خدا کے لطف و کرم سے امید ہے کہ آئندہ اس سے بھی زیادہ کامیابی عطا فرمائیگا اور سب کی کوششیں بارآور ہوں گی۔ انجمن کا یہ اجلاس ہفتہ وار ہوتا ہے۔ ایک شب جمعہ میں اور دوسرا روز جمعہ کو نمازِ فجر کے بعد سے آٹھ بجے تک۔ اول الذکر اجلاس کی صدارت باری باری محترم و مکرم جناب ناظم صاحب قبلہ اور اساتذۂ دارالعلوم کرتے ہیں، جس میں وہ حسب موقع و مصلحت مقررین طلباء کی خامیوں کی نشاندہی کرکے اصلاح و درستگی کی کوشش کرتے ہیں، جس سے طلباء میں اچھی صلاحیت و استعداد پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

دارالعلوم لطیفیہ کا افتتاحی رُوح پرور اجلاس

حسبِ معمول اس سال بھی انجمن دائرۃ المعارف کا سالانہ افتتاحی اجلاس زیر صدارت عالیجناب فضیلت مآب اعلیحضرت مولانا ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور، مورخہ ۲۶ فروری ۹ بجے شب منعقد ہوا۔ جلسہ کا آغاز تلاوتِ قرآن کریم سے ہوا۔ اس کے بعد حافظ محمد ابراہیم متعلم مدرسۂ لطیفیہ نے نہایت ہی عمدہ طرز اور دلکش آواز میں نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سنائی۔ دارالعلوم لطیفیہ کی دیرینہ روایات کے مطابق اس سال بھی ایک نئے خطیب کو مدعو کیا گیا جن کا اسم گرامی مولانا مولوی محمد حسن خاں صاحب ایم اے، علیگ ہے۔ موصوف نے بہت ہی جامع اور بلیغ انداز میں طلباء دارالعلوم کو خطاب فرمایا۔ جس صنفِ سخن کی جانب آپ متوجہ ہوئے، فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ قادر الکلامی کا یہ حال کہ ہر شخص سراپا حیرت و استعجاب بنا ہوا محوِ تقریر تھا اور ہر طرف آفرین و تحسین کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ دورانِ تقریر آپ نے فرمایا کہ یہ مدرسہ سادات کرام اور خاندانِ اہل بیت کا ہے، خدا کی مدد اور بزرگان حضرت مکان کی یہ زندہ کرامت ہے کہ مدرسہ اسلاف و مشائخ دین کی روایات کو قائم اور باقی رکھے ہوئے ہے، ورنہ اس پُرفتن دور کی مسموم فضا میں محفوظ رہنا بہت مشکل تھا۔ جو طلباء اس دارالعلوم سے اکتسابِ علم کرتے ہیں، وہ بڑے خوش نصیب

ہیں، ایک تو علم کی لازوال دولت انہیں حاصل ہوتی ہے اور دوسرے بزرگان مکان کی عنایات و توجہات ان کے حال پر مبذول رہی ہے اور پھر اللہ کی رحمت اور اس کا لطف و کرم اُن کے شامل حال رہتا ہے۔ اس طرح وہ تمام انوار و برکات کے سایہ میں علم و عمل کی راہ میں عروج و ترقی کی منزل کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے طلباء کو نظم و ڈسپلن قائم رکھنے کی تاکید فرمائی اور کہا کہ آج جتنی بھی ترقی یافتہ اقوام ہیں، وہ سب اس اصول پر سختی سے پابند ہیں اور یہی ان کی ترقی اور کامیابی کا اصل سبب ہے۔

اسلام میں خود ڈسپلن اور نظام الاوقات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام عبادات کے لئے بھی وقت مقرر کر دیا ہے۔ یہ اسی لئے ہے تاکہ مسلمانوں کے نظامِ عمل میں بے قاعدگی اور بے اعتدالی پیدا نہ ہو۔ ان کی قوتِ عمل، عزم و ارادہ ہر وقت مستعد اور بیدار رہے۔ ان کے اندر غفلت، تن آسانی، راحت طلبی کا مادہ پیدا نہ ہوا ور کار زارِ حیات میں ایک مجاہد کی طرح زندگی بسر کریں۔

آخر میں آپ نے اس بات پر فخر و مسرت کا اظہار کیا کہ سادات کرام کے ایک متبرک اور مقدس مقام میں مجھے خطاب کرنے کا شرف حاصل ہوا جس پر میں تمام بزرگانِ مکان کا مشکور ہوں۔

آپ کے بعد حضرت مولانا سید شاہ قادر محی الدین صاحب قبلہ قادری جانشین حضرت مولانا مولوی ابوصالح سید شاہ احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیردار ورنگل نے اپنی بڑی دلپذیر طرز خطابت سے سامعین کو مستفید فرمایا بسلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے عقائد کی اصلاح و درستگی کی جانب آپ نے خاص توجہ دلائی۔ آپ نے فرمایا کہ آج دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اپنی ظاہری اور دنیوی ترقیوں کے پیش نظر ممکن ہے کہ آسمان سے تارے بھی توڑ لائیں اور چاند کے بجائے سورج تک رسائی حاصل کریں، لیکن روحانی بلندی، اور حق و معرفت کا حصول انہیں اسوقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اسلام کے زرین اصول و عقائد پر ایمان نہ لائیں۔ یہ عقیدہ کا مسئلہ ایک ابدی اٹل اور دائمی حقیقت ہے جس میں ذرہ برابر بھی ترمیم و تنسیخ یا رد و بدل کی گنجائش نہیں۔ ہم اصلی اور حقیقی کامیابی اسی وقت حاصل کرسکتے ہیں، جب ہم اللہ کے نیک بندوں کا راستہ اختیار کریں، جو درحقیقت زندہ اور اس کے تصرفات و کرامات آج بھی تمام عالم میں جاری و ساری ہیں۔

اسکے بعد مدرس دارالعلوم مولانا سید حمید اشرف صاحب نے علم کے ساتھ عمل کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ علم اگرچہ ایک عمدہ اور اعلیٰ شئے ہے لیکن اسکی اصل قدر و قیمت عمل سے ہے۔ جس علم کے ساتھ عمل نہ ہو وہ اس درخت کی طرح ہے جس میں پھل نہ آتا ہو، ایسا درخت صرف کاٹ ڈالنے اور جلا ڈالنے کے لائق ہی ہوتا ہے، اسی طرح وہ علم بھی بے فیض اور غیر نافع ہے جس کے ساتھ عمل کی تاثیر و طاقت نہ ہو۔ ہمارے اسلاف اور بزرگان دین کی جو خصوصیت تھی، وہ یہی تھی کہ وہ سراپا کردار تھے، جن تعلیمات کی وہ اپنی زبان سے تبلیغ کرتے تھے، اپنے عمل و کردار سے اپنی سچائی کا ثبوت پیش کرتے تھے، بڑے سے بڑے خطرہ اور مصیبت کے وقت بھی وہ اپنے اصول و مسلمات پر ثابت قدم رہتے تھے اور کسی بھی حالت میں وہ اس رشتۂ عمل کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے، لیکن آج ہم مبلغین اسلام کا حال اسکے برعکس ہے۔ اب کچھ اغراض ہیں، کچھ مصلحتیں ہیں۔ ابن الوقتی ہے، فریب نفسی ہے، غرض بیسیوں قسم کے مکائد و حیل ہیں۔ خلوص اور سچائی کے ساتھ عمل و کردار کا جوہر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہماری تمام سعی و کوشش بے روح و بے جان معلوم ہوتی ہے، اور دل کی دنیا میں کوئی تغیر و انقلاب رونما نہیں ہوتا، حالانکہ اسلاف اور بزرگانِ دین نے اپنے عمل و کردار ہی کی طاقت

جو تاثیر سے دلوں کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا تھا جس کی وجہ سے بڑے بڑے منکر و منحرف لوگ اسلام کے لئے جاں نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ آج بھی وہی تعلیمات، وہی حقیقتیں اب بھی موجود ہیں لیکن اس پر چلنے والے برائے نام ہیں، اللہ تعالےٰ سب کو توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں ناظم دار العلوم لطیفیہ حضرت مولانا مولوی ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی، نے اپنے اثر آفریں اور رقت انگیز لب و لہجہ میں فرمایا کہ حضرات اولیاء اللہ اور بزرگان دین ہی عالم تھے اور ہیں کہ جن کو وارث انبیاء ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہ حضرات اپنے حال اور قال سے سراپا سنت نبوی صلعم کا نمونہ ہوتے ہیں۔ اخلاق نبوی اور سیرت محمدی صلعم کا آئینہ ہوتے ہیں حقیقت میں دنیا کی تمام سرسبزی و شادابی، خیر و برکت نعمت و عافیت اور یہ تمام باغ و بہار، یہ سب انہیں نفوس قدسیہ کی برکت سے ہے۔ انہیں کے صدقہ و طفیل میں تمام مخلوق اللہ کی نعمتوں سے مستفیض ہوتی ہے۔ یہ بڑی احسان فراموشی کی بات ہے کہ دنیا والے جس کے طفیل میں پل رہے ہیں اور جی رہے ہیں ان کا طریقہ چھوڑ کر اور ان کی راہ سے ہٹ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کریں۔

آپ نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بزرگان دین کی کرامات کے سلسلہ میں جامع شریعت و طریقت عارف ربانی حضرت مولانا مولوی سید شاہ عبد اللطیف صاحب قبلہ قادری مکی رحمۃ اللہ علیہ قطب ویلور کی ایک کرامت کا ذکر فرمایا کہ ایک شخص جسکا نام سکندر تھا کسی نامعلوم مقام سے مرشد کامل کی تلاش میں نکلا تھا، اسکی شرط یہ تھی کہ جو پیر و مرشد میرا نام بتا دیگا اسی کے دست حق پرست پر میں بیعت کروں گا۔ بہت سے مقامات سے گھومتا پھرتا تلاش و جستجو کرتا حضرت مکان ویلور آیا جسوقت وہ حضرت مکان کے گیٹ میں داخل ہوا، اس وقت حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ درگاہ شریف میں تشریف فرما تھے۔ فوراً اس نووارد شخص پر نظر پڑتے ہی آپ نے فرمایا سکندر خان! السلام علیکم، سکندر خان اسی وقت قدم بوسی کرتے ہوئے شرف بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے تمام معزز مہمان صاحبان و احباب کا شکریہ ادا فرماتے ہوئے دعا پر تقریر ختم کی۔ آخر میں صلوٰۃ و سلام کے بعد مجلس برخواست ہوئی۔

مخصوص جلسے

اس سال بھی انجمن دائرۃ المعارف کے ہفتہ وار جلسے اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق نہایت نظم و ضبط کے ساتھ انجام دیئے گئے۔ علاوہ ازیں، دوران سال میں کچھ مخصوص جلسے بھی منعقد ہوئے جسکی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

دس ربیع الاول کو ولادت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ مجلس ترتیب دی گئی اور تمام اساتذہ اور طلباء دار العلوم لطیفیہ نے سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ بعد میں حضرت ناظم مدرسہ مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری کی اختتامی تقریر اور صلوٰۃ و سلام پر جلسہ ختم ہوا۔ اور شیرینی تقسیم ہوئی۔

اسی طرح گیارہ ربیع الثانی کی شب میں سلطان العارفین غوث الاعظم محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کی یادگار میں جلسہ منعقد ہوا جس میں حسب سابق تمام کارروائیاں انجام پائیں۔

پندرہ آگسٹ کو یوم آزادی کے موقع پر جناب یم۔ انور صاحب یم۔ اے ممبر پارلیمنٹ، مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر

صاحب قبلہ قادری ناظم دارالعلوم لطیفیہ ویلور، اور مولانا سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی نے بھارت کی آزادی پر تقریریں کیں۔ مذکورہ تمام خصوصی اجلاس زیر صدارت حضرت مولانا اعلیحضرت ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور قدس اللہ اسرارہم منعقد ہوئے۔

درسی امتحانات و انعامات

دارالعلوم میں تین امتحان سہ ماہی ششماہی اور سالانہ ہوا کرتے ہیں۔ پہلے دونوں امتحان دارالعلوم کے اساتذہ لیا کرتے ہیں، اور سالانہ امتحان کیلئے غیر مقامی ممتحنین، سوالات کے پرچے مرتب کرکے روانہ کرتے ہیں اور لڑکوں کے جوابات کی کاپیاں بھی انہیں ممتحنین کے پاس بھیجدی جاتی ہیں اور مذکورہ حضرات اسے جانچ کر کامیابی یا ناکامی کا نمبر متعین فرماتے ہیں۔

شعبۂ حفظ

شعبۂ حفظ کے طلباء کا امتحان بھی سہ ماہی اور ششماہی میں دارالعلوم کے اساتذہ ہی لیا کرتے ہیں۔ سالانہ امتحان کیلئے باہر سے حافظ بلائے جاتے ہیں۔ اِدھر کئی سال سے بنگلور کے جناب حافظ قاری سید عبدالقادر صاحب کو سالانہ امتحان لینے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ سعادت حسب سابق اس سال بھی انہیں کو حاصل ہوگی۔ کامیاب ہونیوالے حفاظ کو سندِ حفظ اور عباء و دستار کے علاوہ تلاوت و قرأتِ قرآن کی وہ خصوصی اجازت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ بسلسلہ سینہ بسینہ اپنے مشائخ و اسلاف کے ذریعہ اعلیحضرت قبلہ مدظلہ العالی کو حاصل ہے۔ آپ ازراہ شفقت ونوازش عنایت فرماتے ہیں، جو اُن طلباء کے لئے بڑے فخر و مسرت کی چیز ہے۔

پیغامِ مسرت

دارالعلوم کی علمی ترقیوں کا ایک سنہرا باب اور روشن مثال یہ بھی ہے کہ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور کا الحاق مدراس یونیورسٹی سے ہوگیا ہے اور اب متعلمین دارالعلوم کیلئے ایک نادر موقع ہے کہ وہ افضل العلماء منشی فاضل، ادیب فاضل کی تیاری کرکے یونیورسٹی امتحان بغیر کسی زحمت اور دشواری کے پاس کرسکتے ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی حسب سابق متعدد طلباء، ادیب، منشی، اور افضل العلماء کے امتحان میں شریک ہوئے اور بحمداللہ کامیابی حاصل کی اور آئندہ کیلئے بھی لڑکوں کی تیاریاں جاری ہیں۔ اسطرح دارالعلوم لطیفیہ نے اُن کی دینی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیاوی ترقی کی راہیں بھی کھول دی ہیں۔

دارالتالیف والترجمہ

اس شعبہ کے قیام کا مقصد بزرگانِ حضرت مکان کی تصانیف سے مع تراجم وتشریحات مخلوق کو فائدہ پہونچانا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد کتابیں، مثلاً انوارِ اقطابِ ویلور۔ رسالۂ بیعت غائب وحاضر۔ میزان العقائد۔ اور مجموعۂ رسائل قربی وغیرہ شائع ہوچکی ہیں۔ انشاءاللہ آئندہ انشاء عقائد ذوقی اصل کتاب ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کی جائیگی، فی الحال اسکی تحقیق وریسیرچ کا کام ہو رہا ہے۔

دارالافتاء

اصحابِ ضرورت کے روز افزوں تقاضوں اور سوالات کیوجہ سے یہ شعبہ بھی قائم ہے، جس میں فتاوے کا جواب نہایت تحقیق و تدقیق

کے بعد مرتب کیا جاتا ہے مستند علمائے کرام کی تصدیق و تائید کے بعد اعلیحضرت قبلہ کی خصوصی مہر کے نقش کے ساتھ روانہ کیا جاتا ہے جس سے مستفتی کو پورا اطمینان ہو۔

اسبابِ صحت

طلباء کے مطالعہ و مذاکرہ، درس و تعلیم پر جس طرح نگرانی کی جاتی ہے، اسی طرح ان کی جسمانی صحت، تندرستی، چستی و پھرتی کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ظاہر ہے مسلسل پڑھتے رہنے، مطالعہ و کتب بینی سے دماغ تھکن محسوس کرنے لگتا ہے۔ خیال اور ذہن پورے طور سے غور و فکر کی جانب متوجہ نہیں ہوتا۔ اس تھکن اور سستی کو دور کرنے کیلئے طلباء کے واسطے مدرسہ کے احاطہ میں مختلف کھیلوں کا انتظام کیا جاتا ہے جس میں والی بال، بیڈمنٹن، ٹنی کائیٹ، کبڈی، کشتی رسہ کشی، باغبانی وغیرہ مختلف قسم کے کھیل ہیں۔ اس کھیل کے لئے عصر اور مغرب کا درمیانی حصہ ہے۔ اسطرح لڑکوں کی دماغی تھکن اور کسل بھی دور ہوتا ہے جسمانی صحت اور طاقت و قوت بھی برقرار رہتی ہے اور پھر کلاس کے اوقات میں وہ مستعد اور تازہ دم ہو کر تعلیمی کاموں پر توجہ کرتے ہیں۔

اسپورٹس امتحانات و انعامات

سالانہ امتحان کے موقع پر تعلیمی شعبہ کیطرح لڑکوں کے کھیلوں کی مشق و مہارت کا بھی امتحان لیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ممتحنین کی ایک کمیٹی بنا دیجاتی ہے اور وہ لڑکوں کی کامیابی کا معیار اپنی صوابدید سے مقرر کرتے ہیں، جو لڑکے ان کھیلوں میں اول و دوم آتے ہیں انہیں مختلف طرح سے انعامات سے نوازا جاتا ہے، یہ مقابلہ کا امتحان اور انعامات کی تقسیم کا منظر بھی بڑا دلچسپ اور قابل دید ہوتا ہے۔

اطباءؒ و ڈاکٹروں کی خدمات میں

ہم ان اطباء، اور ڈاکٹروں کے دل سے شکر گذار ہیں، جنہوں نے طلباء کی بیماریوں اور پریشانیوں میں خاص شفقت و ہمدردی کے ساتھ علاج و معالجہ کیجانب توجہ فرمائی، اور ان کی صحت بحال کرنے کی کوشش کی۔ ہم اللہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہیں کہ وہ ان کے جملہ جائز و نیک مقاصد کی تکمیل فرمائے، ہر غم و پریشانی کو دور فرمائے اور سعادتِ کونین عطا فرمائے آمین

مدیران اخبار و مطابع کی خدمات میں

مدیران اخبار مسلمان۔ پاسبان سالار۔ آزاد اور جناب عبدالمتین صاحب مالک الیکٹرک قومی پریس بنگلور اور جناب سید فضل اللہ صاحب مالک ہمدرد پریس اندرون عزیزیہ بازار مدراس ۵۔ ہم ان تمام حضرات کے صمیم قلب کے ساتھ مشکور و ممنون ہیں جنہوں نے ہماری مختلف کارروائیوں کی رپورٹیں اور مطلوبہ ضروریات کی اشاعت فرما کر ہمت افزائی فرمائی۔

ہم دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں ان سب کی جائز حاجات و ضروریات کو پورا فرمائے، تمام آفات و مصائب سے انہیں پناہ میں رکھے اور ہر دینی و دنیوی ترقی سے مالا مال فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم

اللہ تبارک و تعالیٰ کے بے شمار و لاتعداد کرشموں میں سے قرآن حکیم ایک زندہ معجزہ ہے۔ اسکی خوشبو ساری دُنیا کو معطّر کر چکی ہے۔ جو بھی اس آبِ حیات سے سیراب ہُوا مست و سرشار ہوا۔ اس کی شیریں کلامی اور مؤثر کلمات نے ایک عالَم کو محوِ عالم بنایا۔ اور اپنے دامنِ پناہ میں لیا اور بندہ کو حق سے ہمکلامی کا شرف بخشا۔

اسی شیریں کلامی کا ہی اثر تھا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کھٹ کھٹایا اور مشرف بہ اسلام ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ابتدا میں اسلام لانے سے پہلے آپ دراصل دشمنِ اسلام تھے۔ ایک روز ننگی تلوار لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام (نعوذ باللہ من ذالک) تمام کرنے کے ناپاک ارادوں کے ساتھ جا رہے تھے تو راستہ میں نعیم بن عبداللہ سے معلوم ہوا کہ خود ان کی بہن اور بہنوائی اسلام لا چکے ہیں۔ تو سیدھے بہن کے گھر گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ جب آپ کی آمد کی خبر ہوی تو قرآن کا پڑھنا بند کر دیا۔ آپ گھر میں داخل ہو کر بہن اور بہنوائی کو خوب مارا اور جب انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اب تمہاری کوئی سختی ہمیں اس راستے سے ہٹا نہیں سکتی تو ان کے اس مصمم ارادے کو دیکھ کر آپ متاثر ہوئے اور قرآن مجید سننے کی خواہش ظاہر کی۔ جب قرآن کے اجزاء آپ کے سامنے رکھے گئے تو پڑھ کر یہ اثر ہوا کہ خود پکار اٹھے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" اور سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ ہوئے اور وہاں پہنچکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب اندر آنے کی اجازت ملی تو اسلام سے مشرف ہونے کا معروضہ پیش کیا جو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔

قرآن حکیم کا ہی معجزہ تھا کہ ایک شخص کا ہاتھ کٹا ہوا جُڑ گیا۔ اس زمانے میں عرب کا یہ دستور تھا کہ جو شخص چوری کرتا اُس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔ چوری ہی کے جُرم میں ایک شخص کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اور وہ چوراہے پر درد سے بیتاب بے قرار تھا۔ اتفاقاً حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا گذر اُدھر سے ہوا اور آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا اور اسکی معذرت پر سورہٗ

فاتحہ پڑھکر ہاتھ پر دم کیا تو آپ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ یہ آسان نسخہ حاصل ہوا سمجھکر پھر چوری نہ کرنا۔ مگر وہ شخص دوبارہ چوری کیا اور ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ کئی ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھ کر خود دم کیا مگر ہاتھ نہ جڑا۔ وہ اثر اور تاثیر کہاں آسکتی تھی؟ ایک اور مرتبہ آپ کی خدمت میں بہت ہی ندامت و شرمندگی سے حاضر ہوا اور بعد معذرت اور صدق دلی سے تائب ہوکر وعدہ کرنے پر پھر آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھکر اس کے ہاتھ پر دم کیا اور ہاتھ جڑ گیا۔

صاحب تذکرۃ الاولیاٗ ایک بزرگ کے حالات میں رقمطراز ہیں کہ ایک روز اتفاقاً ان بزرگ کے ہاتھ سے قرآن مجید چھوٹ کر نیچے گر گیا تھا۔ اس واقعہ کے چند دنوں بعد جبکہ ایکروز آپ کسی ضرورت کے تحت بازار سے گزر رہے تھے، تو پولیس جو کسی چور کی تلاش میں اُدھر سے آرہی تھی آپ کو گرفتار کرلی اور آپ کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ آپ نے اس سزا کی پاداش پر جائزہ لیا تو آپ کو دفعتاً خیال آیا کہ فلاں روز آپ کے ہاتھ سے قرآن مجید چھوٹ کر گر گیا تھا جس کی بے ادبی کے جرم میں یہ سزا بجا طور پر ملی تھی۔

قرأت کے پڑھنے کے کئی اقسام ہیں۔ لیکن سات قسم کی قرأت نہایت ہی مشہور ہے۔ جب کوئی خوش الحان قاری، لحن داؤدی سے قرأت پڑھتا ہے تو سننے والے مسلمان ہوں یا غیر مسلم، سب کے سب مست ہوکر جھومنے لگ جاتے ہیں، اور کلام اللہ کا ایک ایک لفظ دل پر اثر کرجاتا ہے۔

اسی طرح ایک آیت کے کئی معنے بیان کئے جاتے ہیں حضرت سرکار غوث مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ آپ ایک آیت کے چھ سے لیکر ساٹھ معنی بیان فرماتے ہیں۔ یہ صرف اہل اللہ بزرگوں کا کام ہے، ورنہ ہرکس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ راز اور پوشیدہ باتیں کتابوں اور صحیفوں سے نہیں بلکہ اللہ والوں کے منہ سے حاصل کریں۔

انوار الاذکیاء کے دیباچہ میں تحریر ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں کے منہ سے لیکر سینے تک کوئی بیماری نہیں آتی۔ یہ اللہ کا خاص فضل اور قرآن حکیم کا زندہ معجزہ ہے کہ اس میں ہر مرض کی شفاء ہے۔ آیاتِ شفاء جب مختلف امراض پر پڑھکر دم کئے جاتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی برکت سے شفا عطا فرماتا ہے اور لاعلاجوں کو بھی صحّت حاصل ہوتی ہے۔ نظرِ بد، جادو، سحر، سانپ اور بچھو کے کاٹ کیلئے بھی اکسیر اعظم ہیں۔ اہل بصیرت کیلئے ہر مرض کا علاج اس میں موجود ہے۔

قرآن مجید کا ایک اور زندہ معجزہ ملاحظہ فرمائیے۔ ولوانّا میں ایک چھوٹی سی آیت ہے جو تلوار پر پڑھ کر دم کرنے سے تلوار کُند ہوجاتی ہے ضلع ورنگل ریاستِ حیدرآباد میں موضع "عرس" مشہور ہے۔ آیتِ مذکور کے ذریعہ وہاں "ناب تلی" کا علاج بآسانی ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ جمعہ کی صبح طلوع آفتاب کے وقت مریض کو لٹا دیا جاتا ہے۔ اس آیت

خاص کو پڑھ کر تلوار پر دَم کرنے سے تلوار کُند ہوجاتی ہے، بعد ازاں اس ننگی تلوار سے اس کے پیٹ پر مارتے ہوئے مخصوص آیت تین منٹ پڑھ کر دَم کیجاتی ہے۔ یہ پورا علاج جملہ نو منٹ کا تین جمعہ تک ہوتا ہے۔ اختتام پر بفضلہ تعالیٰ مریض کو مکمل صحت حاصل ہوتی ہے اور بالکلیہ مرض دفع ہوتا ہے، جناب سید شاہ قادر محی الدین صاحب قادری جانشین حضرت مولوی ابوصالح سید شاہ احمد صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ جاگیردار عرس، ورنگل اور جناب ڈاکٹر سید حسن محی الدین صاحب قادری اپنے آبائی فیض کو جاری رکھتے ہوئے خدمتِ خلائق انجام دے رہے ہیں۔ اطراف واکناف دُور اور نزدیک سے اس علاقہ کے اکثر لوگ اپنی حاجت روائی کے لئے ان ہی حضرات کے پاس پہنچتے ہیں اور اپنی مُراد حاصل کرتے ہیں۔ یہ فیض عام وخواص خالصتاً لوجہ اللہ ہوتا ہے۔ یہ مظاہرہ ایک قابل دید مشاہدہ ہے۔

قرآن حکیم کا ہی یہ معجزہ ہے کہ دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں انسان، مرد اور عورت بچے اور بڈھے تمام برابر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، دنیا کے ہر حصے میں روزانہ اسکی تلاوت ہوتی ہے لیکن روزِ جمعہ تو اور زیادہ ہوتی ہے۔ خاص کر ماہ رمضان المبارک میں تو کثرت سے لوگ اس کو پڑھتے ہیں۔ تراویح کی نماز کیلئے دنیا کے مختلف ممالک کی مساجد میں جہاں حفاظ کا انتظام ہوتا ہے تو اس ایک ماہ میں وہاں لاکھوں قرآن ختم کئے جاتے ہیں۔ حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک چودہ سو سال گذرنے کے باوجود بھی اسکے زیر یا زبر میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے سینوں میں یہ کلام اللہ محفوظ چلا آرہا ہے۔ یہ خود ایک معجزہ اور زندۂ جاوید کارنامہ ہے کہ اتنی بڑی اور ضخیم کتاب ہونے کے باوجود بآسانی حفظ کیجاتی ہے اور سنائی جاتی ہے۔ حافظ قرآن کا خاتمہ بخیر ہوتا ہے اور اس کے کئی پشتوں کی بخشائش ہوتی ہے۔

دنیا کی کوئی کتاب شاید اسطرح سینوں میں محفوظ نہ ہو اور نہ ہی پڑھی جاتی ہو۔ یہ تمام خوبیاں اور خصوصیتیں صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہیں۔ دنیا کی مختلف اور بیشمار زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوچکا ہے اور اسپر کثیر تفاسیر لکھی جاچکی ہیں۔ اکثر مشہور و معروف تفاسیر دنیا کے ہر بڑے اور چھوٹے مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلام میں تمام مسائل، سیاسی، مذہبی معاشی اور وراثتی صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے۔ یہ زریں اصول ہر مقام اور ہر زمان کے لئے صادق آتے ہیں۔ اللہ کے اس کلام پاک کو پڑھ کر اکثر غیر مسلم اسکی تاثیر اور اثر سے مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں۔ رہتی دنیا تک انسانوں کیلئے یہ ایک معجزہ ہے اور جس میں ہر عقل اور سمجھ رکھنے والے انسان کی رہنمائی ہوتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے بھی معجزے عطا ہوئے اُن میں سب سے بڑا معجزہ قرآن ہی ہے اور قرآن ایک ایسا معجزہ ہے جو دائمی ہے۔ دوسرے معجزات وقتی تھے، اور وہ ختم ہوگئے لیکن یہ معجزہ قیامت تک رہیگا اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالےٰ کو خواب میں ہزار مرتبہ دیکھا اور ہر بار یہی دریافت کیا کہ اے اللہ تیرا قرب کس چیز سے حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے، کہ قرآن مجید کی تلاوت سے جو میرا کلام ہے۔ پھر آپ نے عرض کیا کہ یا اللہ قرآن مجید کی تلاوت دیکھکر ہو یا بے سمجھے۔ باری تعالےٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ چاہے قرآن کی تلاوت سمجھکر ہو، یا بے سمجھے۔ دونوں طرح کی تلاوت قرب الٰہی کا سبب ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ بہ سلسلہ تلاوتِ قرآن مجید کی اجازت حاصل ہوی ہو۔ اس اجازت نامہ کا اثر اور تاثیر ہی کچھ اور ہوتی ہے، انوارِ الٰہی ظاہر ہونے لگتے ہیں، اور تلاوت میں خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔

پیغمبر آخر الزمان کا یہ سب سے بڑا معجزہ ہے دنیا میں صرف قرآن مجید ہی ایک ایسی واحد آسمانی کتاب ہے، جو تحریف سے محفوظ ہے جس میں آج تک ایک نقطے اور شوشے کا بھی فرق نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے۔ قرآن مجید کی صحت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں دنیا کے سینکڑوں ممالک میں جن کی مادری زبانیں مختلف ہیں پڑھا جاتا ہے۔ اور کسی جگہ بھی قرآن مجید کی اصل عبارت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آسکتا۔ یہ خصوصیت صرف دنیا میں قرآن مجید ہی کو حاصل ہے کہ جس کی مثال آفرینش عالم سے لیکر آج تک مفقود ہے اور اگر اُسے قرآن مجید کا زندہ اور نا قابل تردید معجزہ کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

اللہ جل شانہٗ اپنے کلام پاک اور معجزاتِ قرآن حکیم کی برکت سے اُس کے تمام پڑھنے والوں کو آفاتِ ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر اپنے انوارِ رحمت کی بارش برسائے اور اُن کے تمام مقاصد دینی و دنیوی میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔

آمین۔ ثم آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اطاعتِ خدا و رسول

از :- مولانا مولوی سید حمید اشرف صاحب کچھوچھوی مدرس دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب اگر میں آپ کو پیدا نہ کرتا تو اس کائنات کو بھی پیدا نہ کرتا۔ وجہ یہ ہے کہ آپ کی ذات بابرکات کے بغیر اس کائنات کا کوئی مقصد متعین نہیں ہو سکتا تھا۔ تمام کائنات کے لئے آپکی ذات معیارِ حق و باطل، معیارِ خیر و شر، معیارِ حسن و قبح ہے یعنی اگر کسی شئے کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ اسکی کیا قدر و قیمت ہے تو وہ یہ دیکھے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے اسکو کیا نسبت ہے، اگر اسے آپکی ذات سے کوئی نسبت نہیں ہے تو خواہ وہ دنیوی لحاظ سے کتنا ہی جاہ و حشمت والا ہو، اپنی قوم و قبیلہ کا سردار ہو، غرض کہ وہ فرعون وقت ہو یا قارون زمانہ ہو، مگر خدا کے نزدیک اسکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور جس قدر حضور صلعم کی ذات سے نسبت بڑھتی چلی جائیگی اسی قدر اسکی قدر و قیمت بھی بڑھتی چلی جائے گی۔ تو جب آپ کی ذات معیار ٹھیری تو جس چیز کو آپ پسند فرمائیں وہی خدا کے نزدیک بھی پسندیدہ اور جس چیز کو آپ ناپسند فرمائیں وہی خدا کے نزدیک بھی مذموم اور شر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت کا تمام دار و مدار آپکی پسند اور ناپسند پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کریمہ میں ہمیں ہر کام میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ آپ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم خدا کی محبت کے آرزومند ہو تو میری اتباع کرو، اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تم کو اپنا محبوب بنالیگا۔ اور جسکو خدا محبوب بنالے تو کیا دنیا کی کوئی قوم یا دنیا کی کوئی بھی طاقت اس کو ذلیل و رسوا کر سکتی ہے؟ ــــــ

ہرگز نہیں، واللہ ہرگز نہیں۔ ایک اسرائیل کیا بلکہ برطانیہ، امریکہ، روس، بلکہ تمام یورپ مل کر بھی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے جیسا کہ صلاح الدین ایوبی وغیرہ کے تاریخی واقعات سے ظاہر ہے کہ تمام یورپ نے مل کر جس میں تقریباً ۱۳۰۰ عیسائی شہزادے اور سلاطین تھے، ان کے ماتحت کتنی فوجیں رہی ہونگی، ناظرین خود اندازہ کرلیں، لیکن اس کے باوجود ساڑھے تین سال تک جنگ جاری رہنے کے بعد تمام عیسائی فوجیں ناکام و نامراد ہو کر ذلت و رسوائی کے ساتھ پسپا ہو گئیں اور شاہ انگلستان کو بہت دب کر صلح کرنی پڑی یہ ان کی سطوت اور دبدبہ اسی وجہ سے تھا کہ وہ نام کے نہیں بلکہ سچے مسلمان تھے، آج کے نام نہاد مسلمانوں کیطرح اس کو رجعت پسند یا پرانا مذہب کہ جواب بیکار اور بے فائدہ ہو ایسا نہیں سمجھتے تھے، اگر ایسا سمجھتے تو ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو آج اسرائیلوں کے مقابلہ میں ترقی پسند حکومتوں کا ہوا ہے۔ اسی حقیقت کا اظہار حال ہی میں مراکش کے ایک مقتدر اور مشہور عالم شیخ تقی الدین صاحب نے کیا ہے موصوف کے الفاظ یہ ہیں اگر اسلام بدمذہبوں کے مقابلہ میں شکست کھا سکتا تو آج سے بہت پہلے صلیبیوں کی جنگ میں شکست کھا چکا ہوتا جبکہ عیسائیوں نے اسلام اور مسلمانوں کے فنا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا لیکن دنیا جانتی

کہ ہمیشہ ان جنگوں میں اسلام ہی غالب و فاتح رہا۔ "البتہ جب ملّتِ اسلامیہ خود اندرونی خانہ جنگیوں کا شکار ہوگئی تو اُسے بھی ذلّت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس لئے کہ جب انہوں نے حکمِ قرآن کی خلاف ورزی کی تو ان کو سزا بھی ملنی چاہئے تھی، اور ملی۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا تھا کہ تم آپس میں اختلاف و نزاع مت کرنا۔ ورنہ تم میں کمزوری آجائیگی، تم پست ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ساکھ اور دھاک جو چار دانگ عالم میں قائم ہے، وہ جاتی رہیگی۔ لہٰذا اسی شرط کے مطابق جزا بھی مرتب ہوئی۔ مولانا موصوف یشیخ تقی الدین صاحب نے عربوں کی شکست کی وجہ، یہ بتائی کہ حالیہ عرب اسرائیلی جنگ، بہ اسلام اور یہودیت کی جنگ نہ تھی بلکہ اشتراکیت اور سوشلزم یا ترقی پسند لوگوں کی، یہودیوں کے مقابلہ میں شکست ہے، ایسی حالت میں عربوں کی شکست اسلام کے صداقت کی کھلی دلیل ہے" بشرطیکہ دل عبرت پذیر ہو کیونکہ گمراہی کی حالت میں آنکھ اندھی نہیں ہوتی بلکہ دل اندھا ہو جاتا ہے۔ اور حق و باطل، نیک و بد کا امتیاز اس کے نزدیک باقی نہیں رہتا۔ بلکہ اچھی اور مفید چیز اس کو بُری معلوم ہوتی ہے، اور جو چیز ہلاکت اور تباہی کیطرف لے جانے والی ہو، وہی اس کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ خدا انہیں حق و باطل کی سمجھ عطا فرمائے، ان کی دل کی آنکھیں کھول دے، وہ دینِ محمدیؐ کے پورے وفادار اور فرمانبردار بن جائیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے متحد و منظم ہو کر کوشش کریں اور ان کا کھویا ہوا وقار بحال ہو، آمین!

آدم بر سرِ مطلب، آیتِ کریمہ میں فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میرے رسول کی اتباع کرو۔ عقل کا اقتضاء تو یہ تھا کہ جب محبت کا ذکر تھا تو محبت ہی کا حکم دیا جاتا، یعنی یہ کہا جاتا کہ چونکہ تم مجھ سے براہ راست محبت نہیں کر سکتے اس لئے کہ نہ میں تمہاری جنس سے ہوں اور قاعدہ ہے الجنس یمیل الی الجنس یعنی جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اور خدا بندہ کی جنس سے نہیں اور نہ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ تو بغیر دیکھے تم مجھ سے محبت کیسے کرو گے؟ اس لئے تم میرے رسول سے محبت کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہاری جنس سے بھی ہیں اور تم نے انہیں دیکھا بھی ہے۔ تو جب ان کے کمالات، فضائل و محاسن، اور معجزات، وغیرہ کو دیکھ کر ان کی طرف دل کھنچے گا اور ان کی محبت دل میں پیدا ہوگی۔ تو ان کے واسطے سے ہماری بھی محبت تمہارے دل میں پیدا ہوگی۔ کیونکہ ان کے کمالات سے تمہیں ہمارے کمالات، قدرت و اختیار کا اندازہ ہوگا اور یہ چیز ہماری محبت کا باعث ہوگی لیکن آیت میں بجائے محبت کے، اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر محبت کا حکم دیا جاتا تو سوال ہوتا کہ آپ سے محبت کس طرح کی جائے اور یہ کیسے سمجھا جائے کہ ہمیں آپ سے محبت ہے یا نہیں، تو اس کا معیار اللہ نے ہمیں بتا دیا کہ محبت کا معیار اتباع ہے۔ تو جو شخص آپ سے محبت رکھیگا وہ آپ کا اتباع بھی کریگا یہ بالکل ناممکن ہے کہ محبوب سے محبت کا دعویٰ تو ہو، لیکن طرز و روش، حالات و

معاملات سب اسکی مرضی کے خلاف ہوں، بلکہ در اصل محبت کا تقاضہ کہ محبوب کی مرضی کے آگے اپنی کوئی مرضی ہی نہ ہو، قل ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللّٰہ رب العالمین کیلئے ہے۔ محیائی کا لفظ انسان کے ہر حرکت، وسکون، ہر قول وعمل پر شامل ہے۔ اسی کا نام اسلام ہے۔ گویا خدا اور رسولؐ کی محبت دین اسلام کی عمارت کا بنیادی پتھر ہے۔ کہ اس بنیادی پتھر کے بغیر تمام عمارت کھوکھلی اور رو بہ زوال ہے۔ اور اسی مرکزی نقطہ کے گرد مومن کی پوری زندگی گردش کرتی ہے۔ اور یہی اسلام کی اصلی روح ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللّٰہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص عرصۂ دراز تک رہا۔ ایکدن جب وہ رخصت ہونے لگا، حضرت نے پوچھا کیوں جا رہے ہو۔ اس نے کہا میں آپ کی خدمت میں مرید ہونے کیلئے آیا تھا مگر افسوس کہ اس طویل عرصہ میں آپ سے کوئی کرامت ظاہر ہوئی جس سے میں آپکی بزرگی کا قائل ہوتا۔ اس لئے مایوس ہو کر واپس جا رہا ہوں۔ آپنے فرمایا کیا اس طویل عرصہ میں تم نے میرا کوئی قول یا فعل سنتِ نبویؐ کے خلاف دیکھا۔ اس نے جواب دیا "نہیں"۔ پھر آپنے فرمایا کیا اس سے بڑی کوئی کرامت ہو سکتی ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی عظمت، بزرگی، کرامت اور جلالت شان کا اصل معیار اتباع رسول ہے۔ اگر سنتِ رسول کے رنگ میں اس کی زندگی رنگی ہوئی ہے، تو بس وہی کامل ہے، وہی عارف ہے، وہی عاشقِ صادق ہے اور وہی خدا کا محبوب ہے، اور اگر سنت نبوی کا رنگ نہیں ہے تو خواہ وہ کچھ بھی ہو، عالم ہو، علامہ ہو، بقراط ہو، سقراط ہو، مگر نہ وہ عاشقِ رسول ہے، نہ خدا کا محبوب ہے، نہ ان کے لئے خدا کی نصرت و مدد کا وعدہ ہے۔

یہی حضرت بایزیدؒ ہیں کہ جنہوں نے اپنی تمام زندگی خربوزہ صرف اس وجہ سے نہیں کھایا کہ انہیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے یہ پھل کس طریقہ سے کھایا ہے۔ یہ ہے کمالِ عشق، و اتباع کا منظر کہ عاشق کو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ اس کا کوئی بھی انداز و طریقہ محبوب کی طرز و ادا کے خلاف ہو جائے۔ باتیں بنا دینا، بڑے بڑے لکچر اور پُر جوش خطبے دے دینا آسان ہے۔ مگر اپنی زندگی کے صرف ایک دن کے معمولات و مشاغل کو سنتِ نبوی کے معیار پر پیش کر دینا یہ کار سے دارد کا مضمون ہے۔ یہاں تو "درکفِ جام شریعت درکفے سندان عشق" والا معاملہ ہے۔ یہ ہوسناکوں کے بس کی بات نہیں ہے کہ اس کوچہ میں قدم رکھیں، کچھ اس سے مشابہ حضرت اویس قرنی رضی اللّٰہ عنہ کا بھی واقعہ ہے کہ جب حضرت موصوف کو معلوم ہوا کہ میرے محبوب کا ایک دندانِ مبارک غزوۂ اُحد میں شہید ہو گیا تو آپ نے بھی اپنا ایک دانت توڑ دیا اس لئے کہ یہ بات ان کے نزدیک مقامِ عشق کی توہین تھی، کہ جس تکلیف اور مصیبت سے اس کا محبوب دوچار ہوا، محب اور عاشق اس سے بچا رہے، بلکہ اُن نفوسِ قدسیہ کی آرزو یہ رہتی تھی، کہ اگر محبوب پہ کوئی مصیبت آنے والی ہو تو ہم پہ آ جائے، اور آپ محفوظ رہیں۔ اور پھر جب حضرت اویس قرنی کو یہ معلوم نہ ہو سکا، کہ آپ کا کونسا دندانِ مبارک شہید ہوا تھا، تو انہوں نے ایک ایک کر کے سب اپنے دانت توڑ ڈالے۔ اندازہ کیجئے اس جاں نثاری،

فدویت کمال عشق و محبت کا اور پھر جسطرح بارگاہِ رسالت سے خرقۂ رسول ؐ کی دولت و نعمت سے آپ کو سرفراز کیا گیا اور حضرت عمر فاروق ؓ کو اپنے حق میں آنجناب سے طلبِ دعا کی تلقین کی گئی، وہ حضرات اہل علم سے مخفی نہیں۔

یہ تو تھا ان عاشقانِ پاک مسلک کہ جان و مال، عزت و آبرو، آل اولاد سب کچھ محبوب کے اشارہ پر نثار اور قربان ہے، اور ہمارا مسلک کیا رہ گیا ہے، نعرہ لگانا، جلسے جلوس کر لینا، ہڑبونگ مچانا، اور سمجھتے ہیں کہ بس اب ہم نے میدان جیت لینگے۔ شعر

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، خاک کا ڈھیر ہے

تو بقول شاعر، آج ہم راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئے ہیں۔

اسطرح اسلاف و اکابر میں بہت سی ہستیوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مقصود کی وضاحت کیلئے اسی قدر کافی ہے۔ اس قدر تشریح سے اتنی بات واضح ہوی کہ اسلام کا اصل مطالبہ اتباع و اطاعت کا ہے۔ اب یہ بتانا ہے کہ اتباع و اطاعت کی راہ میں مسلمانوں کے لئے کیا چیز روڑا بنی اور کیوں ان کا جذبۂ عمل سرد پڑ گیا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑی رکاوٹ، بلکہ سب سے بڑا دشمن انسان کا خود اپنا نفس ہے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے اعدیٰ عدوك نفسك۔ تمہارے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن خود تمہارا نفس ہے۔ یہ وہی نفسِ امّارہ ہے جسکو شیطان کہا گیا ہے۔ تمام وساوس اور شیطانی خیالات کا یہ مرکز ہے۔ غرور، فخر، شیخی، شان اور تمام برائیوں کی جانب ترغیب و تحریص، یہ سب نفس ہی کا کرشمہ ہے۔ یہ نفس سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ عالم ہو، صوفی ہو، غوث ہو، قطب ہو، تابعی ہو، صحابی ہو۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کے قابو اور کنٹرول میں ہوتے ہیں۔ جیسا نفس کہتا ہے اس پر ہم چلتے ہیں۔ زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ نفس کی حکمرانیاں ہم پر کیا کیا ہیں۔ لیکن حضرات اہل اللہ کا نفس خود ان کے قابو اور کنٹرول میں ہوتا ہے۔ جیسا وہ کہتے ہیں نفس اسکے مطابق چلتا ہے۔ نفس کو قابو میں کر لینا یہ انسان کا بڑا کمال ہے۔ اس حقیقت کو حضور علیہ السلام نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے کہ لیس الصریع بالصرعۃ انما الصریع الذی یملك نفسہ عند الغضب۔ پہلوان عام طور سے لوگ اس کو سمجھتے ہیں جو اپنے مقابل کو میدان میں پچھاڑ دے۔ لیکن حقیقت میں پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں کر لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جہاد اکبر فرمایا ہے اور میدان جنگ میں لڑنے کو جہاد اصغر۔ چنانچہ ایک موقع پر جب آپ ایک غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہونے لگے تو صحابۂ کرام سے آپ نے فرمایا کہ رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر۔ صحابۂ کرام نے تعجب سے پوچھا کہ جہاد اکبر کیا ہے۔ میدان جنگ میں سر کٹانے سے بڑھکر بھی کیا کوئی جہاد ہو سکتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، کہ میدان جنگ میں سر کٹانا اتنا مشکل نہیں جتنا نفسِ امّارہ کے

خلاف جہاد کرنا۔ اس لئے کہ میدان جنگ میں سر کٹانے کی تکلیف محض وقتی اور آنی ہے۔ مگر نفس کے خلاف جنگ مدت العمر کے لئے ہو، یہ لڑائی نفس کے خلاف اُسوقت تک جاری رہتی ہے جبتک کہ روح اور تن کا رشتہ منقطع نہ ہوجائے۔ اب ناظرین خود فیصلہ کرلیں کہ جو لڑائی زندگی بھر کے لئے ہے وہ مشکل ہے یا جو محض تھوڑی دیر کے لئے ہے۔ یہ اتنا اہم اور مشکل کام ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے منجملہ مقاصد سے ایک مقصد تزکیۂ نفس بھی ہے، اگر یہ کوئی معمولی یا آسان کام ہوتا تو اس کے لئے انبیاء علیہم السلام مامور نہ ہوتے۔ اور پھر جب اس مرحلہ میں انسان کامیاب ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا انعام واکرام لطف احسان سب کچھ اس کے حال پر متوجہ ہوجاتا ہے اور رحمت خداوندی پوری طرح اسے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مرتبہ میں خود اپنے نفس کی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے، نہ کوئی ارادہ، نہ کوئی مرضی، بلکہ اس کا ارادہ اور اسکی مرضی سب کچھ اپنے محبوب کے ارادہ اور مرضی میں فنا ہوجاتا ہے، یعنی جو محبوب کی مرضی اور ارادہ، وہی اپنی بھی مرضی اور ارادہ، تو جب اسطرح انسان فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ ہوگا تو وہ اللہ کا محبوب نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ اور جب وہ خدا کا محبوب ہے، تو جو کچھ بھی اُسے بارگاہِ خداوندی سے ملے، وہ سب کم ہی ہے۔ بس مختصر لفظوں میں یوں کہئے کہ ایسے بندۂ مومن کا حکم اور فیصلہ سب خدا ہی کا حکم اور فیصلہ ہوتا ہے، بقول شاعر ؎

چوں فنا اندر رضائے حق بود
بندۂ مومن قضائے حق بود

زیادہ تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے۔ ناظرین کرام! حضرات اہل اللہ کے حالات و واقعات کے مطالعہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔ گفتگو نفس امارہ کے متعلق تھی کہ اس کو زیر کرلینا اور قابو میں کرلینا، تمام کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ اسی نفس پر قابو پانے کی وجہ سے بارگاہِ رسالت سے جناب مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "ابوتراب" کی سند ملی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ ایکمرتبہ نماز عشاء سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک بیوہ عورت کے باغ میں گئے اور اس سے کہا کہ اگر تم کو ضرورت ہو تو نماز فجر تک میں تمہارے باغ کو پانی دے سکتا ہوں اس کا جو بھی معاوضہ تم مجھے دوگی مجھے منظور ہے۔ عورت راضی ہوگئی، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا کا شوہر اور جوانانِ جنت کے سرداروں کا باپ یعنی حضرت علی تمام رات نفس امارہ سے کشتی لڑتا رہا۔ نماز فجر سے پہلے عورت نے کچھ کھجوریں آپ کو بطور اجرت ادا کردیں۔ رات بھر کی محنت، تھکن، بھوک اور پیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ سب سے پہلے ان کھجوروں کو کھا کر ٹھنڈا پانی پی کر نفس و شکم کو تسکین دیں، مگر عاشقین کی نظر میں حیاتِ انسانی کا مقصد نفس و شکم نہیں بلکہ عشق ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ نماز فجر کے بعد ان کھجوروں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نذر کیا جائے اور آقائے کائنات کے ساتھ نوش جان کرنے کی سعادت حاصل کی جائے۔

باغ سے سیدھے آپ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے چونکہ نماز میں دیر تھی، اس لئے تھوڑی دیر کے لئے برہنہ بدن

اسی جگہ فرشِ زمین پر لیٹ گئے۔ جب شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ شمعِ رسالت کا پروانہ ننگے بدن زمین پر سو رہا ہے اور تمام جسم گرد آلود ہے۔ آپ کو اپنے عاشقِ صادق کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ فرمایا اجلس یا ابا تراب۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے مٹی کے باپ اٹھو۔ یہ خطاب ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کو کلام پر بڑی قدرت ہو تو اُسے ابوالکلام کہتے ہیں۔ عربی میں اَخ الحرب، یا ابن الحرب اسکو کہتے ہیں جو بڑا جنگجو ہو اور ہمیشہ جنگ ہی اس کا مشغلہ اور پیشہ ہو۔ حالانکہ لفظی ترجمہ جنگ کا بھائی ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کا مشاہدہ کر لیا تھا کہ علیؓ نے نفسِ امارہ کو جو انسان کا سب سے بڑا دشمن اور مرکزِ ہوا و ہوس ہے پوری طرح قابو میں کر لیا ہے اور اس پر پورا تصرف و اختیار حاصل کر لیا ہے اس لئے آپ نے اپنے شاگرد کی کامیابی پر "ابوتراب" کی سند عطا فرمائی۔ ابوتراب کی سند عطا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب کائنات پر آپ کی حکمرانی ہے۔ چاند و سورج زمین و آسمان سب آپ کے مطیع و فرماں بردار ہیں اور اب حال یہ ہے کہ "اولیاء را ہست قدرت از آلہ" — "تیر جستہ باز گردانند ز راہ"۔ اتنی قدرت اور اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ جو تیر کمان سے نکل گیا ہو اُسے بھی واپس کر سکتے ہیں یعنی بگڑی بات بھی بنا سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین، اور اللہ والوں کو جو کچھ بھی دنیا و آخرت کی کامرانی و سربلندی حاصل ہوئی اس کا اصل سبب عشقِ رسولؐ اور اس کے نتیجہ میں اتباع و اطاعتِ رسولؐ ہے۔

علامہ اقبال نے خوب فرمایا :-

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

افسوس کہ مسلمان آج اسی چیز سے غافل اور کنارہ کش ہے کہ جو ان کی عزت، کامیابی، سربلندی کا اصل سبب ہے۔ اصول سے لے کر فروع تک ہر شعبہ میں صفر اور کورے ہیں۔ اور صد افسوس اس کا ہے کہ اپنی ذلت و پستی کا احساس بھی ختم ہو چکا ہے۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

خدا کرے کہ مسلمانوں کو اپنی ذلت و پستی کا احساس ہو۔ اپنی متاعِ گم شدہ کی تلاش میں اُٹھیں اور پھر حق و انصاف کا پرچم ساری دنیا میں لہرا دیں۔

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جسکی گردِ راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

(وما علینا الا البلاغ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ونشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قال اللہ تعالیٰ ——

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ۔ ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین ۃ

اس آیت کے مضمون ہی سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ آیت کا مقصود تنبیہات متعلق دعا ہیں ۔ اور شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ہم تو دعا کیا کرتے ہیں اور اسکی ضرورت کو بھی جانتے ہیں ۔ پھر تنبیہ کی ضرورت ہی کیا باقی رہی ۔ کیونکہ ایسے امر کی ضرورت ہوتی ہے جسکو ہم جانتے نہ ہوں ، یا کرتے نہ ہوں ۔ ضرورت تنبیہ یہ ہے کہ باوجود جاننے اور کرنے کے بھی جب دعا کے بارے میں تغافل برتا جاتا ہے ۔ یعنی اسکے ضروری آداب و شرائط سے بے پروائی برتی جاتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانی ہوئی چیزوں سے بھی بڑھ کر کوئی قوی حجاب ہے کیونکہ مجہولات میں تو صرف جہل حجاب ہے کہ اس کا دور کرنا آسان ہے ۔ اور جانی ہوئی چیزوں میں جب ایسا معاملہ کیا جائے تو وہ حجاب زیادہ سخت ہوگا ۔ اور ہر چند یہ تغافل در قلب کا حاضر نہ ہونا سب عبادتوں میں زیادہ برا اور دعا میں اور بھی برا ہے ۔ وجہ یہ کہ عبادت میں گو اصلی مقصود معنی ہے مگر تاہم ایک درجہ میں صورت بھی مقصود ہے ۔ بخلاف دعا کے کہ اس میں صرف معنی ہی مقصود ہے ۔ اور نیازمندی و اختصار و انکسار و خشوع قلب ہے ۔ جب یہ بھی نہ ہوا تو وہ دعا کیا ہوئی !

بیان اس کا یہ ہے کہ مثلاً نماز ہے کہ قرآن میں اسمیں علاوہ مقصود معنوی یعنی توجہ الی اللہ کے صورت بھی مراد و مطلوب ہے کہ اس قیود ظاہری سے مفہوم ہوتا ہے مثلاً وضو جہت قبلہ وقت کی تعیین رکعات وغیرہ ۔ اب اگر کوئی شخص بغیر حضور قلب رکوع و سجود وغیرہ شرائط سے نماز پڑھ لے تو گو مقصود معنوی یعنی توجہ الی اللہ اس میں نہیں ، مگر فقیہ عالم یہی حکم دیگا کہ فرض ادا ہوگیا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ صورت کسی درجہ مطلوب ہے اور اس صورت کے وجود سے نماز کی صحت کا فتویٰ دیا گیا ۔

بے دینوں کا شبہ

اس تقریر سے ان بے دینوں کا یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ جو کہا کرتے ہیں کہ صاحب ، دل تو حاضر ہیں نماز کیا پڑھیں ۔ معلوم ہوا کہ علاوہ حضور قلب جو حقیقت ہے

نماز کی یہ صورت ظاہری رکوع و سجود بھی مقصود ہے۔

دوسری نظیر لیجیے! روزے سے مقصود معنوی قوت بہیمیہ کا توڑنا اور مغلوب کرنا مقصود ہے۔ مگر باایں اگر کوئی شخص سحری کو اتنا پیٹ بھر کے کھائے کہ افطار تک اس کو بھوک ہی نہ لگے تو اس صورت میں قوت بہیمیہ تو کچھ بھی نہیں ٹوٹی، مگر روزے کی چونکہ ظاہری صورت پوری ہوگئی ہے، روزہ صحیح ہوگیا۔

تیسری نظیر اور لیجئے! زکوٰۃ کے مقصود معنی اس سے اغنا فقیر ہے مگر باایں ہمہ اس کے لئے ایک خاص مقدار ایک خاص وقت معین ہے جس سے یہاں بھی صورت ظاہری ملحوظ ہے۔

لیکن دعا میں نہ کسی وقت کی شرط، نہ زبان عربی کی شرط، نہ کسی خاص جہت کی شرط، نہ کسی مقدار معین، نہ وضو وغیرہ کی قید، اس میں صرف عاجزی، نیازمندی اپنی احتیاج کا اظہار اپنے مولیٰ کے آگے بس یہ کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صورت پر بالکل نظر نہیں معنے ہی مقصود ہیں۔ اب یہ صرف زبان دعا آموختہ سا رٹا ہوا پڑھ دیا، نہ خشوع ہے، نہ خشیت الٰہی اپنے دل میں، نہ اپنی عاجزی کا تصور دل میں یہ دعا خالی از معنی دعا کیا ہوں۔

بے توجہی کی مثال

اس بے توجہی کی مثال تو ایسی ہے جیسا کوئی شخص کسی حاکم کے یہاں عرضی دینا چاہے اور عرضی اس طور سے پیش کرے کہ حاکم کی طرف پیٹھ کرے اور منہ اپنا کسی دوست کی طرف کرکے اس عرضی کو پڑھنا شروع کردے۔ دو جملہ پڑھ لے اور پھر یار دوست سے ہنسی مذاق کرنے لگے۔ پھر دو جملے پڑھ لے اور ادھر مشغول ہوگئے۔

اب سوچ لینا چاہئے کہ حاکم کی نظر میں ایسی عرضی کی کیا قدر ہوسکتی ہے۔ بلکہ یہ شخص الٹا قابل سزا ٹھیرایا جائے گا بس یہی معاملہ ہے دعا کا، دعا میں جب تک کہ پورے طور پر قلب کو حاضر نہ کریگا اور عاجزی وفروتنی کے آثار اس میں نمایاں نہ ہونگے وہ دعا دعا نہیں خیال کی جاسکتی، کیونکہ حق تعالیٰ قلب کو دیکھتے ہیں۔ مثنوی ؎

ما بروں را ننگریم و قال را — ما دروں را بنگریم و حال را
ناظر قلبیم گر خاشع بود — گرچہ گفتہ لفظ ناخاضع بود

حدیث شریف میں ہے، ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا کن ینظر الی قلوبکم اور آیت انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین میں وجھی سے مراد یہی قلب ہے ورنہ بہ تقدیر وجہ ظاہری کے خداوند تعالیٰ کا ذوجہت ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ معنی تو یہی ہیں، کہ میں نے اپنے قلب کو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا اور ظاہر ہے کہ وجہ ایک خاص سمت میں ہوگا۔ تو گویا ذات جو پاک ہے سمت سے کسی خاص سمت میں ہوگی، یہ تو محال ہے عقلاً و شرعاً کیونکہ وہ ذات پاک قیود سے پاک ہے۔ چنانچہ اینما تولوا فثم وجہ اللہ اسکی شرعی دلیل ہے۔ یہ ایک تمہید تھی مضمون دعا کی۔

اب آیت کا مضمون سنئے۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس آیت میں بڑے اہتمام سے دعا کا مضمون ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ شروع میں یہ تصریح فرمائی کہ وقال ربکم

حالانکہ پہلے سے یہ معلوم تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مگر پھر اس کو اس لئے ظاہر فرمادیا کہ اس کی تاثیر نفس میں قوی ہو جائے اور مضمون مابعد کی قلب میں وقعت ہو جائے۔ پھر لفظ ربکم سے ارشاد فرمادیا اپنی ربوبیت کا، گویا یہ ارشاد ہے دعا کے قبول کرنے کا اس طور پر کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے تمہاری پرورش کرتے آئے ہیں، حتیٰ کہ بدون تمہاری درخواست کے کی ہے تو کیا تمہاری درخواست پر عرضی کو قبول نہ کرینگے۔ نہیں ضرور قبول کرینگے۔ مثنوی سے

مانبودیم وتقاضا ما نہ بود لطف تو ناگفتۂ ما می شنود

آیت: اذ انشأکم من الارض اجنۃ فی بطون امہاتکم الخ میں اسی تربیت بے درخواست کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر پیدائش کے بعد کی حالت قابل غور ہے، کہ یہ حالت ایسی تھی کہ کسی قسم کی تمیز اور شعور اسوقت تک نہ ہوا تھا اس حالت میں اگر تمام دنیا کے حکما، سقراط اور بقراط اکٹھا ہو کر صرف اتنی تدبیر کرنا چاہتے، کہ بچہ دودھ پینا سیکھ لے تو ہرگز قیامت تک بھی اسپر قادر نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ اسی قادر ذوالجلال کی حکمت اور اس کی رحمت وعنایت ہے کہ اس نے بچہ کو دودھ چوسنا سکھا یا تیرا اهتمام ربکم کی اضافت ہے۔ گویا یوں فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے ہیں تم ہم سے مانگو، اور اس کی نظیر دوسری آیت میں اضافت اپنی طرف ہے، فرماتے ہیں، ولو یؤاخذ اللہ الناس الخ کان بعبادہ بصیرا۔ حالانکہ عباد ماخذین کا ذکر ہے مگر ان کو بھی اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں سبحان اللہ! کیا رحمت ہے۔

اس آیت کے متعلق ایک فائدہ علمیہ نسفیر یہ سمجھنے کے قابل ہے کہ آدمیوں کے مؤاخذہ کی صورت میں تمام جانوروں کو ہلاک کیوں کیا جاتا ہے، وجہ اسکی یہ ہے کہ سب چیزیں انسان ہی کے لئے پیدا ہوی ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی تمام چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے ہی لئے پیدا کی ہیں۔ خواہ ان کا نفع تم کو بلا واسطہ پہنچتا ہو یا بالواسطہ اس لئے جب انسان اگر معصیت کی وجہ سے ہلاک کیا جاتا ہے، تو دوسری چیزیں بھی ہلاک کردی جائینگی کہ انسان ہی نہ رہا، جس کے واسطے یہ ساری چیزیں پیدا کی گئی تھیں۔ تو پھر اس سامان کی کیا ضرورت۔ جب آدمی نہ ہونگے تو خیمے، ڈیرے اور دیگر سامان کس کام کے۔ البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بُروں کو تو ان کے بُرے عمل کی سزا ملتی ہے، نیک آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا جاتا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اچھے آدمی تو قلیل ہوتے ہیں، اور انسان کی ضرورتیں تمدن اور آسائش کے متعلق اس کثرت ہی سے ہیں کہ تھوڑے سے آدمی ان تمام ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے۔ پس بروں کے بعد اگر نیک لوگ زندہ رہیتے تو جینا ان کے واسطے وبال ہو جاتا۔ اس لئے ان کے لئے تو مرنا ہی مصلحت ورحمت ہے۔ جس طرح پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے اہتمام فرمایا ہے کہ ان الذین یستکبرون عن عبادتی، اس موقع پر بھی ایک فائدہ علمیہ کا ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس سے یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ ڈرانا دعا سے اعراض کرنے پر ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں، تو مادہ دعا کا اور ڈرانے میں مادہ عبادت

کا چنانچہ یستنکبرون عن عبادتی ہے یستکبرون عن دعائی نہیں ہے۔ اور مطابقت ضروری ہے، اس لئے یا تو دُعا بمعنی عبادت کے لیا جائے۔ یا عبادت معنی میں دعا کے قرار دیا جائے۔ احتمال دونو میں برابر ہیں۔ مگر چونکہ قرآن شریف کا سمجھنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص نہیں ہو سکتا، چونکہ مخاطب اولاً آپ ہی ہیں، اس لئے اس کی تعین کے لئے حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے الدعاء مخ العبادہ اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی، جس سے ثابت ہو گیا کہ دُعا اپنے معنی پر ہے۔ اور عبادت سے مراد یہاں پر دُعا ہے، ان اہتماموں سے دعا کی شان اور عظمت کس درجہ ظاہر ہوتی ہے۔

دُعا دنیا کے لئے بھی عبادت ہے!!

ایک خصوصیت خاص دعا میں اور عبادات سے زیادہ ہے، وہ یہ کہ اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کے لئے ہوں تو عبادت نہیں ہوتیں۔ مگر دُعا ایک ایسی چیز ہے کہ یہ اگر دنیا کے لئے ہی ہو، تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے، مثلاً مال مانگے، یا دولت مانگے یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے، جب بھی ثواب کا مستحق ہوگا۔ بہ خلاف اور عبادات کے اگر ان میں دنیوی حاجت مطلوب ہو تو ثواب نہیں ملتا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ طبیب نے اگر کسی کو رائے دے کہ تم آج کے دن کھانا نہ کھاؤ، اگر کھاؤ گے تو ضرر دیگا۔ اس نے کہا کہ لاؤ آج روزہ ہی رکھ لیں۔ پس روزہ رکھ لیا تو اس کو خالص روزہ کا ثواب نہ ملیگا۔ کیونکہ اس کو درصل روزہ رکھنا مقصود نہیں تھا۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص مسافرت میں اس نیت سے مسجد میں اعتکاف کرلے کہ سرائے کے کرایہ وغیرہ سے بچوں گا تو اس کو خالص اعتکاف کا ثواب نہ ملیگا۔ مگر دعا میں یہ بات نہیں چاہے کتنی حاجتیں دنیوی مانگو، مگر پھر بھی ثواب ملیگا۔ دُعا میں یہ خصوصیت اس لئے ہے کہ دعا سراسر نیازمندی، اور اپنا عجز وانکسار اور اظہار عبدیت واحتیاج اور یہ دنیا کے مانگنے کے وقت بھی موجود ہے۔ اور نیازمندی خود ایک بڑا محبوب عمل ہے کیونکہ جہاں نیازمندی ہوگی وہاں کبر نہیں رہیگا۔ اور کبر وخودی ایک بہت بڑا حجاب اور مبغوض عند اللہ ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری مراد یہ ہے کہ دونو میرے وصف خاص ہیں کہ دوسرا کوئی ان وصفوں کا مدعی نہیں بن سکتا۔

بایزیدؒ کو ارشاد باری منام میں:

حضرت بایزیدؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ منام میں جناب باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ دلنی علیٰ قرب لطریق الیک۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ دع نفسک وتعال یعنی اپنے کو چھوڑ اور چلا آ۔ حافظ شیرازیؒ نے اس مضمون کو خوب ادا فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

میانِ عاشق ومعشوق ہیچ حائل نیست
تو از حجابِ خودی حافظ ازمیاں برخیز

مثنوی فناء الفناء

تو درو گم شو وصال این است وبس
گم شدن گم کن کمال این است وبس

حاصل یہ کہ اپنی خودی کو مٹا دو یہاں تک کہ اس مٹانے پر بھی نظر نہ رہے یعنی صفت فنا پر بھی نظر نہ رہے اور اس کا نام ہے

اصطلاح میں فناء الفنا اور شاعرانہ مضمون نہ سمجھا جائے کہ مٹانے کو بھی مٹا دو۔

اس کے نظائر تو روزمرہ واقع ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اس فناء الفناء کی توضیح اس مثال سے اچھی طرح ہوسکتی ہے کہ اگر کسی کا دلربا معشوق ہو اور عاشق اس کے خیال میں ڈوبا ہوا ہو۔ اس حالت میں اس عاشق کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں معشوق کا خیال کر رہا ہوں۔ یا کسی کو یاد کیجئے۔ اسکے یاد کی طرف دھن نہیں جاتا کہ میں اس کو یاد کر رہا ہوں۔ آدمی سوتا ہے اس کو خبر تک نہیں ہوتی کہ میں سو رہا ہوں۔ اگر یہ خبر ہو جائے تو وہ سوتا ہوا نہیں ہے۔ ان احوال عالیہ کو سن کر یہ ناامیدی نہ چاہئے کہ بھلا ہم کب ایسے ہوسکتے ہیں۔ اور ہم کو یہ دولت کب میسر ہوسکتی ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے، اس کو کچھ دشوار نہیں۔ مثنوی ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست با کریماں کارہا دشوار نیست

البتہ ایسے احوال کے حصول کے لئے صحبتِ شیخ کامل کی ضرورت ہے، اور صحبت پھر وہ چیز ہے کہ دیکھو کہ انڈا کیا چیز ہے۔ سفیدی اور زردی کے سوا اس میں کچھ بھی نہ تھا۔ مگر مرغی کے سینے سے اس میں جان آگئی، کیونکہ اس کے سینے سے لگا ہوا ہے تو کیا صحبت کاملین کی اس سے بھی گئی گزری ہوئی ہے، اور یہ وسوسہ بھی نہ ہو، کہ صحبت تو اصلی چیز ضرور ہے مگر وہ کہاں نہیں، جن کی صحبت میں یہ برکت ہو، سو یقین کے ساتھ سمجھو کہ اب بھی اللہ کے نیک بندے اس برکت سے موجود ہیں۔ ؎

ہنوز ابر رحمت درفشاں است خم و خمخانہ با مہر و نشان است

طلب صادق ہونی چاہئے۔

گرچہ رخنہ نیست در عالم پدید خیرہ یوسف وار می باید دوید

یوسف علیہ السلام کو اپنے مولیٰ تعالیٰ پر کتنا اعتقاد تھا کہ باوجود دروازے بند ہونے کے دوڑے اور کوشش کی۔ حق تعالیٰ نے دروازے کھول دئے۔ اگر صدق دل سے طلب اور کوشش ہو تو مقصد پر پہنچنے کی یقینی امید ہے۔ غرض دعا کا خلاصہ نیازمندی اور مولیٰ کے ساتھ سامنے اپنی عاجزی و انکساری کا اظہار ہے، اور دعا خواہ کسی قسم کی ہو دینی ہو یا دنیوی ہو مگر ناجائز امر کیلئے نہ ہو سب عبادت ہے۔ خواہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کی ہو، یا بڑی چیز کی۔ حدیث شریف میں یہاں تک آتا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا سے دعا مانگا کرو۔

بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ حضرت ایوب کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ میں مرض کی شکایت کا اظہار کروں۔ تب فرمایا انی مسنی الضر الخ ورنہ یہ اظہار بے صبری کی وجہ سے نہ تھا۔ اگر بے صبری ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی یوں تعریف نہ فرماتے انا وجدناہ صابرا نعم العبد انہ اواب ؎

در نیابد حال پختہ ہیچ خام پس سخن کوتاہ باید والسلام

غرض ان کاملین کی نظر حق تعالیٰ پر ہوتی ہے، اپنا حظ ظاہر یا باطن مقصود نہیں ہوتا جس میں حق تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، وہی کرنے لگتے ہیں ؎

گفت معشوقے بعاشق اے فتا۔ تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
پس کدامی شہر زاں باخوشتر است۔ گفت آں شہرے کہ درو دلبر است
ہر کجا یوسف بشد باشد چو ماہ۔ جنت است گرچہ باشد قعر چاہ
تو دوزخ جنت است اے جانفزا بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

یہ شان ہے عاشقوں کی ان کی کچھ اور ہی شان ہوا کرتی ہے

ایک بزرگ حضرت ضامن علی شہید علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس واسطے ذکر کیا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فاذکرونی اذکرکم یعنی احوال و کیفیات باطن پر نظر نہ تھی۔ دیکھئے بزرگوں کی تو یہاں تک نگاہ تھی کہ خدا کا نام اور احکام میں کیفیات باطن کا بالکل قصور نہ کرتے تھے۔

قبل اس کے کہ غفلت عن الدعاء کے اسباب بیان کئے جائیں یہ ظاہر کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دعا صرف امور غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص نہیں، جیسا عام لوگوں کا خیال ہے۔ کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج ہوتا ہے وہاں مجبور ہوکر دعا کرتے ہیں، ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے۔ بلکہ امور اختیاریہ میں بھی دعا کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہر چند کہ ان امور اختیاریہ کا وجود اور ترتیب بظاہر تدابیر اور اسباب پر مبنی ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو خود ان اسباب کا جمع ہونا غیر اختیاری ہے اور اس کا بجز دعا کے اور کوئی علاج نہیں۔ مثلاً کھیتی کرنے میں ہل چلانا، بیج بونا وغیرہ تو اختیار میں ہے۔ مگر کھیتی کے اُگنے کے واسطے جن شرائط و اسباب کی ضرورت ہے وہ اختیار سے باہر ہیں، مثلاً یہ کہ پالا نہ پڑے یا ایسی آفت نہ پڑے جو کھیتی کو اگنے ہی نہ دے۔ اس لئے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں افرأیتم ما تحرثون، ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون۔ پھر ان اسباب کو احتیاج ہے تعلق مشیت خداوندی کی اور ظاہر ہے کہ وہ اختیار عباد میں نہیں بس ثابت ہوگیا کہ امور اختیاریہ میں بھی تدبیر اور کسب کے ساتھ دعا کی ضرورت ہے۔ خصوصاً جبکہ اس پر نظر کی جائے کہ ہم جن اسباب کو اسباب سمجھے ہوئے ہیں، وہ درحقیقت برائے نام ہی اسباب ہیں، ورنہ اصل میں ان میں وصف سبب ہونا محل کلام ہے۔ اس لئے کہ سبب کا سبب ہونا بھی اللہ تع کی مشیت پر منحصر ہے۔ کہ جب وہ چاہیں سبب میں اثر پیدا فرمادیں، ورنہ نہیں۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے سرد ہونے پر تعجب نہ کریگا۔

حاصل کلام ان اسباب کے تاثیر کی ایسی مثال ہے جیسے سرخ جھنڈی دکھانے سے ریل رک جاتی ہے۔ اب کوئی نادان یوں سمجھنے لگے کہ سرخ جھنڈے میں کوئی تاثیر ہے جس سے ریل رک جاتی ہے، یہ اسکی نادانی ہوگی۔ وہ تو کسی چلانے والے کے روکنے سے رُکی ہے۔ سرخی جھنڈی کی تو صرف اصطلاحی علامت قرار دی گئی ہے۔ یہی مثال ہے اسباب و ر اثر کے ترتب کی۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اسباب اور علامات محض عباد کی تسلی اور دیگر حکومتوں کے لئے مقرر فرمادئے ہیں۔

این سببہا در نظر ہا پردہ است
درحقیقت مالک ہر شئے خدا است

عارفین اس بات کو سمجھ گئے اور حقیقت حال کو معلوم کرکے یوں کہنے لگے ؎

کار زلف تست مشک افشانی و ما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ با حق زندہ اند

مثنوی میں ایک یہودی بادشاہ کی حکایت ہے جو مسلمانوں کو بتوں کے سجدے پر مجبور کرکے آگ میں ڈلواتا تھا۔ اخیر یہ قصہ ہوا کہ وہ لوگ آگ میں نہیں جلتے تھے۔ اس پر اس یہودی نے غصہ ہوکر آگ سے مجنونانہ خطاب کرنے لگا کہ تجھے کیا ہوا کہ تو نہیں جلاتی۔ تو آگ نے باذن خالق جواب دیا ؎

گفت آتش من ہمانم آتشم
اندرین آ، تا تو بینی آتشم (مثنوی)

پھر اس گستاخی کا یہ انجام ہوا ؎
بانگ آمد کار تو ایں جا رسید۔ پائے دار آں سگ کہ قہر مار سید

دیکھیئے وہی آگ کہ ایک کو جلایا اور ایک کو نہیں جلایا اس سے یہ بات بہت ہی وضاحت سے ثابت ہو گئی کہ اسباب بھی با اختیار حق ہیں، جب یہ ہے تو اسباب کے اعتماد پر خالق سے قطع نظر اور بے پروائی برتنا بڑی غلطی ہے۔ الغرض امور اختیاریہ ہوں یا غیر امور اختیاریہ سب میں دعا کی ضرورت ہے۔ البتہ امور اختیاریہ میں اس بات کا خیال کرنا ضروری ہے کہ تدبیر بھی کی جائے اور دعا بھی ہو۔

یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر صرف دعا پر اکتفا کیا جائے مثلاً کوئی شخص اولاد کی تمنا رکھتا ہے تو اس کو یہ چاہیئے کہ اول نکاح کرے، اور پھر دعا کرے، اور بے نکاح کے یوں ہی اگر چاہے کہ اولاد ہو جائے تو یہ اسکی نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کیئے ہیں۔ اس میں بھی ان کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اسباب کے اختیار کرنے میں اظہار عبدیت اور احتیاج الی اللہ بھی ہے جو کہ اعظم مقاصد سے ہے، اس لئے ایسے امور میں اسباب کا اختیار کرنا اور دعا دونوں کا ہونا ضروری ہے، کہ اس میں اعتدال ہے۔ الغرض اس سے ثابت ہو گیا کہ دعا کی ضرورت سب کو ہے۔ چاہے امور اختیاریہ ہوں یا غیر۔

دعا کر نیکے اسباب بہت ہیں۔ مگر اس وقت چند اسباب بطور قاعدہ کلیہ کے لکھے جا رہے ہیں۔ ان سے بقیہ اسباب کے سمجھنے میں سہولت ہو گی، سو ایک سبب تو جس کا آجکل زیادہ تسلط ہے، یہ ہے کہ طبیعتوں میں آجکل تعلیم جدید کے اثر سے حس پرستی اس قدر آگئی ہے کہ معنوی اور خفی اسباب تک ان کی نظروں کی رسائی نہیں ہوتی۔ اس لئے دعا کو بھی بیکار سمجھا جانے لگا ہے۔ اور تمام تر آثار کو ان ہی اسباب طبعیہ میں منحصر کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ حضرات جن سائنس دانوں کی تقلید کر رہے ہیں، خود ان کے محققین اسباب کے آثار اور قدرت کے اسرار کی پوری تحقیق اور احاطہ سے لاعلمی کا اظہار کر رہے ہیں۔ کیوں نہ کریں، آخر سائنس کی پوری پونجی اور تمام دولت قیاسات ہی ہیں۔ جو کہ نہایت ناقص اور ناتمام دلیل ہے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام اسباب کے تمام ہونے ہی پر اثر مرتب ہو۔ بلکہ بعض دفعہ اللہ نے اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور گریہ وزاری پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے ناتمام اسباب یا بلا اسباب کے بھی اثر مرتب فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ قصہ حدیث شریف میں موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں سوختہ ڈال کر اللہ سے دعا کی اللھم ارزقنا تھوڑی دیر کے بعد گیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے پر ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں قوت یقینیہ زیادہ تھی۔ پورا یقین اس کی رزاقیت پر تھا چنانچہ اسکا ظہور بلا اسباب کے ہوا۔ یہ حضرات اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ابلیس کے یقین اور توقع اجابت دعا کی کیفیت دیکھیئے کہ عین غضب اور قہاری کے موقعہ پر بھی اس کو پورا یقین اور بھروسہ تھا کہ غضب الٰہی اجابت دعا کے لئے مانع ہیں۔

ان رحمتی سبقت علیٰ غضبی حالانکہ یہ سوال ایسا بعید ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی خلود اور دوام نہیں عنایت کیا گیا ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد مگر شیطان نے رحمت

کی وسعت کے بھروسہ پر اسکی دعا کردی اور حکم بھی ہوگیا۔ انک
من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم دعا کے قبول ہونے
پر بھروسہ اور یقین کامل ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے، اور یقین ایک
ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے بڑے آثار پیدا ہوتے ہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ الحضرمی حضرت صدیق اکبرؓ کی خدمت
میں جب غزوۂ مرتدین کے لئے بحرین پر گئے اور راستہ میں دریا
پڑا تو ساتھیوں نے اس وجہ سے کہ کشتی نہیں ہے، ٹھہرنے کو کہا۔
فرمانے لگے خلیفہ کا حکم ہے، جلدی پہنچنے کا، اس لئے میں ٹھہر نہیں
سکتا اور یہ کہکر دعا کی کہ اے اللہ! جس طرح تو نے اپنے نبی موسیٰؑ
کی برکت سے بنی اسرائیل کو دریا پار کیا اسی طرح آج ہم کو ہمارے
نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پار اُتار دے۔ اور دُعا
کر کے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اور پار ہوگیا۔ اور سارا لشکر بھی
پار ہوگیا۔

ان مثالوں سے یہ ظاہر ہوگیا کہ تھوڑے اسباب جمع کر کے اگر
اللہ کے بھروسے دُعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس تھوڑے حیلہ میں یقین
کی برکت سے سب کچھ دیتا ہے اور یہی معنی معلوم ہوتے ہیں واجملوا فی
الطلب وتوکلوا علیہ کے تدبیر اور اسباب اختیار کرنے میں اختصار
اجملوا سے اسکی طرف اشارہ ہے، اور نظر تقدیر پر ہو وتوکلوا علیہ
میں اسکی طرف اشارہ ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ نہ تو نری اسباب پر مدار
ہے بلکہ تقدیر اور مشیتِ الٰہی کی موافقت بھی شرط ہے اور نہ یہ کہ کارخانۂ
اسباب بالکل معطل ہے کہ اس کو چھوڑ کر صرف دعا سے کام لیا جائے۔ افراط
و تفریط دونوں کو چھوڑ دیں، اسطرح کہ اسباب کو بھی اختیار کریں۔
کیونکہ اظہارِ عبدیت اور احتیاج الی اللہ ہے، اور اسباب کے بھروسہ دُعا سے
غفلت بھی نہ کی جائے۔ ہماری بھی وہی مثال ہے ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

اس توکل کی بدولت بعض اوقات توکل نام ہوتا ہے۔ اور
واقع میں وہ تعطل اور کم ہمتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ افراط و تفریط دونو
سے بر کنار ہو کر اعتدال اختیار کرے ؎

گر توکل می کنی در کار کُن — کسب کن پس تکیہ بر جبّار کُن
گفت پیغمبر بآوازِ بلند — بر توکل زانوئے اُشتر ببند

یہ جان لینا چاہئے کہ تدابیر و اسباب کا اختیار کرنا توکل کے
خلاف نہیں مگر اعتدال کے ساتھ۔ بلکہ تدبیر ایسی چیز ہے کہ جو امور محض
غیر اختیاری ہیں جن میں تدبیر کو اصلاً دخل نہیں محض دعا ہی پر ان کا
مدار ہے۔ حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی دُعا کے
ساتھ کچھ صورت تدابیر اختیار کی جاتی ہے، چنانچہ ایک قصہ حدیث
شریف میں آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کس طرح توکل
اور دعا کو جمع فرمایا، اس حدیث میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

ایک صحابی جن کا نام مقداد ہے جو کہ آنحضرتؐ کے مکان پر
مسافرانہ مقیم تھے اور ان کا حضورؐ نے بکری بتلا دی تھیں کہ ان کا
دودھ نکال کر کچھ خود اور رفقاء پی لیا کرو اور کچھ ہمارے لئے رکھ
دیا کرو۔ اور ان کا اسی طرح معمول تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز
حضورؐ کے آنے میں دیری ہوی تو میں سمجھا کہ آنحضرتؐ کی کہیں دعوت
ہوگئی ہے یہ خیال کر کے آپ کا حصہ بھی پی لیا۔ مگر اتفاق سے جب،
پی چکا تو خیال آیا کہ شاید آپ نے کچھ نہ کھایا ہو، اور بے پینے کا یہ حال
ہوا کہ کروٹیں بدلتا ہوں اور نیند نہیں آتی۔ اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ
آنحضرتؐ بعد نماز عشا تشریف لے آئے۔ اور حسبِ معمول سلام کر کے

برتنوں کی طرف چلے، اور وہ صحابی جو دُودھ پی کر لیٹ گئے تھے، یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے، آپ کو اس برتن میں دودھ نہ ملا۔ چونکہ آنحضرت صلعم کو اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور کھانے کی حاجت تھی۔ آپ نے حسب معمول نفلیں پڑھیں اور یوں دُعا فرمائی اللّٰھم اطعم من اطعمنی اے اللہ آپ اس کو کھلائے جس نے مجھ کو کھلایا۔ دیکھئے یہ امر قابل غور ہے کہ اس دعا میں آپ نے توکل کے ساتھ اسباب کی کس طرح لطیف طور پر رعایت فرمائی۔ کہ یہ ظاہر کر دیا کہ کھانا اکثر اس طرح سے ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے، ورنہ یہ بھی دعا فرما سکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے مائدہ یا رزق بھیج، مگر آنحضرتؐ نے توکل اور تدبیر کو کسی لطیف طریق پر جمع فرمایا جیسا کہ مذکور ہوا۔ چونکہ ان کو یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا ضرور قبول ہوی ہوگی۔ اس لئے گو بکری کا دودھ دوہ چکے تھے۔ مگر پھر برتن لیکر بیٹھ گئے۔ اللہ کی قدرت سے بکریوں نے اتنا دودھ دیا، کہ برتن بھر گیا۔ اس برتن کو لیکر رسول اللہ صلعم کے پاس حاضر ہوئے

غرض اس قصہ کے بیان کرنے سے یہ تھی کہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول صلعم نے دعا اور توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت کس طرح فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں اتنا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔ اعتدال اصل طریقۂ نبویہ ہے، اور یہ چیز بدون تحصیل علم دین کے مشکل ہے۔ کوئی آسان کام نہیں ہے کہ کوئی شخص دعوے کرنے لگے سے

برکفِ جامِ شریعت درکفِ سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

حضورؐ کے افعال سے تو یہاں تک پتہ چلتا ہے اعتدال کا، معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خلاف عادت کے ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدابیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ، جو جنگِ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے، آنحضرتؐ نے ان کو فرمایا کہ ہانڈی چولھے سے مت اُتارنا پھر اس میں آکر آب دہن ملا دیا اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر بھر والوں کے لئے کافی ہوگئی۔

اسی طرح حدیث میں اور معجزات کے قصے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ خرق عادت میں تھوڑی سی رعایت اسباب کی گئی۔ مثلاً چولھے پر ہانڈی اور تنّے کار کھا جانا اور ڈھک دینا وغیرہ کی صورت اسباب کو حجاب بنایا ورنہ ورنہ ویسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا، یہ آداب ہیں توکل اور تدبیر کے، سید المرسلین سے ان کو سیکھنا چاہیئے۔ ان سے غافل رہنا بعض اوقات سبب ہو جاتا ہے انہماک کا جو ایک سبب ہے ترک دعا کا جس کا حاصل ہے اسباب میں انہماک اور مسبب الاسباب پر نظر نہ رکھنا اور عقیدت کی کمزوری۔

ایک دوسرا سبب دُعا نہ کرنے کا

اب ایک دوسرا سبب دُعا نہ کرنے کا سنئے، وہ یہ ہے کہ عقیدہ تو دعا کا ہے۔ مگر خیال ہوتا ہے کہ ہم دعا کے قابل نہیں، ہم کیا دُعا کریں۔ درحقیقت یہ بھی شیطان کا ایک وسوسہ ہے جو لوگوں کے دلوں کو تواضع کے رنگ میں ڈالا گیا ہے۔ درحقیقت

بعض احوالِ باطنہ کچھ اس قسم کے ظاہراً مشتبہ معلوم ہوتے ہیں کہ ان کو بھلا یا بُرا قرار دینے میں بڑی فہم، وردقتِ نظر اور آگاہی شرع کی سخت ضرورت پڑتی ہے چنانچہ آیت مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لا یبغیان اس نے دو دریاؤں کو بظاہر ملا دیا کہ دونوں کے درمیان ایک قدرتی پردہ ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے، اہل لطائف اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ یہ مقام یہ دو امر میں التباس ہو جانا ایک تو تواضع اور حیا، اسکی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے بھی اس کا خیال رہے، اپنی عبدیت اور خدا تعالیٰ سے شرم کرنا ملحوظ رہے۔ ورنہ اگر صرف دعا کے وقت تو تواضع کے خیال سے دعا نہ کی جائے اور گناہ کے کرنے کے وقت بے باک اور نڈر ہو جائیں تو یہ حقیقت تواضع نہیں ہے۔ بلکہ کم ہمتی اور سستی ہے۔ شیطان نے برکت دعا سے محروم کرنے کے واسطے ایک حیلہ سکھا دیا ہے۔ لہٰذا اس کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہیئے اور دعا بڑے اہتمام سے کرنی چاہیئے کہ وہ خالی نہیں جائے۔ اور کچھ نہ ہو، اور یہ کیا کچھ کم ہے کہ آخرت کے لئے اس کا اجر جمع رہے گا اور اہل حال کے جو اقوال ہیں مثلاً ؎

احب مناجات الحبیب باوجہ
ولکن لسان المذنبین کلیل

سچے عاشق کی طرف سے تعریف جس طرح بھی ہو ہر طریقہ، سے پسندیدہ ہے۔ سو یہ لوگ غلبۂ حال کے ہیں۔ جس میں یہ لوگ معذور ہیں۔ مگر قابل تقلید نہیں۔ الحاصل حیا و تواضع میں رضائے خداوندی پیش نظر ہوتی ہے اور یہ نہ ہو تو کم ہمتی ہے۔ ان باتوں میں فرق کرنے کے واسطے بڑی ضرورت ہے علم شریعت کی۔ اسی

طرح اگر کوئی شخص لاصلوٰۃ الا بحضور القلب میں بھی یہی حیلہ جو دعا میں کیا ہے نکال لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز چھوڑ دیگا۔ لہٰذا ایسے وسواس ناقابل اعتبار ہیں۔ جو کچھ جیسا کچھ ہو سکے کرنا چاہیئے، بھلا بُرا جو کچھ بھی ہو، خدا کے دروازہ آنا چاہیئے۔

؎ ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست
صد بار اگر توبہ شکستی، باز آ

ایک شخص ایک غلطی تو یہ کرتا ہے کہ کم ہمتی سے عبادت اور طاعت اور دعا کی طرف نہیں آتا۔ اور دوسری غلطی یہ کرتا ہے کہ اپنی نسبت گمان کرتا ہے کہ میں کسی وقت پاک صاف ہو کر حق عبادت ادا کر سکتا ہوں اور ایسے وقت عبادت کروں گا، اور جو عبادت کر رہا ہے، گویا بزبان حال اس کا حق ادا کرنے کا مدعی ہے اور یہ بھاری غلطی ہے۔ انسان کبھی پورا پاک نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے قابل بننا اور اس کا حق عبادت ادا کرنا کیا اس سے ممکن ہے۔ وجودك ذنب لا یقاس بہ ذنب تیرا وجود خود ایک گناہ جسکے برابر کوئی گناہ نہیں ؎

خود ثنا گفتن زمن ترکِ ثنا است
کایں دلیلِ ہستی و ہستی خطا است

سرورِ عالم ؐ فرماتے ہیں لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ اس معنی میں کہ ہم آپ کی ثنا نہیں کر سکتے فرماتے ہیں ؎

خدا در انتظارِ حمدِ ما نیست	محمد ؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرینِ مصطفےٰ بس	محمد ؐ حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد	بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد

محمدؐ از تو میخواہم خدا را
الٰہی از تو حب مصطفیٰ را

اپنے آپ کو پاک سمجھنے کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں لاتزکوا انفسکم الخ ہم اور ہماری عبادت تو ایسی ہے کہ یہ ہی غنیمت ہے، کہ اس پر مؤاخذہ نہ ہو، کیونکہ ہماری ثنا ایسی ہے جیسے مولانا فرماتے ہیں ؎

شاہ را کسے گوید جولاہ نیست
ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

من نکردم پاک از تسبیح شاں
پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں کہ انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ حالانکہ عصمت انبیاء ایک مسلم مسئلہ ہے جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ پھر یہ استغفار گویا اپنی حالت عبادت کو کمال خداوندی کے مقابلہ میں ناتمام دیکھ کر ہوتا تھا یعنی اپنی عبادت وحمد و ثنا نا قابل قرب خداوندی میں سمجھ کر استغفار فرما رہے ہیں۔ یہ حالت ہے اکابرین مقبولین کی کہ با ایں ہمہ علو مرتبت بمقابلہ کمال خداوندی میں اپنے آپ کو محض ہیچ سمجھ رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ واقع میں کمال اور وصال سے خالی ہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔

؎ دل آرام در بر دل آرام جو
لب از تشنگی خشک و برطرف جو
نہ گویم کہ بر آب قادر نیند
کہ بر ساحل نیل مستقی اند

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

جب خواص کی یہ کیفیت ہے تو عوام کس شمار میں ہیں۔ پھر ان کی یہ عنایت ہے کہ باوجود ہماری بداعمالیوں اور خراب حالی جاننے کے پھر ہم کو اپنی اطاعت وحمد و ثنا و دعا و التجا کی رخصت دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ کرو بلکہ نہ کرنے پر ناراضگی کا اظہار ہوتا ہے اور جب وہ باوجود علم کے ہم سے کھوٹے مال اور ناقص عبادت قبول فرماتے ہیں تو پھر بندہ کو کسی قسم کا عذر پیش کرنے کی جرأت کرنی کتنی بڑی حماقت ہے۔ ؎

ایں قبول ذکر تو از رحمت است
چوں نماز مستحاضہ رخصت است

یہ دوسرا سبب تھا دعا کے نہ کرنے کا یعنی اپنے آپ کو دعا کے قابل نہ سمجھنا جس کی اصلاح پہلی تحریر میں بخوبی ہو چکی۔

اب تیسرا سبب بیان کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ یعنی یہ سمجھ کر دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی ہی نہیں، پھر دعا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں سو از خود یہ فیصلہ کر لینا غلط ہے کہ خدا تعالیٰ دعا قبول نہیں فرماتے سو حقیقت میں دعا کی قبولیت میں رکاوٹ پیدا کرنے والے اپنی ذات میں موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً دل سے خشوع و خضوع کے ساتھ جو روح ہے دعا کی دعا نہ کرنا محض زبان سے کہہ دینا۔ حدیث شریف میں ہے ان اللہ لا یستجیب الدعاء من قلب لاہٍ سو یہ اپنا قصور ورنہ وہ ذات تو سب پر مہربان ہے اور ان کا فیض سب پر محیط ہے، اپنے میں قابلیت نہ ہو تو اسکا کیا علاج ہے ؎

اس کے الطاف تو عام ہیں شہیدی سب پہ
تجھ سے کیا ضد تھی تو اگر کسی قابل ہوتا

ہماری دعا کی حالت ؎

توبہ برلب سبحہ در کف دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید بر استغفار ما

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں دعا کو جب تک گناہ اور قطع رحم کی دعا نہ ہو۔ سو بعض دفعہ

اکثر دعائیں گناہ کی ہوتی ہیں۔ اب ان کا قبول نہ کرنا ہی حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ایسی دعاؤں سے خود مشائخ اور علماء کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ کہ ایسے ناجائز مقدمات اور امور کے لئے دعا نہ کریں۔ ورنہ گناہ ہوگا اور صاحب الغرض مجنون تو ہوتا ہی ہے اس پر اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر کسی کو دل شکنی کا اندیشہ ہو تو یوں دعا کی جائے کہ ای خدا جس کا حق ہے اس کو دلوا دیجئے۔ باقی ایسے امور کی جو ناجائز ہوں دعا نہ اپنے واسطے نہ دوسروں کے واسطے ناجائز امور کی دعا یا دعا کا غافل دل سے کرنا منجملہ ان موانع کے ہے جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔

اور موانع بھی مرتفع ہو جائیں۔ تو بعض دفعہ اس وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی کہ درحقیقت وہ دعا اس کے لئے بہتر نہیں ہے اور خلافِ حکمتِ الٰہی ہوتی ہے، اس لئے بطور رحمت اور شفقت کے قبول نہیں فرماتے ہیں، اس کی ایسی ہی مثال سمجھئے جیسا بچہ انگارہ کو اچھا سمجھ کر منہ میں ڈالنے لگے تو شفیق ماں باپ اس کو منع کرتے ہیں۔ اور ہاتھ سے چھین لیتے ہیں۔

آنکس کہ تو نگرت نمی گرداند
آں مصلحتِ تو از تو بہتر داند

چنانچہ حکایت ہے کہ کسی نے موسیٰؑ سے یہ دعا کرائی تھی کہ کل کی بات معلوم ہو جایا کرے۔ موسیٰؑ نے اس کو نصیحت کی کہ اس کو جانے دے۔ اس نے نصیحت نہ مانی، اصرار کیا۔ موسیٰؑ نے دعا کر دی اور وہ دعا قبول ہو گئی۔ اس کو معلوم ہوا کہ کل کو میرا گھوڑا مر جائے گا۔ اس لئے بازار میں لے جا کر فروخت کر دیا اور خوش ہوا۔ پھر معلوم ہوا کل کو میرا غلام مر جائے گا، اس لئے فوراً بازار میں فروخت کر دیا۔ اور بہت خوش ہوا۔ پھر معلوم ہوا کہ کل کو میں مر جاؤں گا۔ اب بہت ہی پریشان ہوا اور موسیٰؑ سے جا کر عرض کیا کہ اب کیا کروں۔ وحی آئی کہ اے موسیٰؑ! اس سے کہدو مجھکو اس کشف راز سے منع کیا گیا تھا آخر تو نہ مانا۔ اب دیکھ کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ تیرے گھر پہ ایک بلا آنے والی تھی، ہم نے چاہا کہ جانوروں پر پڑ جائے۔ تو نے جدا کر دیا۔ ہم نے چاہا کہ غلام پر پڑ جائے۔ تو نے اس کو بھی جدا کر دیا۔ اب تو ہی رہ گیا ہے۔ اگر تجھ کو پہلے سے آئندہ کی خبر نہ ہوتی تو گھوڑا اور غلام کیوں فروخت کیا جاتا اور تو ہلاکت میں کیوں پڑتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی بعض مصلحت نہیں سمجھتا۔ پھر اس کے معلوم ہونے پر اس کو بہت پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

اجی، اگر دعا سے کچھ بھی نہ ملے تو بھی شکر کرنا چاہیئے، کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنا نام لینے کی توفیق دی ؎

یابم اورا یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

بزرگان دین تو یوں فرمایا کرتے تھے کہ جس طاعت کے بعد پھر اسکو طاعت کی توفیق ہو تو یہ طاعت سابقہ کے قبول ہونے کی علامت ہے، تو قبول طاعت کتنی بڑی نعمت ہے۔ غرض قبول اسپر منحصر نہیں کہ اسکی خواہش کے موافق ہو اور عشاق کی نظر تو کسی قسم کے قبول پر ہی نہیں ہوتی، ان کی حالت تو یہ ہے ؎

از دعا نبود مراد عاشقاں
جز سخن گفتن باں شیریں دہاں

عاشقانِ خدا کو عشق میں تو مجنوں سے کم نہ ہونا چاہیئے، کیا اس کے نام کی مشق کچھ کم دولت ہے جو اور چیزوں کی تمنا کی جاتی ہے

(بقایا بر صفحہ ۵۱)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

امّا بعد ناظرین کرام! پیش نظر مضمون میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اسلاف کے حالات و واقعات کو قرآن کریم و حدیث شریف سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تمام کامیابی و کامرانی کا ذریعہ اور باعث سعادت دارین کس طرح ہے۔

اجماع امت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی ایک آیت ہے اور ہر مہتم بالشان اَمر کی ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کل امر ذی بال لم یبدأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فھو ابتر۔ ہر وہ کام جو تسمیہ سے شروع نہ کیا گیا ہو، وہ ناقص و قلیل البرکت ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر رسول کو اس آیت کی تعلیم دی اور ان کی زندگی میں اُن کی قوموں کو اس آیت کریمہ سے برکت حاصل ہوتی رہی۔

بسم اللہ کی برکت سے انبیاء علیہم السلام کی نجات

جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ میری اولاد عذاب الٰہی میں مبتلا نہ ہوگی۔ مگر آدم علیہ السلام نے دنیا سے کروٹ لی تو یہ آیت اٹھائی گئی۔ پھر نوح علیہ السلام پر اتری تو انہوں نے اسی کی بدولت طوفان سے نجات پائی۔ پھر حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی تو انہوں نے دریا سے رہائی پائی۔ مگر جب موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا تو وہ پھر آسمان پر اُٹھالی گئی۔ یہ سلسلہ درجہ بدرجہ حضرت سلیمانؑ تک ہوتا رہا جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ آتَیْنَا دَاوُدَ وَسُلَیْمَانَ عِلْمًا تحقیق سکھایا ہم نے داؤد اور سلیمانؑ کو علم۔ یہ یہاں پر علم سے مُراد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ اسکی برکت سے حضرت سلیمانؑ کو ہر قسم کی مخلوق سے گویائی کی قوت حاصل ہوئی اور اسی سبب سے جن اور پرندے آپکے فرماں بردار بنے۔ آپکے بعد سید المرسلینؐ احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری۔ یہ آیتِ کریمہ تا قیامت آپ کی اُمت میں رہے گی اور آپ کے اُمتی اسی سے برکت حاصل کرتے رہیں گے۔ (از الخیر المؤانس)

اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے آپکے ذریعہ آیت کریمہ کو ہم تک پہنچایا۔ اس آیت کریمہ کا مرتبہ ایسا ہے جیسا کہ تمام پیغمبروں میں سید المرسلین کی فضیلت و بزرگی۔ اس طرح تمام مہینوں میں رمضان کو قرآن شریف کو تمام کتابوں پر اور قرآن شریف کے تمام آیتوں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو فضیلت و بزرگی بخشا۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو لکھنے کا ارادہ کیا تو ایک سفید چمکدار موتی سے قلم کو پیدا کیا۔ اور جس کی مسافت ۵۰۰ سال کی راہ ہے اور بسم اللہ کے لکھنے کا حکم دیا تو ۷۰۰ سال کے بعد بسم اللہ الخ کو لکھا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا، جو شخص امتِ محمدی میں ایکمرتبہ خلوصِ نیت سے پڑھے تو میں اس کو ۷۰۰ برس کا ثواب لکھوں گا۔

(۱) حضرت مسعود رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو شخص کہ انیس ۱۹ دوزخ کے فرشتوں سے نجات پانا چاہتا ہے تو اس کو چاہیئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے، اس لئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے انیس لفظ ہیں۔ ہر ایک لفظ ایک ایک فرشتے سے لڑتا ہے اور اپنے پڑھنے والوں کو نجات بخشتا ہے۔

(۲) حدیث عن امیر المؤمنین ابی بکرن الصدّیق رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، من قال بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم کتب اللّٰہ تعالیٰ لہٗ عشرۃ الالف حسنۃ ویمحیٰ عنہ عشرۃ الالف سیّئۃ ورفع لہٗ عشرۃ الالف درجۃ (ترجمہ) روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے، جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے دس ہزار نیکی لکھتا اور دس ہزار گناہ کو مٹا دیتا ہے اور دس ہزار درجہ بلند کرتا ہے۔

(۳) فرمایا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ایکمرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو گناہ صغیرہ میں ایک ذرہ بھی گناہ باقی نہیں رہتا ہے۔

(۴) فرمایا نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی مسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتا ہے تو شیطان اس سے ایسا پگھلتا ہے جیسا کہ موم آگ سے پگھلتی ہے۔ (از وعظ دلپذیر)

(۵) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے فرمایا، کیا ہی خوب ہے وہ شخص جس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اچھی طرح سے پڑھا قیامت کے دن رحمت الٰہی میں ڈوبا ہوا ہوگا۔

(۶) امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ اُتری ہوتی تو مخلوق ہلاک ہو جاتی۔

(۷) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اتری تو ابر خوف و دہشت کے مارے مشرق سے مغرب کی جانب جاگ گیا، ہوائیں چلتی چلتی ٹھہر گئیں۔ چوپایوں نے اسکی طرف کان لگائے۔ شیطان چمکتے ہوئے ستاروں سے رجیم کئے گئے۔ ان پر ستارے پھینکے گئے۔ اس وقت خدائے تعالیٰ نے اپنی عزت اور جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس مریض پر اس نام کو لیکر پڑھا جائے گا تو میں اس کو ضرور شفا بخشوں گا۔

(۸) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اُتری تو پہاڑوں میں شور و غل اس درجے کا پڑا کہ ہم نے اپنے کانوں سے اسکی آواز سنی۔ اسی پر مکہ کے بُت پرستوں نے کہا کہ محمدؐ نے پہاڑوں پر جادو کر دیا۔

(۹) فرمایا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس دُعا کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے، وہ کبھی رد نہیں کی جاتی ہے بلکہ ہمیشہ قبول

ہوا کرتی ہے، خدائے تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ اے موسیٰ علیہ السلام
میں نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کو تین ناموں کی وجہ سے عزت
اور بزرگی کا تاج دھرا ہے۔ کہا یا اللہ وہ ایسے کونسے نام ہیں،
فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام اور
خداوند قدوس کے درمیان یہ مکالمہ ہو رہا تھا اس وقت ایک اندھا
آدمی وہاں بیٹھا ہوا تھا، اس نے یہ سن کر کہا یا الٰہی ان اسماء کی
برکت سے میری بینائی واپس کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی وقت
اس کی بینائی واپس کر دی۔ پھر آگے چل کر اس آیۃ کریمہ کی
خصوصیات پر نظر کریں۔

شرابی انسان کو بسم اللہ نے اولیاء کامل کے درجہ تک پہنچایا

تذکرۃ اولیا میں منقول ہے کہ بشر حافی ایک دن شراب خانہ کی طرف جاتے
تھے، راستہ پر ایک کاغذ کا پرچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر
اٹھا لیا تو اس پر بسم اللہ لکھا ہوا تھا۔ آپ نے یہ دیکھ کر آنکھوں سے
لگایا اور نہایت ہی تعظیم و تکریم سے اس کو عطر سے معطر کیا اور ایک
بلند جگہ میں رکھ دیا۔ اس رات شیخ حسن بصری رح الہام ہوا کہ کوئی کہتا
ہے بشر حافی کو شراب خانے سے ہماری رحمت کے دروازہ پر لے
آؤ، تو حسن بصریؒ نے یہ خیال کیا کہ وہ ایک شرابی اور پلید آدمی ہے
اس کو کچھ علم ہے نہ ہنر! ہو نہ ہو یہ شیطانی الہام ہوگا، تو دوسری
رات کو اچھی طرح وضو کر کے سو گئے تو پھر بھی ویسا ہی ہوا تو پھر
تیسری رات کو بھی اچھی طرح نہا دھو کر وضو کر کے سو گئے، پھر بھی اس
رات کو وہی الہام ہوا تو آپ نے بشیر حافی کو طلب کیا تو لوگوں نے
کہا وہ تو ایک شرابی ہے، آپ جیسے بزرگ اور کامل ولی کو شرابی
سے کیا تعلق۔ پھر آپ نے کہا کہ اسکو بلاؤ تو لوگوں نے کہا کہ
وہ تو شراب پیکر مستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ؎

مژدہ اے دل کمیں خانہ نفس می آید
کہ ز انفاس خوشش بوئے کسی می آید

غرض کہ آپ خود میخانہ میں چلے آئے، شرابیوں نے دیکھ
کر کہا کہ شیخ آپ یہاں کیوں تشریف لے آئے بیگانوں کی
صحبت سے آپ کو کیا غرض ہے، تو آپ نے فرمایا بشیر حافی کو بلا
لاؤ مجھے اُن کے پاس پیغام پہنچانا ہے، لوگوں نے کہا کہ وہ پوچھتے
ہیں کہ کسی کا پیغام لے آیا ہے، تو حسن بصریؒ نے فرمایا، خداوند قدوس
کا تو حضرت بشر حافی رح اسی وقت روتے ہوئے نکلے اور کہا نہیں
معلوم کہ عتاب الٰہی ہے، یا اور کچھ اور یہ کہہ کر دوستوں سے جدا ہوئے
کہ آج میں تم سے جدا ہوتا ہوں، کبھی تم مجھے اس کام میں نہ دیکھو گے
پھر آپ باہر آئے اور توبہ کی ترغیب سے ندا آئی کہ اے بشر حافی،
تو نے میرے نام کی تعظیم کی اور اس کو عطر سے معطر کیا لو اب
میں نے بھی تجھکو گناہوں سے پاک کیا اور معطر کیا اپنی خوشبوؤں
سے، بیت ؎

• لطف و احسان آپ کا ہے قدر دانی آپ کی
بندہ کس کے لائق ہے صاحب مہربانی آپ کی

سبحان اللہ، کیا خداوند کریم کی بندہ نوازی ہے کہ ایسے
گنہگار کو بسم اللہ کی برکت سے دم بھر میں گناہوں سے پاک
کیا! اس کا کتنا بڑا ہی احسان ہے کہ ایک آن میں بے مشقت

اولیائے کے زمرہ میں داخل کر دیا، نہ کچھ قابلیت کی تلاش ہوئی اور نہ استعداد کا لحاظ ؎

داد حق را قابلیت شرط نیست
بلکہ شرط قابلیت داد دست

بسم اللہ دوزخ کے نجات کا وسیلہ

ایک اعرابی نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بڑا گنہگار ہوں، خداوند کریم سے میرے واسطے مغفرت مانگئے۔ جناب رسول نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا کر یہ تیرے گناہوں کو بخش دیگا۔ فرمایا جو شخص بسم اللہ کو وظیفہ پڑھا کریگا، اللہ پاک اس بندے کو دوزخ سے آزاد کرے گا ؎

تسمیہ در دو جان باید مدام
آتش دوزخ کند بر خود حرام

بسم اللہ ہر بیماری کی دوا ہے۔

صولت فاروقی میں منقول ہے کہ قیصر روم نے بعد اسلام قبول کرنے حضرت عمر بن الخطابؓ کے حضور میں عرض کیا کہ میرے سر میں شدت سے درد رہا کرتا ہے۔ کوئی علاج نفع نہیں کرتا۔ آپ نے ایک سیاہ ٹوپی سلوائی اور اس کے پاس بھجوا دی کہ اسے پہنے رہا کرے۔ قیصر روم اس ٹوپی کو بڑی تعظیم سے لیکر بطور تاج سر پہ پہنے رہتا تھا۔ یہاں تک کہ جب سر پہ اوڑھے رہتا درد موقوف ہو جاتا۔ اور جب سر سے علیحدہ کرتا تو درد اور شروع ہو جاتا۔ تو قیصر روم نے اسبات کی تحقیق کے لئے ٹوپی کو کھول کر دیکھا تو اسپر ایک کاغذ کا ٹکڑا لپٹا ہوا تھا اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ ہر درد کی دوا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ہر آیت کریمہ درد کی اور ہر مرض کی دوا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

تسمیہ آرد علاج ہر مریض
شد روا ہر کس کہ خواہد فریض

برکت بسم اللہ جادو کو بے اثر کر دیا

قصۂ جرجیسؑ لکھا ہے کہ جب بادشاہ موصل نے حضرت جرجیسؑ پانچ دفعہ قتل کیا اور آپ زندہ ہوتے رہے تو آخر شاہ موصل نے شہر کے تمام جادوگروں کو جمع کر کے جادو سے حضرت جرجیسؑ کا مقابلہ کیا۔ وہ جادوگر اپنے فن میں ایسے کامل تھے کہ جب کسی کو پانی دم کر کے دیتے تو فوراً وہ آدمی جانور کی صورت بن جاتا تو بادشاہ کو یقین ہوا اور ایک پانی کا پیالہ ساحروں کو دیا۔ ساحروں نے اُس پہ دم کر کے حضرت جرجیس کو سامنے بلا کر کہا، اگر تم سچے ہو تو اس پانی کو پی لو۔ حضرت جرجیسؑ نے فوراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر وہ پانی پی لیا۔ ان پر کسی قسم کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تو ساحروں کے استاد نے حضرت جرجیسؑ سے دریافت کیا کہ اس وقت آپ کا کیا حال ہے۔ جرجیسؑ نے فرمایا، میں بہت دیر سے پیاسا تھا، خدا نے اپنے فضل سے ایسا نفیس پانی پلایا کہ سبحان اللہ! یہ سن کر ساحروں نے وہاں سے بھاگنا شروع کیا۔ (تاریخ الکامل)

بسم اللہ بخشش زندگی کا سبب ہے۔

روضۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک شخص رہتا تھا' وہ روزہ و نماز کے علاوہ کبھی کسی نے اُسے دنیاوی کام کرتے نہیں دیکھا بلکہ کبھی کسی نے اسکو کھاتے پیتے بھی نہیں سُنا۔ صرف افطار کے وقت ایک پرچہ جیب سے نکالتا اور نظر بھر دیکھتا اور پھر اپنی جیب میں رکھ لیتا۔ اور جب وہ انتقال کیا تو غسل دینے والے نے اس پرچے کو اس کے جیب سے نکالا تو اس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا۔ اور اسکی زندگی ایسی مکتوب سے تھی کہ دیکھنے والوں نے اسکو تعجب کیا' کہنے والے نے غیب سے آواز دی لا تعجبوا یا عجبا لانا بالالوھیۃ ربناہ وبالرحمۃ وفقناہ بالرحمۃ غفرلہ' نہ تعجب کرو تم اے تعجب کرنے والو' ہم اپنی وحدانیت سے اسکو توفیق دی اور رحمت سے اس کو بخشا۔ سبحان اللہ کیا یہ ورشش اور مہربانی ہے کہ اس آیت کریمہ سے کیا کیا شرف و بزرگی بندوں کو مرحمت فرماتا ہے۔ شاعر لکھتا ہے ؎

ہر کہ راشد تسمیہ تعویذ جاں
می دہد رزقش خدا خود دائد جاں

ایک عبرتناک فائدہ

رسول اکرم ﷺ نے معراج کی رات سفید موتی کا ایک عظیم الشان قبہ دیکھا وہ اس قدر وسیع اور کشادہ تھا کہ اگر تمام جن اور انس اسپر بیٹھیں تو وہ یہ معلوم ہوگا کہ چند پرندے کسی پہاڑ کی چوٹی پہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو حضرت ﷺ نے اس قبے میں جانے کا ارادہ کیا تو دیکھا قفل لگا ہوا تھا تو آنحضرت ﷺ واپس لوٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ غیب سے ندا آئی کہ اے محمد ﷺ کیا آپ اس قبہ میں نہیں جائینگے۔ تو آپ نے فرمایا اس کو تو قفل لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی کنجی بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے۔ جوں ہی حضرت ﷺ نے بسم اللہ پڑھی' وہ قفل ٹوٹ کر خود بخود گر پڑا۔ آپ اندر داخل ہوئے اور چار نہریں دیکھی۔ ایک نہر بسم اللہ کے میم سے' دوسری نہر لفظ اللہ کے ھا سے' تیسری نہر الرحمن کی نون سے' چوتھی نہر الرحیم کی میم سے ایک پانی' دوسری شہد' تیسری شراب کی۔ چوتھی نہر دودھ کی تھی۔ یہ سب ایسی چیزیں تھیں' جن کا مزہ کبھی تغیر ہونے والا نہ تھا۔ جب رسول خدا نے ان چاروں نہروں سے سیراب ہوئے تو غیب سے ندا آئی' اے محمد ﷺ آپ کی امت میں جو شخص ایک مرتبہ خلوص نیت سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے گا' میں اس کو ان چاروں نہروں سے سیراب کروں گا۔ اللھم اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فارزقنا لھذا النعیم (ترجمہ) اے اللہ! کہتا ہوں میں بسم اللہ الرحمن الرحیم' پس یہ نعمتیں بہشت کی ہم کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے ؎

اے خدا گو ہم بدل نام ترا
کز نہرہائے تسمیہ سازی عطا

فضائل بسم اللہ بے حد ہیں مگر نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے یہ چند الفاظ ہی کافی ہیں اور یہی زیادہ ہیں۔ اللہ رب العزۃ سے دعا ہے کہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس آیت کریمہ کی تعظیم کی توفیق عطا فرمائے اور ہدایت دے اور عمل خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ہدایت دے۔ آمین ثم آمین۔

خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

از
حافظ محمد ابراہیم
ادھونی
زمرۂ ثالثہ

حسنِ یوسف پہ کٹے مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

جب زمین پیاسی ہو جاتی ہے تو خالق کائنات آسمان سے پانی برساتا ہے۔ جب انسان اپنی غذا کے لئے بے قرار و بیتاب ہوتا ہے تو وہ موسم ربیع کو بھیج دیتا ہے۔ جب خشک سالی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو وہ آسمان رحمت پہ بدلیوں کو منتشر کر دیتا ہے اور اس سے مینہ برسنے لگتا ہے، جس سے تمام زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب عیاشی و سفاکی کا دور از خود رفتہ ہو گیا تو اللہ رب العزۃ نے اپنے بندوں کی اصلاح و بہبودی کے لئے اپنے مخصوص بندوں کو اس روئے زمین پر مخصوص کرتا ہے اور اس بعثت کے ذریعہ تاکہ بندوں کو ضلالت و گمراہی کے دلدل سے نکال کر راہِ راست پر لائے، اس روئے زمین پہ بے شمار پیغمبر جلوہ فرما ہوئے اور وہ اپنی اپنی قوم کو دعوتِ الٰہی کی جانب بلاتے رہے، مگر آج کسی کی تعلیم و ہدایت کا ایک نمونہ بھی زندۂ جاوید نہ رہا۔ یہاں تک کہ ان کا نام بھی باقی نہ رہا۔ صرف گنتی کے چند مخصوص انبیاء علیہم السلام جن کے حالات سے لوگ بخوبی واقف ہیں وہ تو اپنی قوم کو تعلیم و ہدایت کا درس تو دیتے رہے مگر ان کی آواز پر لبیک کہنے والے بھی چند ہی تھے مثال کے طور پر وہ انبیاء علیہم السلام جو اولوالعزم کے لقب سے ملقب تھے وہ یہ ہیں:۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ عیسیٰؑ۔ موسیٰؑ۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم۔ تاریخ اسلام کے جاننے والے حضرات اگر ان انبیاءؑ کے حالات زندگی کا مطالعہ کریں تو ہم پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ہم کو سوائے حضرت موسیٰؑ کے کوئی ایسا نبی نہ ملیگا کہ جن کے متبعین سو سے زیادہ ہوں لیکن ہمارے نبی آخر الزماں احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ نے مکہ کی گلیوں میں بے یار و مددگار متلاشیانِ حق کو صدائے توحید دی۔ نبوت ملنے کے بعد چند سال نہ گزرنے پائے تھے، کہ ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی توحید سے گونج اٹھا اور یہ خبر طشت از بام کی طرح شہرۂ آفاق ہو گئی تو لوگ آ آ کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے رہے۔

ناظرین! سب سے پہلے ہم اس بات کو معلوم کر لیں کہ خصوصیت کیا چیز ہے؟

خصوصیت اس شئے کا نام ہے جو کسی ایک ذات کے ساتھ متصف ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ذاتی۔ ایک نبوی

خصوصیت ذاتی اس شئے کو کہتے ہیں جس کا کرنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے روا ہو۔ لیکن افرادِ امت میں سے کسی فرد کے لئے جائز نہ ہو، مثلاً روزہ، نماز، زکوٰۃ، عقد وغیرہ۔

نماز عام امت کے لئے عصر کے بعد نماز پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، مگر بعض ازواج مطہرات نے سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد عصر بھی نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے، ازواج مطہرات کے دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا، ایک وفد کے آنے کی بنا پر میری ظہر کے بعد کی دو رکعت سنّت نماز ترک ہو گئی تھی، اب میں اسکی تلافی کر رہا ہوں۔ لیکن عام امت کے لئے نہ اسکی قضا واجب ہے اور نہ اس وقت ادا کرنا ہے۔ اگر بالفرض ہوتا بھی تو ایک وقت ادا کر لینا کافی تھا۔ مگر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک سنت نماز کے ترک کرنے پر اپنی اخیر عمر تک اس کی تلافی کرتے رہے۔

روزہ

متواتر کئی دن تک بغیر افطار و سحری کے روزہ رکھنا امت کے لئے منع ہے۔ لیکن یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ خاص تھی کہ آپ متواتر وہ پئے در پئے بغیر افطار و سحری کے روزہ رکھتے تھے۔ آپ کو اس طرح دیکھ کر بعض صحابہؓ نے بھی آپؐ کی تقلید کی تو آپ نے ان کو اس طرح کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا ایکم مثلی مجھے تو میرا رب کھلاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انا بشر مثلکم کے تحت آپؐ میں اور عام مسلمانوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن یہ مناسب نہیں کہ انہیں اپنے مثل اور اپنا جیسا قرار دیں۔ ہم اس بات کے منکر ہیں، کہ

بشر حضورؐ تھے پر داخل انام نہیں
شمار دانہ و تسبیح میں امام نہیں

دیکھیئے تسبیح کے دانوں میں جو امام ہوتا ہے، وہ بھی اسی چیز کا بنا ہوا ہوتا ہے جس چیز کے دانے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر تسبیح خواں امام کو ان دانوں میں شمار نہیں کرتا۔ کیونکہ دانے دانے ہیں، امام امام ہے، جو دانوں سے ممتاز و بلند ہے اور اسی کے تحت ایک مثال دیکھ لیجیئے۔ ایک سَو کا نوٹ ہے اور ایک ردّی کاغذ جو گندی نالیوں میں پڑا ہوا سڑ رہا ہے۔ حالانکہ سَو کا نوٹ بھی کاغذ ہے اور ردّی کا کاغذ بھی کاغذ ہے۔ نوٹ کے کاغذ کو تو بہت ہی حفاظت سے بٹوے میں رکھ کر اس کو جیب میں رکھ لیتے ہیں، اور ردی کاغذ کو ایسے رکھا نہیں جاتا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سَو کے نوٹ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور اسے ذلّت کی نگاہ سے۔ جواب یہ ہے کہ نوٹ پر گورمنٹ کی مہر لگ چکی ہے، جس سے ہم اپنی ضرورت کے اسباب فراہم کرسکتے ہیں اور اس سے نہیں۔ بنا بریں سَو کا نوٹ ردی کاغذ سے بلند و ممتاز ہے۔ اب ردی کاغذ سو کے نوٹ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہمارے درمیان اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

لہٰذا ہم ان کی برابری و ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے ؎

خیال زاغ کا بلبل کی ہمسری کا ہے
غلام زادہ کو دعوےٰ پیمبری کا ہے

زکوٰۃ

زکوٰۃ کا ادا کرنا صاحب حیثیت پر فرض ہے لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ

فرض نہیں تھی۔ کیونکہ اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے النّبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم۔ اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ نبیؐ تمہارے جانوں کی نسبت تم سے زیادہ قریب ہیں۔

دوسری یہ کہ نبی تمہارے جانوں کے مالک ہیں اور ساری مخلوق آپ کی مملوک و غلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکواۃ فرض نہ تھی کیونکہ اپنے غلام کو زکواۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

عقد امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ چار نکاح کی اجازت دی گئی ہے مگر اس شرط پر کہ وہ ان کے درمیان عدل قائم کر سکیں ورنہ ایک ہی پر اکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چار سے زیادہ نکاح کرنے کی اجازت تھی۔ اگر ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاحوں پر تعمق و غور و خوض کی نظر ڈالیں تو ہم پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائیگی کہ آپ کے نکاحوں کا مقصد صرف اشاعتِ اسلام تھا اور دنیا میں اسلام کو فروغ دینا تھا اور عرب سے اس دستور کو نیست و نابود کرنا تھا جو بیوہ عورتوں سے نکاح کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا، تو یہاں پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کے نکاح کرنے کا مقصد محض نفسانی خواہشات نہ تھے۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو جس وقت کہ آپ کو نبوت کے شرف سے نوازا گیا تھا اور آپ علی الاعلان اسلام کی تبلیغ شروع کی تو آپ کو اللہ تعالےٰ کے دین سے روگردانی کرانے کے لئے عرب کے رؤساء و سلاطین نے آپ سے خوشامدانہ طور پر یہ کہا تھا کہ اے محمدؐ! اگر تم اپنے دین سے باز آجاؤ گے تو ہم دنیا بھر کی دولت کو آپکے قدموں میں نچھاور کر دینگے۔ اور اگر تم چاہو گے تو اچھی سے اچھی پری رو گل اندام لڑکیاں آپ کی خدمت میں پیش کر دینگے۔ لیکن آپ نے ان اشیاء میں سے کسی چیز کو بھی منظور نہیں کیا۔ آپ چاہتے تو اسی وقت یہ تمام چیزیں باریاب کر دی جاتیں۔ اس سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کی روح جذباتِ انسانی و خواہشاتِ نفسانی سے پاک و صاف و بے نیاز تھی۔

دوسری قسم خصوصیتِ نبوی ؐ

خصوصیت نبویؐ ان احکاماتِ مجموعہ کا نام ہے، جو اللہ تعالیٰ نے سوائے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیگر انبیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو مرحمت نہیں کیا ہو مثلاً

رعب و نصرت ۔ دعوت عام ۔ تکمیل دین
ختم نبوت ۔ شفاعت وغیرہ ۔

رعب و نصرت، بعثت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر جتنے انبیاء کرام اس روئے زمین پر تشریف لائے تھے، وہ دو قسم کے تھے۔ یا تو وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے یعنی دنیوی طاقت کا کوئی حصہ انہیں عطا نہیں کیا گیا تھا۔ اور بعض انبیاء علیہم السلام ایسے تھے جن کو دنیا کی ظاہری طاقت تو

عطا کی گئی تھی مگر ان کو رعبِ نصرت کے انعام سے نہیں نوازا گیا تھا، مثال کے طور پر لیجئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ کو۔ لیکن اللہ رب العزۃ نے اپنے حبیب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رعبِ نصرت کے انعام سے سرفراز کیا تھا جیسا کہ ارشادِ باری ہے سألقی فی قلوب الذین کفروا الرعب۔

ناظرین! مندرجۂ ذیل واقعات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپؐ میں رعبِ نصرت کا مادہ کس قدر تھا۔

خیبر کے قلعہ نشین یہود جن کے قلعے بہت ہی مضبوط و پختہ تھے، ایک مرتبہ صبح کے وقت یکلخت لشکرِ اسلام ان پر حملہ آور ہوا تو وہ دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھے کہ محمدؐ کا لشکر آ گیا آ گیا۔ اسی طرح اور ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک بدوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ جب اسکی نظر آپ کے روئے روشن پر پڑی تو وہ لرزہ بر اندام ہو گیا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا اے بدوی تو مت گھبرا میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں، جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی، اسی کے تحت ایک شعر عرض ہے،

ؔ ہیبت حق است ایں خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

دعوتِ عام

اس روئے زمین پر جس قدر انبیاء کرام تشریف لائے وہ خاص خاص قوموں وقبیلوں کی جانب بھیجے گئے تھے اور ان کی ہدایت وتلقین بھی اسی قوم وقبیلہ تک ہی محدود رہی مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لیجئے۔ جب آپ اس روئے زمین پر تشریف لائے تو اللہ رب العزۃ نے آپ کو ان الفاظ سے پکارا ثم بعثنا من البعدھم موسیٰ وھارون الیٰ فرعون وملئہ بآیٰتنا ۔(ترجمہ) ہم نے سب کے بعد موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کی جانب ہماری نشانیوں کے ساتھ۔ تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم فرعون کی ہدایت وتلقین کے لئے بھیجے گئے تھے اور اسی طرح جب حضرت نوح علیہ السلام اس دنیا میں تشریف لائے، تو اللہ جل شانہ، نے آپ سے یوں کہا، انا ارسلنا نوحًا الیٰ قومہٖ (ترجمہ) نوح کو بھیجا ہم نے اس کی قوم کی جانب، قوم سے مراد (قوم عاد) ہے۔

اس آیت کریمہ سے بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی ہدایت وتلقین بھی اسی قوم تک ہی محدود رہی لیکن جب نبی آخر الزماں احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس روئے زمین پر تشریف لائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ان الفاظ سے نوازا وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین (ترجمہ) اے حبیبؐ ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر۔

تو معلوم ہوا کہ آپ کو کسی قوم یا قبیلہ یا خطہ کے لئے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ تمام عالم کے لئے۔ اس کے علاوہ اگر ہم غور وخوض کے ساتھ تفتیش وتشخیص کر کے ہر پیغمبر کے مقلدوں کا معائنہ کریں تو ہم کو سوائے اسکی قوم کے دوسرا نہ ملیگا۔ مگر تاجدارِ مدینہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلدوں کا جائزہ لیں تو ہم کو ہر قسم کے مقلد ملتے ہیں مثلاً رومی حبشی۔ عربی عجمی۔ تاتاری

چینی ۔ ہندی وغیرہ۔

تو معلوم یہ ہوا کہ آپ کی تلقین وہدایت کسی قوم وقبیلے تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عام تھی۔

تکمیلِ دین

اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں پر آسمانی کتابوں کو نازل کرتا رہا کیونکہ وہ اس دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد ان کی قوم پھر ضلالت وگمراہی کے دلدل میں نہ پھنس جائے مثلاً **تورات** حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوی اور **انجیل** حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوی۔ اور **زبور** حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوی اور **قرآن کریم** حضور علیہ السلام پر نازل ہوا۔

توریت و انجیل و زبور، اگر ہم ان کتابوں کا مطالعہ کریں، تو ان اقوام کے مکمل حالات دستیاب نہیں ہوتے، لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتاب نازل ہوی ہے' اگر ہم اس کتاب کا جائزہ لیں تو اس کو ہر سوال کا جواب پائیں گے۔ اس بات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو کتاب جس پر مکمل وجامع نازل ہوی ہے یقیناً وہ دین بھی مکمل وجامع ہی ہوگا جس کو وہ لیکر آیا ہے۔

وہ لہٰذا آپ کی وفات کے قریب جب مسلمانوں کا اجتماع کثیر تعداد میں **حجۃ الوداع** کے موقعہ پر ہوا تھا تو اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان عام کیا کہ :-

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً۔ حالانکہ دیگر انبیاء کرام بھی اس دنیا میں تشریف لائے لیکن اللہ رب العزت اُن کے لئے یہ اعلان نہیں کیا، کیونکہ **تکمیل دین** کا انحصار آپ ہی پہ مبنی تھا۔

ایکمرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا 'میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک شخص ایک عمارت تعمیر کیا۔ لوگ اس عمارت کو دیکھتے ہیں متحیر "وششدر" رہ جاتے ہیں کیونکہ اس عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ وہ اینٹ میں ہوں اور دیگر جو اینٹیں ہیں وہ دوسرے انبیاء کرام ہیں۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ دین کی تکمیل کا انحصار آپ ہی پہ تھا جیسا کہ عمارت کی تکمیل کا انحصار وہ اینٹ پہ تھا۔

ختمِ نبوّت

ختم کے معنی آتے ہیں لغت میں کسی چیز کو اس طرح سے بند کر دینا کہ اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نہ آسکے اور نہ باہر کی کوئی چیز اندر جاسکے اور ختم کے معنی مہر لگانے کے بھی آتے ہیں۔ یہ عمل مہر کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ یہ کام مکمل ہو چکا ہوا اور مہر لگانے سے ہم اس بات کا سراغ لگا سکتے ہیں کہ اس کے اندر کسی چیز کا دخول ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ مہر اس بات کی علامت ہے۔

اسی طرح جب نبوت ورسالت کا سلسلہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہو گیا تو پروردگار عالم نے اپنے حبیب کی شان میں یوں فرمایا :- ماکان محمد ابا احد من الرجالکم ولکن الرسول اللہ وخاتم النبیین (ترجمہ) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے

باپ نہیں لیکن خدا کے پیغمبر اور تمام نبیوں کے خاتم ہیں"۔

تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبوت کا منتہی ہونا آپ ہی پر تھا۔

شفاعت اللہ جل شانہٗ نے انبیاء علیہم السلام کو اس عالم گیتی میں مبعوث کرتا رہا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کو ایک ایک مستجاب الدعوات بھی عطا کرتا رہا۔ جب وہ انبیاء علیہم السلام اس دنیا میں آئے تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب بلاتے رہے اور ان کو ہدایت و تلقین کا درس دیتے رہے۔ یہ سرکش بندے ان کی ہدایت کو ضلالت و گمراہی پر تعبیر کیا اور انہیں طرح طرح کی ایذائیں دینی شروع کی۔ انبیاء علیہم السلام ان کی ایذا کو برداشت نہ کر کے وہ مستجاب الدعوات کو بارگاہ الٰہی میں پیش کئے تو وہ فوراً قبول کرلی گئی۔ لیکن آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا کو ابھی تک تصرف میں نہیں لایا محققین کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جو دعا دی گئی تھی وہ شفاعت ہی ہے۔ شفاعت بنا ہے شفیع سے شفیع کے معنی آتے ہیں جوڑا بننے کے اور ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں۔ دراصل شفاعت میں یہی ہوتا ہے کہ کسی مظلوم کی آہ و فغاں کو سنیں اور اس کو کسی بڑے کے سامنے پیش کریں اور اس کو منظور کرانے کی کوشش کریں۔ اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت بھی یہی ہوگی۔

جب جلال الٰہی کا آفتاب اپنی پوری تمازت پر ہوگا۔ گناہ گاروں و سیہ کاروں کو امن و امان کے لئے کوئی سایہ نہ ملے گا تو اس وقت فخر موجودات، باعث خلق کائنات ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر فرق مبارک پر تاج شفاعت رکھ کر گناہ گاروں و بدکاروں کی دستگیری کریںگے۔ جب شفاعت قبول ہوگی تو اللہ رب العزت کی اذن سے تمام لوگوں کو شفاعت کی خوشخبری سنائیںگے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

فتویٰ

زیارتِ آثارِ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس باب میں کہ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے موئے شریف صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمائے ہیں یا نہیں ؟

اور (۲) زیارت آثار یعنی موئے شریف کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا ہے ؟

اور (۳) اسکی تعظیم و تکریم گویا تعظیم و تکریم آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے یا نہیں ؟

اور (۴) صحت پر اس کے حکم کرنے، ابر اس پر سایہ کرنا اور چھاؤں اسکی دھوپ میں نا پڑنا اور باوجود گوڑ لگانے کے اسپر مکھی نہ بیٹھنا ضرور ہے یا نہیں بیّنوا و توجروا۔

الجواب

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں موئے مبارک تقسیم فرمائے ہیں۔ اور عادت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی کہ موئے مبارک جب سر اور داڑھی شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلتا تو اس کو تبرکاً اٹھا رکھ لیتے تھے۔

اور (۲) زیارتِ مشاہد و آثار کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرف منسوب ہیں مستحب ہے۔

اور (۳) تعظیم و تکریم اُنہوں کی گویا تعظیم و تکریم اس سرورِ ہر دو سَرا کی ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اور (۴) صحت پر اس کے حکم کرنے، ابر سایہ ڈالنا۔ اور چھاؤں اسکی نہ پڑنا اور مکھی اس پہ نہ بیٹھنا ضرور نہیں۔ بلکہ صحیح ہونا نقل کا اس کے ثبوت میں بطریق اخبار و آثار، یا بغیر ثابت ہونے اس کے اخبار و آثار میں، فقط معروف رہنا اس کا لوگوں میں اشتہار کے طور پر بس ہے۔

اشعۃ اللمعات میں شیخ الدہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہے و ناولک الحالق شقہ الایمن

اور دئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر تراش کو سیدھا جانب اپنے سر کا۔ ظاہر اس حدیث سے یہ بات ہے کہ معتبر ابتدا کرنے میں سیدھا جانب سر منڈھوا لینے والے کا ہے۔ اور بعضے سیدھے جانب کو منڈھنے ہارے کے اعتبار کرتے ہیں فَحَلَقَہٗ پھر منڈھا سیدھے جانب کو آنحضرت کے ثُمَّ دَعَا اَبَا طَلْحَۃَ الْاَنْصَارِیَّ فَاَعْطَاہُ اِیَّاہُ بستر بلائے آنحضرت ابو طلحہ انصاری کو جو مشہور صحابہ سے ہیں۔ اور انہوں ہی نے لحد قبر شریف کو کھودا اور آپ ہی انس بن مالک کے ماں ام سلیم کو دئے۔ ثُمَّ نَاوَلَہُ الشِّقَّ الْاَیْسَرَ فَقَالَ اِحْلِقْ پستر دئے آنحضرت حلاق کو اپنا داواں جانب پس فرمائے منڈھ فَحَلَقَ تو منڈھا فَاَعْطَاہُ اَبَا طَلْحَۃَ پھر دئے موئے مبارک ابی طلحہ کو فَقَالَ اَقْسِمْہُ بَیْنَ النَّاسِ پھر فرمائے بانٹ دے ان کو لوگوں میں تو ہر یک کو یک یک دو دو عدد موئے شریف حصہ ملے۔ شاعر گویا اسی قصے طرف اشارہ کیا ہے

بیت مرا از زلفِ تو موئے بسند ہست
فضولی می کنم بوئے بسند است

اسی طرح ناخناں بھی تراشنے اور حاضرین پہ بانٹ دئے اور یہ برکات امت میں آجتک باقی ہیں، جو یاد دلانے اور یاد رکھنے کا ہوا اجزائے وجود شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گویا مقولہ سے شاعر کے جو یک بو بس ہے کہا یہی مراد ہے مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ انتہیٰ اور شرح سفر السعادۃ میں ہے کہا تو لیکن کہ بانٹنا موئے مبارک کا صحابہ میں اس لئے تھا کہ یہ برکت انہوں میں باقی رہے اور انہوں کو وجود شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاد دلانے اور یاد رکھنے کا سبب ہووے، اور گویا اشارہ فرمائے آنحضرت اپنے اجل کی نزدیکی اور زمانہ صحبت کے سر جانے طرف انتہیٰ اور مدارج النبوۃ میں جلد اول کے نویں باب میں لکھتے ہیں، عروہ بن مسعود نے دیکھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے تو آپ کے وضو کے پانی پہ صحابۂ کرام پیش دستی کرتے اور گرتے قریب تھا کہ اس پہ مار اماری کرلیں۔ اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ اور ناک اور حلق سے پانی گرتا تو اس کو نیچے گرنے نا دے کے ہاتھوں میں لیکر اپنے منہ اور بدن پہ ملتے۔ اور جب موئے شریف گرتا تو سبقت کرنے اور اس کو اٹھا کے تبرک کے طور پہ حفاظت کر رکھتے۔

اور اسی میں ہے اور مروی ہے انس بن مالک سے کہ انہوں نے کہے، بیشک دیکھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور سر تراش آپ کا سر مبارک مونڈھاتا تو صحابہ ان بالوں کو جمع کرتے تھے، پس یہی چہتے کہ جو موئے شریف کے گرتا ہو سو کسی کے ہاتھ ہی میں گرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حج میں اپنے مبارک سر کے بالوں کو صحابہ پہ تقسیم کئے سو اس کا بیان خدا چاہا تو اس کے محل میں آویگا انتہیٰ۔ اور حیات القلوب فی زیارت المحبوب کے چودھویں باب کے تیرھویں فصل میں لکھتا ہے کہ جاننے کہ مولانا رحمۃ اللہ سندی منسک متوسط میں اور ملا علی قاری کی اس کے شرح میں عبارت مفیدہ لائے سو اس کا حاصل یہ ہے کہ جانا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طرف منسوب ہیں سو مساجد اور باوڑیاں اور آثار کی زیارت مستحب ہے برابری کہ وے جانا جاویں یا جہت ان کا۔ اور تصریح کئے ہے علی الاطلاق اس استحباب پہ یک جماعت علمای حنفیہ کی

اور یک ٹکری شافعیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی اور تحقیق حضرت عمر رضی اللہ عنہما کوشش کرتے تھے نماز کرنے اور اُترنے اور گذرنے میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کئے یا اُترے یا گذرے اور قاضی عیاض شفا میں کہا ہے کہ تعظیم و اکرام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے ہے تعظیم کرنا سب اشیاء اور اجزاء کا آنحضرت کے اور اکرام کرنا سب مکانوں کا آپ کے کہ جن میں سے یا اُترے ہوں او تعظیم کرنا ہر چیز کی جو لگی ہو ہاتھ یا پہلو یا قدم یا کوئی عضو کو عضوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہے کہ اس کے ثبوت میں نقل صحیح آوے یا اخبار و آثار سے ثابت ہو کے لوگوں میں اشتہار کے طور پر معروف رہے۔ تمام ہوا خلاصہ سندی اور مکی رحمہما اللہ کے کلام کا انتہیٰ۔

مولانا سراج العلماء مولوی محمد سعید صاحب اسلمی مغفور، سفینۃ النجات کے بیالیسویں صفحے میں لکھتے ہیں۔ برخلاف موئے شریف کے اگرچہ بالیقین معلوم نہ ہو کہ واجب التعظیم ہے اس لئے کہ جب کل کی تعظیم واجب ہوئی تو جزء اس کا تکریم اور احترام میں اس کے سرپکا ہے اور قیاس چیزہای مذکورہ[1] کا اس پر قیاس مع الفارق ہے اور نقض لانا موئے شریف کے تعظیم میں نظر کرتے حرمت پر تعظیم اشیای مذکورہ کے نقض بغیر شل ہے پس یہ باطل ہے انتہیٰ۔ اس مقام میں یک ملفوظ ملفوظات سے قدوۃ المحققین زبدۃ المدققین اسوۃ العارفین نقاوۃ الواصلین واقف اسرار ربانی مجدد الف ثانی جامع الشریعت والطریقۃ کاشف رموز المعرفۃ والحقیقۃ حضرت شاہ عبدالحق محمد مخدوم الحقانی القادری

السادی رحمۃ اللہ علیہ کے جو جمع کرنے والے ان ملفوظات کے قطب زماں ترجمان لسان العرفاں قدوۃ الواصلین زبدۃ العارفین شیخی وجدّی رکن الملت والدین حضرت شاہ سید ابوالحسن القادری القرہی قدس اللہ سرہ العزیز[2] ہیں بطریق فائدہ لایا جاتا ہے، وہ یہ ہیں لفظ فرماتے تھے کہ لوگاں جب آثار شریف لاتے ہیں وہاں طالب حق با ادب رہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں سر مبارک منڈھواتے وقت موئے شریف لوگوں کو عنایت فرمائے ہیں۔ جس روز کہ فقیر سفر زیر باد کا قصد کیا، محمود بندر میں پہنچا، وہاں آثار شریف تھا سو فقیر اس کی زیارت کا قصد کیا۔ دو طالب العلم ہمراہ تھے سو زیارت کے منع میں تقریراں کرنے لگے کہ لوگاں جھوٹ آثار شریف کا نام لیتے اور لوگوں میں شہرت دیتے ہیں تا کچھ نفع حاصل ہو جاوے۔ حضرت اتنی مسافت طے کر کے وہاں جانا کیا مناسب ہے؟ فقیر جواب میں کہا مجھکو حضرت کے نام کی تعظیم بس ہے اور انہوں کی بات چیت طرف التفات نا کر کے آثار شریف کی زیارت کیا۔ خادم میرا جو ایک احمق تھا وہ بھی اُن طالب العلموں کے موافق تقریراں کیا۔ فقیر اس پر بھی ناالتفات کر کے زیارت بجا لایا۔ جب دو پہر رات ہوئی تو وے دونو طالب العلم روتے دھوتے اور واویلا افسوس کرتے فقیر پاس آئے اور عرض کئے کہ ہم خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے فرمائے کہ ایسا انکار اچھا نہیں۔ اس لئے کہ ایسے ہی انکار سے ابوجہل اور ابولہب خراب ہو گئے، انتہیٰ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

---

[1] یعنے تصویر رہا جنیت اور پیچے شدے اور گھوڑے اور خچروں کے نعلاں اور جھنڈے اوراں سری کے چیزاں کہ تعظیم ان تمام کی کفر ہے ۱۲

وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِكَ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ای خدا دکھا تو ہمارے تئیں حق کو حق اور روزی کر ہم کو تابعداری اسکی اور دکھا ہم کو باطل کے تئیں باطل اور روزی کر ہم کو پرہیز اس سے اور درود و سلام بھیج اور بہترین مخلوق تیرے محمدؐ سردار پیغمبران کے شفاعت کرنے والے گنہگاراں کے، اور آل پر ان کے اور یاراں پر اُن کے اور تابعاں پر اُن کے قیامت تک رحمت سے تیرے، ای زیادہ رحم کرنے والا رحم کرنے والوں سے۔

خاتمۃ الطبع[1]

الحمد للہ کہ یہ فتوے کثیر النفع بیان میں زیارت آثار شریف وغیرہ کے جناب عمدۃ المعاصرین زبدۃ المحققین حاوی فروع و اصول جامع منقول و معقول عالم ربانی فاضل حقانی محی الملۃ والدین مولانا حضرت حاجی حافظ مولوی سید شاہ عبداللطیف صاحب قبلہ قادری النقوی الحنفی الویلوری مدظلہ العالی جواب میں استفتای معدن الجود والاحسان نواب محمد بدیع الدین خان بہادر جھگری ویلوری کے حدیث، اور سیر اور مناسک کے کتاباں سے بہت بے نظیر فارسی زبان میں تحریر فرمائے تھے اس کو فقیر سید شاہ محمد قادری ہندی زبان میں حاوی علوم خفی و جلی مولوی حاجی سید محمد صاحب قادری مدظلہ العالی سے ہندی زبان میں ترجمہ کرا کے مطبع قادری میں چھپوایا تا مسلمان بھائیوں کو منفع عالم حاصل آوے اور یہ فقیر دعا کا امیدوار ہے اللہ ولی التوفیق۔

[1] مذکورہ فتویٰ مطبوعہ رسالہ" فتویٰ زیارت آثار شریف" سے نقل کیا گیا ہے۔

سلسلہ صفحہ ۳۶ " فلسفۂ دعا"۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم	می نمودے بہر کس نامہ رقم
گفت اے مجنون شیدا چیست ایں	می نویسی نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم	خاطرِ خود را تسلی می دہم

اور علاوہ اس کے کہ جو دُعا ان کی مصلحت کے مناسب نہ ہو تو کبھی یہ بھی ہوتا ہے تو اس کا اجر آخرت کے لئے ذخیرہ بنایا جاتا ہے، سو تعجب ہے کہ مومن ذخیرہ آخرت پر قناعت نہ کرے اور متاع دنیا کے حاصل نہ ہونے پر افسوس کرے۔ مومن کامل تو نعمت اخرویہ کے مقابل دنیوی سلطنت کی گرد، اور ہیچ سمجھتے ہیں۔ ایکدفعہ سلطان سنجر شاہ ملک نیمروز نے حضرت پیران پیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرضیہ لکھا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں ملک نیم روز آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت دو شعر تحریر فرمائے ۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب

من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

یہ بیان تھا بقدر ضروری دُعا کا۔

شبہ بعض لوگوں کا بعض لوگوں کو شاید یہ شبہ ہو کہ دعا رضا بالقضاء کے خلاف ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا اور رضا دونوں جمع ہو سکتے ہیں اس طور پر کہ عین دُعا کے وقت یہ قصد کرے کہ دعا کے موافق ہو گیا تو یہی قضا ہے، اس پر راضی رہوں گا اور اگر اس کے خلاف ہوا تو وہی قضا ہے، اس پر راضی رہوں گا۔ اور چوں کہ دعا بھی مامور بہ ہے، اس لئے وہ بھی داخل قضا ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت ابراھیمؑ کے آگ میں ڈالے جانے والے قصہ سے استدلال کرے کہ انہوں نے باوجود حضرت جبرئیلؑ کے حکم کے کہ دعا کرو، دعا نہیں کی اور فرمایا حسبہ عن سوالی علمہ بحالی مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو میرے حال کا علم ہے تو پھر میرے سوال کی کیا ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنا رضا بالقضأ اور تفویض اور تسلیم کے خلاف ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ قصہ سیر کا ہے جسکو استدلال میں نہیں پیش کیا جا سکتا۔

دوسرا اگر اس قصہ کو مان بھی لیا تو اس کا جواب آسان یہ ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ پہلی امت کا ہے۔ ہمارے پیغمبرؐ کی شریعت کا نہیں، اس لئے یہ ہمارے اوپر حجت نہیں۔

تیسرے یہ کہ وہ صاحب وحی تھے، ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت دعا کرنا خلاف رضا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

کفر باشد نزد شاں کردن دعا
کہ اے خدا از ما بگرداں ایں قضا

ہم لوگ صاحب وحی نہیں، ہمیں تو دعا کرنے کا حکم ہے۔ اس لئے دعا کریں گے۔

چوتھے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے حضرت محمدؐ چونکہ علم میں اتم و اکمل ہیں، حضرت ابراھیمؑ پر اس وقت غلبۂ حال میں تفویض اور تسلیم کی فضیلت منکشف تھی۔ اور دعا کی فضیلت مستور اور پوشیدہ اور ہمارے حضورؐ پر ہر وقت تفویض اور تسلیم اور رضاء کی فضیلت بھی منکشف رہتی تھی اور دعا کی فضیلت بھی، اس لئے آپ نے دونوں کو جمع فرمایا اور اکثر بزرگوں سے غلبۂ حال میں اس قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ جن کی نہ تقلید درست ہے، نہ انکی باتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے، اور نہ ان پر انکار درست ہے۔ وہ معذور ہیں، مغلوب الحال کی تقلید کسی دوسرے کو جائز نہیں۔ اس کے واسطے خود شریعت کے صاف اور کھلے ہوئے احکام موجود ہیں۔ جن میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آفتاب کے سامنے چراغ کی کیا ضرورت ہے۔ الغرض یہ چند موانع دعا کے بطور اصول اور ضابطہ کے لکھ دئے گئے ہیں۔ اب ان سے اور اسباب بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔ جو سمجھدار آدمی سمجھ کر نکال سکتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین: والسلام علیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

پیش نظر مضمون حضرت مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قبلہ قادری بی اے۔ ناظم دار العلوم لطیفیہ کی فرمائش پر تحریر کیا گیا۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ اس دار فانی میں کسی فرد بشر کو ثبات و دوام نہیں۔ ہر شخص کے لئے ایک وقت معین ہے۔ جب مقررہ میعاد ختم ہوتی ہے تو اس کے لئے تھوڑی بھی مدت کی مہلت نہیں ملتی۔

کما قال تعالیٰ اذا جآء اجلھم لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون ؏ (ترجمہ) جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے جب ان کا وقت آجاتا ہے تو ایک لمحہ پیچھے اور نہ آگے۔

اور انسان جب اس دار فانی سے کوچ کر جاتا ہے تو دنیا سے اس کے تمام علائق منقطع ہو جاتے ہیں اور اعمال کا سلسلہ مسدود ہو جاتا ہے۔

مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے کچھ طریقے ایسے بھی بتا دئے ہیں کہ جس سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ طریقہ ایصال ثواب کا ہے۔

ایصال ثواب کا طریقہ :

ثواب پہنچانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے خدا کی جانب سے اسکا ثواب اس کے لئے لکھا جاتا ہے اور اس کو خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ بھی اختیار دیا ہے کہ وہ اپنا ثواب جسکو چاہے پہنچائے، صرف اسطرح کہنے سے کہ یا اللہ میرے اس عمل کے مثل یا اس صدقہ کے مثل ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے، یا میں نے میرے اس عمل یا اس صدقہ کا ثواب فلاں شخص کو دیا ہے، اس طرح کہنے سے اس میت کو ثواب پہنچ جاتا ہے۔ میت کے لئے دعا کرنا یا اس سے میت کو نفع پہنچنا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ والذین جآءو من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ؏ (ترجمہ) اور جو لوگ (مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم) کے بعد آئے وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمکو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔

ابو داؤد اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان ام سعد ماتت فای صدقۃ افضل قال الماء فحفر بئرا وقال ھذہ لام سعد۔ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بیشک ام سعد انتقال کر گئیں پس کونسا صدقہ افضل ہے تو آپ نے فرمایا پانی۔ پس سعد نے کنواں کھودا اور فرمایا یہ

ام سعد کے لئے ہے۔

وعن ابی هريرة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جارية او علم ينفع به او ولد الصالح يدعو له۔ صحیح مسلم

(ترجمہ) جب انسان مرجاتا ہے تو اسکا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں سے (اسکو برابر نفع پہنچا رہتا ہے) وہ یہ ہے کہ صدقہ جاریہ یا ایسا علم کہ جس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے ایسا نیک صالح فرزند جو اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہو۔ چنانچہ اسی حدیث کی شرح علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے چند اشعار میں فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اسکی کوئی خصلت باقی نہیں رہتی۔ یہ دس خصلتیں، جو رہتی دنیا تک باقی رہتی ہیں، وہ علوم جو اس نے پھیلائے، اور اولاد صالح کی دعا۔ اور کھجور کے درخت جو اس نے لگائے۔ اس سے صرف کھجور ہی کی کچھ خصوصیت نہیں، ایسے پھل دار یا سایہ دار درخت کہ جسکی وجہ سے رہتی دنیا تک ان سے فائدہ پہنچتا رہے یا قرآن مجید جسکو اس نے وراثت میں چھوڑا ہو، یا پل یا کنواں یا کوئی نہر، یا مسافر خانہ یا مسجد۔ بعض علماء نے قرآن مجید کی تعلیم کو بھی صدقہ جاریہ میں شامل فرمایا ہے۔

اور علامہ تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں۔ وفی دعا الاحیاء للاموات وصدقتهم ای صدقة الاحیاء عنهم ای عن الاموات نفع لهم ای للاموات

اور زندوں کے دعا کرنے اور ان کے صدقہ دینے سے مردوں کو نفع پہنچتا ہے۔ معتزلہ اس کے خلاف ہیں، کیونکہ وہ اس چیز سے استدلال کرتے ہیں کہ قضا میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

کل نفس بما کسبت رهين ہر نفس اپنے عمل کے ساتھ مرہون یعنی ماخوذ ہے لیکن آیت سابقہ والذین جاؤا من بعدهم يقولون ربنا الخ سے اموات کو احیاء کے جانب سے نفع پہنچنے کی بہترین دلیل ہے۔ اگر اموات کے لئے زندوں کی جانب سے کوئی نفع نہیں پہنچتا تو اس آیت کا کوئی معنی ہی نہیں دیتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما من میت یصلی علیه امة من المسلمين يبلغون مائة كلهم يشفعون له الا شفعوا فيه (مسلم) (ترجمہ) ہر وہ میت کہ جس پر مسلمانوں کی ایک جماعت نماز پڑھتی ہے اور اہل جماعت کی تعداد ایک سو تک پہنچ جائے اور تمام لوگ اسکی شفاعت چاہتے ہیں تو اسکی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک سو چاروں مکتوبہ میں فرماتے ہیں کہ مصیبت کسی شخص کے جہان سے کوچ کرنے سے نہیں بلکہ اس کے حال پر ہے نہ معلوم اس کا معاملہ کیا پیش آجاوے اس لئے دعائے استغفار اسی کے لئے صدقہ یا خیرات وغیرہ اس کی امداد کرنی چاہیے لیکن ہم میں سے بعض حضرات کی یہ حالت ہے کہ سوائے نماز جنازہ کے اس کے حق میں استغفار کی دعا کے لئے بھی روادار نہیں ہوتے، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: کہ اذا حضرتم المیت فقولوا خیرا فان الملئكة يؤمنون على ما تقولون ۱۲

وقال ایضاً ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوة تلحقه من اب او ام او اخ او صدیق فاذا لحقت احب الیه من الدنیا وما فیها وان الله لیدخل علی اهل القبور من دعاء اهل الارض امثال الجبال من الرحمة وان الهدية للاحياء الى الاموات الاستغفار لهم ۵

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تم کسی جنازے
کے ساتھ شریک ہو تو اچھی بات کہو کیونکہ ملائکہ جو کچھ تم کہتے
ہو تو اس پر آمین کہتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، میت کی
مثال قبر میں اس ڈوبنے والے کی سی ہے جو انتظار کرتا ہے
اس دعا کا جو اس کے باپ، یا ماں، یا بھائی یا اس کے دوست
کے طرف سے ہوتی ہے۔ پس جب وہ دعا اس کو پہنچ جاتی ہے
تو اس شخص کو زیادہ پسندیدہ ہے دنیا اور اسکی چیزوں سے۔
البتہ داخل کرتا ہے قبور والوں پر اہل ارض کی دعا کی وجہ سے
پہاڑ کے سے مثل رحمت کو اور بے شک زندوں کا ہدیہ اموات
کے لئے یہ ہے کہ ان کے لئے استغفار و دعا کی جائے۔

ان تمام اقوال سے اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ
زندوں کی جانب سے اموات کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ اب رہا سوال
کہ ان استغفار یا ایصال ثواب کے لئے دنوں یا مہینوں یا سالوں کا
تعین کرنے کا۔ اس میں یہ خصوصیت ہے کہ حضرت شیخ عبد الحق
دہلویؒ مشکوٰۃ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ میت کے جانب سے اس
کی رحلت ایک دن سے سات دن تک صدقہ دینے سے میت کو
فائدہ پہنچتا ہے اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور صاحب زاد الآخرت شرح برزخ وکنز العباد سے
نقل فرماتے ہیں کہ قبر کا فتنہ عذاب مومن کے لئے سات روز
ہے، اور منافق کے لئے چالیس روز ہے اور منافق کے لئے سے
مراد کافر نہیں ہے بلکہ منافق عصیان ہے۔ پس میت کے وارثوں
کو چاہئے کہ ایصال ثواب کی نیت سے پے درپے چالیس روز
تک اس کے لئے صدقہ دیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تعین ایام
برائے ایصال ثواب مکروہ نہیں، اس بنا پر محبوب الٰہی شیخ نظام الدین
بدایونی و قدوۃ الاولیاء شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی و زبدۃ العرفاء
و خواجہ بندہ نواز سید گیسو دراز اور ولی کامل مکمل شیخ بہاؤ الدین
زکریا اور اسی طرح دیگر اولیائے کرام اور علماء اپنے آباؤ اجداد
شیخ اولیاء و دیگر کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ان کے فاتحہ، اور
عرس کا اہتمام کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص یہ یقین کرے کہ خاص
کر اسی دن ایصال ثواب کریں تو پہنچ جاتا ہے اور اگر دوسرے
دن کریں تو نہیں پہنچتا ہے تو ان لوگوں کا یہ خیال کرنا محض
بے کار و بے جا ہے و مکروہ ہے، اور زیارت قبور مردوں کے
لئے مسنون ہے تاکہ اموات کے لئے دعائے استغفار کیا جاوے۔
اور قبروں کو دیکھ کر اپنی موت تازہ ہوتی ہے۔ عورتوں کے لئے
زیارت قبور کرنا جائز ہے۔ مگر بعض علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ ان
کے قلب کی کمزوری کی وجہ سے، اگرچہ کہ قبروں کے پاس اجنبی
مردوں کا مجموعہ رہتا ہے۔ تو اجنبی مردوں کی وجہ سے عورتوں
کو قبروں کی زیارت کے لئے جانا حرام ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کے روضۂ شریف کی زیارت کرنا مسنون ہے۔ دن ہو یا
رات، جب یا جس وقت چاہے زیارۃ قبور کے لئے جا سکتے
ہیں۔ لیکن جمعہ کے دن قبروں کی زیارت کرنا بہ نسبت دوسرے
دنوں کے زیادہ افضل ہے۔

چنانچہ حکیم ترمذی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے
کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن
اپنے والدین کی زیارت کرے تو اللہ تعالےٰ اس کے گناہوں کو
بخشتا ہے اور اسکو والدین کے فرماں برداروں میں سے لکھیگا۔

سیدنا حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بھی ہر جمعہ کو احد
جاکر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کیا کرتی تھیں۔ نیز

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات شب کے اول حصے میں زیارت کے لئے جنت البقیع تشریف لے جاتے تھے۔

تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زیارت قبور اولیاءؑ و علماء کے لئے دُور دراز کا سفر کر کے کیا ان کی زیارت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جبکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لاتشد الرحال الا ثلثۃ مساجد المسجد الحرام ومسجد ھذا ومسجد الاقصٰی (ترجمہ) کجاوہ مت باندھو مگر تین مسجدوں کے لئے مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصٰی۔ مطلب یہ ہے کہ سفر نہ کرو۔

شیخ ملا علی قادری عین العلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حدیث مذکورہ انبیاء اور اولیاءؑ کے ماننے کے لئے نہیں۔ کیونکہ یہ حصر صرف مساجد کے حق میں ہے، نہ کہ دیگر زیارت گاہ کے لئے۔ باوجودیکہ جہاد، ہجرت تجارا ور دیگر اغراض دنیاوی کے لئے جائز اور شرع سے اور اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے تو انبیاءؑ و اولیاء و صالحین و علماء کی قبروں کی زیارت کے لئے جانا کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احیاء العلوم کتاب اسرار الحج میں اسی حدیث کی تحت فرماتے ہیں لان المساجد الثلاثۃ مماثلۃ بیشک دوسری مسجدیں ان تینوں مسجدوں کے علاوہ مساجد درجہ رکھتی ہیں اور کوئی شہر ایسا نہیں ہے کہ جس میں مسجد نہ ہو تو دوسری مسجدوں کی جانب سفر کرنا کوئی معنی رکھتا ہے اور زیارت کے وقت اہل قبور کا احترام کرنا اور ان کے آداب کو ملحوظ رکھنا جیسا کہ ان کے زمین حیات ان کا احترام کیا جاتا ہے ویسا ہی ان کے رحلت کر جانے کے بعد ان کا احترام کرنا واجب ہے کیونکہ صالحین کی جانب سے ادب و احترام کے مطابق نظر و توجہ زیادہ ہوتی ہے اور احترام اہل قبور کی

دلیل میں حدیث سے ملتی ہے۔

عن عائشۃ قال کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما زوجی وابی فلما دفن عمر معھم فواللہ مادخلت الا وانا مشدودۃ علی ثیاب حیاء من عمر۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور میں بغیر پردے کے ہوتی تھیں اور میرے دل میں کہتی تھیں کہ وہ میرے شوہر اور باپ ہیں اور جب ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تو اللہ کی قسم میں بغیر پردے کے داخل نہیں ہوتی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا کرتے ہوئے۔

صاحب اشعۃ اللمعات اسی حدیث میں حیاء من عمرؓ کے تحت رقمطراز ہیں۔ یہ واضح دلیل ہے کہ اس بات پہ کہ انبیاء وصحابہ و نہ علماء و صلحاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اسبات کی دلیل کہ زیارت کے وقت اہل قبور کا احترام ملحوظ رکھنا چاہئے جس طرح کہ ممکن ہو۔ ف مکر صالحین کے اس طور پر انتہائی حیا دار ادب ظاہراً و باطناً ہو کیونکہ صالحین اپنے زوار کی جانب ان کے ادب اور احترام کے مطابق نظر توجہ فرماتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت شیخ ملا علی قاری نے شرح فرمائی ہے اور طبرانی نے اوسط میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی مصعب بن عمیر حین رجع من احد فوقف علیہ و علی اصحابہ فقال اشھد انکم احیاء عند اللہ فزوروھم وسلموا علیھم

فو الذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ الا یوم القیامۃ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصعب بن عمرؓ کی قبر سے گذرے اور انکی اور آپ کے دیگر صحابہؓ قبروں کے پاس کھڑے ہو گئے جبکہ آپ نے غزوہ اُحد سے واپس لوٹ رہے تھے تو اسی وقت آپ نے فرمایا میں گواہ رہتا ہوں کہ بے شک تم لوگ زندہ ہو' اللہ کے نزدیک۔ پس اے لوگو! تم ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام بھیجو! پس قسم ہے اُس ذات کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے' جو کوئی ان پر سلام بھیجے گا تو یہ اس کا جواب قیامت تک جو لوگ ہیں ان پر سلام بھیجینگے تو وہ اس کا جواب دیں گے۔

انسان جب تک اس دار فانی میں رہتا ہے تو اس کو بہت سے تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اب یہ اعتراض بھی ہوتا ہے' کہ قبروں پر پھول ڈالنا کہاں سے ثابت ہے۔

علامہ فاضل ابی بکر الدمیاطی فتح المعین کی شرح اعانت الطالبین میں ذکر فرماتے ہیں' قبر پر سبز ڈالی کا رکھنا منت ہے کیونکہ وہ میت کے عذاب میں تخفیف کرتا ہے۔

ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے پس ہم دو قبروں کے نزدیک سے گزرے تو وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے تو ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہونے لگا' یہاں تک کہ آپ کے آستین متحرک ہونے لگے۔ پس ہم نے کہا یا رسول اللہ آپ کا حال اس طرح کیوں ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ آپ لوگ نہیں سنتے ہیں' جو کہ میں سنتا ہوں۔ پس ہم نے کہا کیا بات ہے یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا دونوں قبروں کے لوگ اپنی قبروں میں سخت عذاب میں مبتلا ہیں کسی معمولی گناہ کے سبب سے۔ ہم نے کہا کس لئے' تو آپ نے فرمایا ان میں سے ایک شخص پیشاب کی پاکی نہیں کرتا۔ اور دوسرا لوگوں کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتا تھا۔ اور لوگوں کے درمیان غیبت کرتا تھا تو آپ نے کھجور کی دو ڈالی منگوائی اور ایک ایک کو ہر ایک قبر پر لگوائے۔ پس ہم نے کہا یا رسول اللہ، کیا یہ شاخیں ان لوگوں کو نفع پہنچا سکتی ہیں' تو آپ نے فرمایا یہ شاخیں ان کے عذاب میں تخفیف کرتی ہیں۔ جب تک یہ تر رہیں۔

علامہ فاضل اسکی تشریح فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں' کہ جب تک یہ شاخیں تر رہینگی تو یہ تسبیح پڑھتے رہینگی اور اس کی برکت سے اس کے عذاب میں تخفیف ہو گی اگرچہ کہ وان من شیء الا یسبح بحمدہ' سے ہر چیز کا تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ مگر تر چیزوں میں یہ خاصیت زیادہ رہتی ہے کیونکہ ان میں زندگی پائی جاتی ہے۔

اور علامہ فاضل آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ اسی پر قیاس کیا گیا ہے کہ مزارات پر پھول چڑھانا وغیرہ اس کے قبیل سے ہے۔

واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

فضائل اولیاء اللہ

از
محمد اکرم کتہ کوٹ
متعلم
دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان قطب ویلور

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

انبیائے کرام نے جس طرح حق کی تبلیغ کی اور کفر و شرک سے مسدود فرماکر سرکشوں اور سنگدلوں کو راہ راست پر لاکھڑا کیا۔ جو بادشاہ اور جو لوگ کفر و شرک کی تاریکیوں میں مبتلا تھے ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاکھڑا کیا۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آجائے اور وہ عبادت اور ریاضت میں اسطرح منہمک ہوتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو فنا فی اللہ کر دیتے ہیں اور مولیٰ تعالیٰ بھی انہیں متقی، مومن مقرب، اہل الذکر اور عباد الرحمٰن کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ انہیں لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون بے شک اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی غم ہے اور نہ کسی طرح کا خوف ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان لوگوں کو نہ کوئی غم ہے اور نہ کسی طرح کا خوف اور کسی سے ڈرتے نہیں، چاہے وہ بادشاہ ہو یا امیر، اور وہ دنیا کی تمام چیزوں سے بے پرواہ ہوتے ہیں۔ کیوں، اس لئے کہ وہ اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔

اب بتائیے کہ اللہ کے دوستوں کو سوائے مولا تعالیٰ کے کسی کا خوف کیسے ہوگا؟ لوگوں کا کہنا ہے کہ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کے مزارات پر دعا مانگنا بدعت ہے اور ان سے کوئی درخواست کرنا بدعت ہے۔

ہاں! ہم مانتے ہیں کہ سوائے مولا تعالیٰ کے کسی اور سے مانگنا نہیں چاہئے۔ ہم ان سے نہیں مانگتے۔ صرف درخواست پیش کرتے ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ ہم گنہگار ہیں۔ ہماری دعائیں دیر پذیر ہیں۔ لہٰذا ان سے وسیلہ طلب کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں خود ارشاد ہوا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ یہ حضرات اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ ایک توجہ و نگاہ کرم سے بآسانی بے خوف و خطر اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے راستہ بن جاتا ہے تو ان اولیاء اللہ والوں میں سے ایک ولی جنہیں تمام ولیوں کے سردار مانے جاتے ہیں جن کا نام حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہے ان کے حالات و کرامات، اور ان کے حصول علم کے واقعات، جو راستہ میں ڈاکوؤں کے قافلہ سے آپ کو سابقہ پڑ جاتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

ایکدفعہ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ ایک جگہ دجلہ کے قریب قیام کیا اور خادم سے فرمایا کہ جاکر تحقیق کرو کہ سب سے زیادہ شکستہ حال اور غریب شخص کون ہے۔ جب معلوم ہوا تو آپ اس شخص کے مکان پر پہنچے، دیکھا کہ ایک ٹوٹا مکان ہے اور اس مکان میں ایک گدڑی کے سوا

کچھ بھی نہیں ہے۔ اندر ایک بوڑھا، بڑھیا اور لڑکی بیٹھی ہوئی ہے۔ آپ نے ان کی اجازت سے اس جگہ قیام فرمایا۔

حضرت کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ آپ کی تشریف آوری اور قیام کی خبر چھپی رہتی۔ قصبہ کے تمام امراء و رؤسا سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے بہ منت استدعا کی کہ یہاں آپ کو بہت تکلیف ہوگی، ہمارے یہاں قیام فرمایئں۔ مگر آپ نے کسی کی درخواست قبول نہیں کی۔ بالآخر قصبہ کے تمام امراء و رؤسا و مشائخ نے وہیں آپ کو نذرانے پیش کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں بکریوں، اونٹوں اور گھوڑوں، کپڑوں اور سونے چاندی کے انبار لگ گئے۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس قدر ساز و سامان جمع ہو گیا ہے جو اس گھر والوں کے لئے مدت العمر کافی ہوگا تو آپ نے وہاں سے منتقل ہونے کی رضامندی ظاہر کی اور ساری دولت آپ نے اس غریب شخص کے حوالہ کر دی۔ اس طرح ایک ہی رات میں غریب سے غریب شخص کو سب سے زیادہ مالدار بنا کر وہاں سے تشریف لے گئے۔

ولی وہ ہے، جو مال و متاع آنے کی خوشی اور نہ جانے سے غم۔ حضرات! آج ہمیں ایک روپیہ مل جائے تو خوش، اگر وہی ایک روپیہ چلا جائے تو بسا اوقات دل پر کدورت آجاتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت حضرت غوث الاعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور فریاد کی کہ میرا لڑکا دریا میں غرق ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا روتی کیوں ہو، جا اور اپنے گھر میں دیکھ۔ جب وہ بوڑھی عورت اپنے گھر جاتی ہے تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا بیٹا خوش و خرم بیٹھا ہوا ہے۔

ایک روز حضرت عبدالقادر جیلانیؒ لوگوں کی نظر سے غائب ہو گئے، اور اس قدر مفقود الخبر ہوئے کہ تلاش و جستجو میں کہیں نہیں ملے، تو اسی اثنا میں ایک شخص آ کر خبر دیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے آپ کو دریائے دجلہ کی جانب سے گزرتے ہوئے دیکھا۔

بیتابانہ لوگ یہ سنتے ہی دریائے دجلہ کی جانب دوڑ پڑے، جب ان لوگوں نے دیکھا کہ واقعی آپ وہاں پر موجود ہیں اور پانی کی لہروں پر اس طرح چل رہے ہیں جیسے کوئی شخص بے تکلفی کے ساتھ زمین پر چلتا ہے، اور دریا کی مچھلیاں ہجوم کر کر کے آ رہے ہیں اور آپ کے قدم چوم کر جا رہے ہیں۔

جو لوگ دریا کے کنارے کھڑے ہوئے تھے آپ کی اس کرامت کا مشاہدہ کر رہے تھے تو اسی اثنا میں انہوں نے اور ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک جانماز آسمان سے اتر آئی اور خود بخود سطح آب پر بچھ گئی۔ نماز ظہر کا وقت تھا، دو لمحوں میں وہ جانماز سطح آب سے کچھ بلندی پر ہوا میں معلق ہو گئی۔ جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو اس کا رنگ سبز تھا اور اس پر بحروف جلی دو سطور میں لکھا ہوا تھا۔

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

آپ کا انتقال ۹۱ سال کی عمر میں بروز دوشنبہ ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۵۶۱ھ میں ہوا۔ وصال سے پہلے آپ نے اپنے گھر والوں کو بتلا

دیا تھا کہ انتقال کا وقت ہے ، چند روز کے بعد آپ بیمار ہو گئے جس کا سلسلہ دو ماہ تک جاری رہا۔ آخر روز ملک الموت نے انسانی صورت میں حاضر ہو کر آپ کے ہاتھ میں ایک تحریر دی۔ جس میں یہ لکھا ہوا تھا ، سبل ھٰذ المکتوب من المحبّ الی المحبوب کلّ نفسٍ ذائقۃ الموت یعنی یہ مکتوب محب کی جانب سے محبوب کو بھیجے ، ہر نفس کے لئے موت کا مزا چکھنا ہے۔ آپ اس کو ملاحظہ فرما کر مسکرائے اور غسل کیا اور نماز پڑھی ، دعا مانگی اور سجدہ کیا ، سر سے جو اٹھایا تو غیب سے آواز آئی :-

یاأیتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنّتی اے آرام پائے ہوئے نفس پروردگار کی طرف سے راضی ہو کر لوٹ آ میرے بندوں میں ، داخل ہو جا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی جان ، جان آفریں کے سپرد کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ اپنے قصر میں آرام فرما رہے تھے چھت پر کھٹ پٹ کی آواز سنائی دی۔ تو انہوں نے نیند سے بیدار ہو کر اپنے دل میں کہا ، میں بادشاہِ وقت ہوں اور یہ کسکی مجال ہو سکتی ہے کہ بے دھڑک کھٹ پٹ کر کے چل رہا ہے۔ شاید وہ انسان نہیں ہے بلکہ جن ہے حقیقت میں وہ ایک فرشتہ تھا اور اوپر سے جواب ملا کہ ہمارا اونٹ گم ہو گیا ہے ، اس لئے تلاش کر رہا ہوں۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے جواب میں کہا کہ اونٹ کو چھت پر تلاش کرنا ، بے جوڑ سی بات ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم کو جواب ملا کہ بادشاہی اور سلطنت میں رہ کر خدائے تعالیٰ سے ملاقات کرنا بھی بے جوڑ سی بات ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ یہ جواب سن کر پشیماں ہو گئے اور بعد اس کے اطاعت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کا ایک شہزادہ جو کہ آپ کی بے حد تلاشی کی ، یہاں تک کہ آپ کو دریا کے کنارے بیٹھے اپنی گودڑی سیتے ہوئے پایا۔ بعد ازاں آپ کے پاس گیا۔ سلام و کلام کے بعد شاہزادہ نے کہا آپ سات ملکوں کی سلطنت ترک کر کے یہ پرانی گدڑی سیتے ہوئے بیٹھے ہیں۔

آپ شاہزادہ کے سوال کو سن کر سکوت اختیار کی اور جواب نہ دیا۔ شاہزادہ غضب میں آکر سوئی جو آپ کے دست مبارک میں تھی اسکو چھین کر دریا میں پھینک دیا۔ اور کہا یا تو آپ گھر چل کر سلطنت سنبھالئے یا اس سوئی کو دریا سے نکال کر دکھائیے۔ آپ نے شاہزادہ کی زبان سے یہ الفاظ سنا تو جواب میں کہا کہ وہ سوئی دریا سے کیسے آسکتی ہے۔ شہزادہ کسی طرح سے بھی واپس جانے تیار نہ ہوا۔ تو آپ نے دریا کی مچھلیوں کو حکم دیا کہ سوئی حاضر کرے تو ہر ایک مچھلی منہ میں سونے کی سوئی پکڑی ہوی نمودار ہوی شہزادہ نے کہا میں اس سوئی کو دیکھنا چاہتا ہوں جس کو کہ میں نے دریا میں پھینک دی ہے۔

اثنائے گفتگو میں ایک بڑی مچھلی منہ میں سوئی لئے ہوئے نمودار ہوی اور کہی اے گنہگار شخص ، میں اس سوئی کو حضرت خضر علیہ السلام کو بطور تحفہ دینے کے لئے لے جا رہی تھی ، حضرت کا حکم ہونے سے آئی ہوں۔ شہزادہ یہ منظر دیکھ کر بیحد متعجب و حیران رہ گیا اور کہا کہ آپ مجھے اجازت دیجیئے تاکہ میں آپ کی خدمت میں رہوں۔

اسی طرح ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ جنگل و

بیابان میں تشریف لے جا رہے تھے، اثناءِ راہ میں آپ کو ایک کنواں درپیش ہوا تو آپ اس کے قریب تشریف لے گئے۔ وہاں پر رسی اور ڈول دونو موجود تھے۔ آپ نے ڈول کو کنویں میں چھوڑا تو سونے سے بھرا ہوا برآمد ہوا۔ جب دوسری مرتبہ چھوڑا تو چاندی سے بھرا ہوا برآمد ہوا۔ جب تیسری مرتبہ چھوڑا تو ہیرے جواہرات سے لبریز برآمد ہوا۔ آپ اس منظرِ عجیب کو ملاحظہ فرما کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھے اس بات کی اطلاع ہو چکی ہے کہ میں مال سے نفرت کرتا ہوں۔ اس کے باوجود اس سے کیوں سابقہ دلواتا ہے۔ اس لئے غسل کرنے کے لئے مجھے پانی عطا فرما تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرما کر پانی عطا کیا اور آپ غسل سے فارغ ہوئے۔

حضرت ابوحنیفہ رح شرح اور ملّت کے چراغ، دین اور دولت کی شمع، وہ عمانی وجواہر معانی، سچ تو یہ ہے کہ جن کی تعریف ہر زبان میں ہو رہی ہے آپ اس درجہ کو پہنچے ہوئے تھے کہ اسکی انتہا خدا ہی خوب جانتا ہے۔

حضرت امام شافعی رح وہ شریعت وطریقت کے سلطان، وہ محبت وحقیقت کے برہان حضرت شافعی رح ایسے جلیل القدر شخص تھے کہ آپکی تعریف بیان سے باہر ہے کیونکہ سارا جہان آپ کی شرح صدر سے پُرنور ہے۔ ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ سلطان روم ہارون رشید کو ہر سال مال بھیجا کرتا تھا۔ اس نے ایک سال چند رہبانیوں کو بھیجا اور کہلا بھیجا کہ ان سے علمائے کرام مباحثہ فرمائیں۔ اگر تمہارے علماء مباحثہ میں غالب آجائیں تو مال ہر سال ارسال کرنا جاری رکھا جائیگا ورنہ نہیں۔ الغرض چارسو رہبانی آئے اور خلیفہ کے حکم سے منادی کرادی گئی یعنے عوام کو اطلاع دے دی گئی اور سارا عالم بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے حاضر ہوا۔ بعد ازاں خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام شافعی کو طلب کیا اور درخواست پیش کی، کہ ان لوگوں کا جواب آپ دیں۔ حضرت امام شافعی نے یہ سنکر اپنا مصلے کندھے سے نکال کر سطح آب پر بچھا دیا اور خود اُسپر جا بیٹھے اور کہے کہ جو شخص بحث کرنے کا عزم کرتا ہو یہاں پر حاضر ہو کر مباحثہ کرے۔ راہبوں نے یہ منظر عجیب دیکھ کر سب کے سب اسلام قبول کئے۔

قیصر روم کو یہ خبر پہنچی کہ سب کے سب مسلمان ہو گئے ہیں اور سب حضرت شافعی رح کے ہاتھ پر بیعت کئے ہیں تو قیصر روم نے یہ سن کر کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ شخص یہاں نہیں آیا ورنہ سچ کہتا ہوں سارا روم مسلمان ہو جاتا۔ کوئی بھی زنّار دار نہ رہتا۔

حضرت معروف کرخی رح وہ صدر طریقت وہ راہ حقیقت کے رہنما گذرے ہیں کہ ان کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ شیعہ نے الکتیس ۳۱ روز تک حضرت امام علی موسیٰ رضا کے در پہ آپکی مزاحمت کی اور پہلو حضرت معروف کرخی کا توڑ ڈالا۔ آپ بیمار پڑے حضرت سری سقطی رح نے ارشاد فرمایا کہ آپ مجھے وصیت کیجیئے، تو آپ نے ارشاد فرمایا جب میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جاؤں تو اس وقت میرا لباس خیرات کر ڈالو۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ اس دنیائے فانی سے خالی ہاتھ جاؤں جیسے کہ

ماں کے پیٹ سے آیا ہوا ہے اسی طرح لوٹنا چاہتا ہوں۔ غرضیکہ
حسب منشاء آپ نے دار فانی کو خیر باد کیا انا للہ وانا الیہ راجعون
ہر دین کے لوگ آپ پر دعویٰ کرنے لگے۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم
آپ کا جنازہ اٹھائیں گے۔ ترسا کہتے تھے کہ ہم۔ مسلمان کہتے
تھے کہ ہم۔ آپ کے خادم نے کہا' آپ کی وصیت ہے کہ جو قوم
کہ میرے جنازے کو زمین سے اٹھائے وہی میری تجہیز و تکفین
کرے' اور میں اسی قوم سے ہوں۔ چنانچہ پہلے یہودیوں نے
اٹھایا' وہ اٹھا نہ سکے۔ دوسری مرتبہ ترسہ نے اٹھایا۔ اٹھا
نہ سکے۔ اور پھر اہل اسلام آئے۔ آپ کے جنازہ کو زمین سے
اٹھایا اور وہیں مدفون کیا گیا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ وہ اہل معرفت کے پیشوا۔
توحید و معرفت الٰہی کے سلطان ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ
پہاڑوں کی چوٹیوں کی سیر کر رہا تھا' ایک پہاڑ پر میں نے دیکھا
کہ بہت سے بے شمار اشخاص جمع ہوئے ہیں اور آپ نے ان لوگوں سے
دریافت کیا' کہ کیا بات ہے اتنے لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں۔
لوگوں نے کہا کہ یہاں عبادت خانہ میں ایک عابد و متقی
شخص رہتا ہے' وہ ہر سال ایک مرتبہ باہر آتا ہے اور جو بیمار کہ
یہاں موجود رہتے ہیں اُن پہ دَم کرتا ہے تو وہ سب اچھے
ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ عبادت خانہ کو لوٹ جاتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ ارشاد فرماتے ہیں۔ دوسرے
سال تک ان کے انتظار میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ وہ بزرگ
باہر تشریف لائے۔ وہ انتہائی پیری کو پہنچے ہوئے تھے۔
اور ان کی آنکھ اندر جا چکی تھیں لیکن آپ کی شوکت سے
سارا پہاڑ لرز اٹھا۔ پھر انہوں نے نظر کرم سے بیماروں
کی جانب دیکھا اور بیمار اشخاص پہ دَم کیا تو خدا کی قدرت
سے سب کے سب تندرست ہو گئے۔

انہوں نے عبادت خانہ میں واپس داخل ہونے کا
عزم کیا تھا کہ میں نے ان کا دامن تھام لیا اور کہا کہ آپ
ظاہری بیماریوں کو درست کرتے ہیں برائے خدا میری باطنی
بیماری کو درست کیجئے۔ انہوں نے میری طرف نگہ کی' اور
کہا اے ذوالنون میرا دامن چھوڑ دے۔ دوست اپنی بلندی
اور جلال کا ملاحظہ فرما رہا ہے' جبکہ تجھکو دیکھے گا۔ تو اس
کے سوا دوسرے کا دامن پکڑتا ہے تجھکو اس کے حوالہ کر دیگا۔
یہ کہکر عابد شخص عبادت خانہ میں داخل ہو چکے۔

از
سید محمد انوار اللہ لطیفی تورگلی
سکریٹری انجمن
دائرۃ المعارف دار العلوم لطیفیہ بمکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ

جنوبی ہند میں ایک مایۂ ناز خاندان **اقطاب** ویلور کا رہا ہے۔ اس خاندان سعادت نشان کو جس قدر سرعت کے ساتھ نمایاں فروغ حاصل ہوا اور پھلا پھولا تاریخ کا ایک زرین باب ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اقطاب ویلور کا ہر فرد ولبشر صاحب ولایت اور مرتبۂ قطبیت پر فائز رہا ہے۔ یہ اللہ پاک کا کرم و احسانِ عظیم ہے کہ اقطاب ویلور میں انوار و برکات کا لامتناہی سلسلہ صدیوں بدستور چلا آرہا ہے۔ اور بزرگان دین کا سب سے نمایاں کارنامہ یہ رہا ہے کہ وہ کفر و شرک و بدعت کی بیخ کنی کرتے رہے اور ہزاروں بھٹکے ہوئے گمراہوں کو مشرف بہ اسلام کیا و بیعت عظمیٰ سے نوازا اور یہ دَور دورہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ یہ بیخ کنی سرزمین ویلور ہی میں نہیں، بلکہ اقطاب کرام نے تجدید و اقامتِ دین کا جو ڈھانچہ تیار فرمایا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جو نہج اختیار کیا اور جس حسن و خوبی کے ساتھ ان مہمات کو کامیابی کی منزل پر پہنچایا وہ جنوب ہند کی اسلامی تاریخ کا ایک روشن کارنامہ ہے۔

اب سے دو صدی پہلے زبدۃ العارفین مقدوۃ السالکین وارث الانبیاء والمرسلین مجدد الملۃ والدین علامہ مرشدنا حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری محوی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلۂ اقطاب ویلور کی ایک کڑی ہیں آپ کے کچھ حالات و واقعات سے اس حقیقت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ولادت باسعادت و تربیت آپکی ولادت باسعادت ۲۷ شعبان المعظم سنہ ۱۱۸۶ھ بمقام حضرت مکان ویلور دار السرور دوشنبہ کے دن بوقت عصر ہوئی۔ چنانچہ ضمیمہ جواہر السلوک میں ہے کہ "ولادت وے در ویلور بہ مکان والد ماجد خود، عصر دوشنبہ ۲۷ شعبان المعظم سنہ ۱۱۸۶ھ است۔"

آپ بلند قامت سبز رنگ کشادہ سینہ چوڑی پیشانی، دوہرا بدن، پُر وقار شخص تھے اور بہت ہی خلیق و کریم النفس بزرگ تھے آپکے ایثار و قربانی کا وہی عالم تھا جو عارفِ کامل حضرت قربی و سالک واصل حضرت **ذوقی** رضی اللہ عنہما کا تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں آپکے والد بزرگوار غوثِ وقت حضرت **ذوقی** قدس سرہ دنیائے فانی کو خیرباد کہتے ہوئے واصل الی اللہ ہو گئے۔

اس وقت آپ کی تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری آپ کی والدۂ ماجدہ کے سر پڑی۔ آپ کی والدہ نے ہونہار فرزند کو تعلیم و تربیت کے لئے مدراس کے جلیل القدر علماء کے سپرد کر دیا۔ وہاں آپ نے بیس سال کی عمر تک علوم دینیہ کی مکمل تحصیل کی، اور اپنے اساتذہ کی نظر میں ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا۔

حضرت محویؔ کا شمار فارسی کے ان بلند پایہ شعراء و مصنفین میں ہوتا ہے جو اپنے دور کے یکتا و یگانہ تھے، چنانچہ کتب تراجمۂ اصول میں لکھا ہے :-

"در مضمون آفرینی و تراکیب نگاری و محاورہ بندی ید طولیٰ داشت، صاحب تصنیفات کثیرہ بود۔"

آپ کی فارسی نثر کی طرز تحریر یہ کتاب چار مقالد کی نثر کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ادق سے ادق مسئلہ کو نہایت ہی سلجھی ہوئی عبارت میں اس طرح بیان کر جاتے ہیں کہ مسئلہ بآسانی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

آپ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد جب مدراس سے وطن مالوف واپس آئے تو علوم سلوک و تصوّف کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے۔ اور اپنے والد ماجد حضرت ذوقیؔ رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُر فتوح سے اکتساب فیض کرتے رہے۔

بزرگان دین کی توجہات اور فیوضات روحانی کی وجہ سے علم تصوّف و معرفت میں آپ کا پایہ اتنا بلند ہو گیا کہ آپ اپنے آبا و اجداد کے تمام علوم و کمالات میں سچے اور سچے جانشین سمجھے جانے لگے۔

محویت و کشف و کرامت مکتوبات لطیفی میں حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ اپنے ایک مکتوب میں باطنی طور پر فیض حاصل کرنے کی بحث کرتے ہوئے اس طرح رقمطراز ہیں کہ "ابی و شیخی حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری نیز اویسی بودند از روح پُر فتوح حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، اخذ کردہ اند و لیل از بیداری جامہ و بدن خود را اثر غسل خواب تر بتر یافتہ اند"

آپ نے ایکمرتبہ خواب میں دیکھا کہ حوض کوثر کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں، اتنے میں سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ، تشریف لائے اور آپ کو اس میں غوطہ دیا۔ جب نیند سے بیدار ہوئے تو سارا لباس تر بتر تھا۔ اور ٹھنڈک کی وجہ سے جسم لرزاں تھا۔

اسی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے مصنف مطلع النور نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ اہل علم و بصیرت کے لئے کوئی تعجب خیز و حیران کن نہیں ہے۔ چونکہ یہ عالم مثال کی ایک حالت ہے جو اللہ پاک کے مخصوص بندوں پر اس کے برگزیدہ رسول حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے طاری ہوتی ہے۔ اور رویائے صادقہ کی تصدیق حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

چنانچہ عالم مثال میں یہی کیفیت آپ پر طاری ہوئی اسی طرح کئی واقعات حضرات اولیاء اللہ کے تاریخ میں موجود ہیں۔ لہٰذا شکوک و اعتراض کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ولی اللہ سے بغض و عناد رکھتا ہے اس کا دل فاسد ہو جاتا ہے اور عقیدہ بگڑ

اور وہ بُری موت مرتا ہے، لہٰذا۔ الحذر اے اہلِ ایمان الحذر۔

آپ پر بسا اوقات جذب کی کیفیت طاری رہتی جس کو جواہر السلوک کے صفحہ ۲۶۵ میں حضرت قطب ویلور رحمۃ اللہ علیہ نے یوں تحریر فرمایا ہے۔

"در حقائق و سلوک تبحر تمام داشت و در مشہور ہزار و دو صد و شصت اورا جذبہ رسید و حالاتِ عجیبہ از وے ہویدا گردید۔"

و نیز آپ کے حالات مختلف کتب میں مذکور ہیں کہ آپ پر اپنے عمر شریف میں ایکہزار دو سو چھ مرتبہ طاری ہوا۔ اور لکھا ہے ہے آپ کی محویت و استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ آپ دنیا و مافیہا سے بےخبر ہو جاتے اور قطعی ہوش نہ رہتا۔

ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ نماز عشا کے لئے مسجد تشریف لے گئے، مصلیوں کی یہ دلی آرزو تھی، کہ آپ کی اقتدا کی جائے، مگر کسی کو ہمت و جرأت نہ ہوی کہ لب کشائی کرسکے۔ ایک مقتدی نے اسکی ہمت کی اور مؤدبانہ عرض کیا کہ حضرت آپ امامت فرمائیں اس شخص کا درخواست کرنا ہی تھا کہ تمام مصلیوں نے یکے بعد دیگرے خدمت عالی میں اسی تمنا کا اظہار کیا۔

آپکے منع کرنے کے باوجود جب لوگوں کا اصرار بڑھتا گیا تو مجبوراً آپنے امامت شروع کی اور جب ایاك نعبد و ایاك نستعین پر پہنچے تو آپ پر محویت طاری ہوگئی اور آپ برابر اسی ایک آیت کی تکرار کرتے رہے، یہاں تک کہ کافی تاخیر ہوگئی۔ مجبوراً مقتدیوں نے نماز توڑ کر فرداً فرداً نماز ادا کی اور آپ اسی ایک آیت کی تکرار میں اسی طرح مشغول رہے کہ فجر طلوع ہوگئی اور جب مؤذن نے الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ دہرائے، تب آپکو ہوش آیا۔ بعدازاں آپنے نماز صبح ادا کی۔ ایسے بہت سے آپ کے استغراق و محویت کے واقعات ہیں۔

آپکے اوصاف و خدمتِ دین

آپ اپنے آبا و اجداد کے دستور العمل پر پوری طرح گامزن رہے۔ آپ کا دسترخوان عام و خاص کے لئے یکساں وسیع تھا۔ آپکے در سے کوئی فرد بشر محروم نہ جاتا۔ اور جس حاجت و مقصد سے آپکے در پر آتا بامراد و شاد کام ہو کر واپس ہوتا۔ کبھی آپنے کسی کی دل آزاری گوارا نہیں فرمائی۔ اور آپ کی ہر وقت یہی خواہش رہتی تھی کہ مخلوق خدا اس در سے شاد ہو کر جائے۔

آپ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح امراء و رؤسا و سلاطین سے تمام عمر بے نیاز رہے۔ ان امراء و سلاطین کی انتہائی سعی و کوشش اور آرزو رہی کہ اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں۔ لیکن آپ ہمیشہ اس سے گریز کرتے رہے، اور کبھی کسی رئیس و نواب کے مکان پر تشریف نہیں لے گئے۔

ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آپکی خدمت میں کثیر رقم بطور نذرانہ پیش کی اور میسور آنے کی دعوت دی۔ رقم کو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کرتے ہوئے قاصد سے کہا کہ سلطان سے کہدینا کہ سلطنتِ خداداد کو چھ ماہ بعد زوال آنے والا ہے۔ لہٰذا فقیر آنے سے مجبور رہے۔ اس لئے کہ خلقِ خدا کہیگی کہ ابو الحسن ثانی آنے سے سلطنت خداداد کو زوال آیا۔ اس پیغام کو لیکر قاصد واپس ہوا۔ جب حضرت ٹیپو سلطان شہید نے اس پیغام کو پڑھا تو مضطرب و بےقرار ہوگئے، پھر آپنے ایک وزیر کے ذریعہ دوبارہ درخواست

بھیجی کہ اب اس حال میں کیا کیا جائے۔

حضرت محوی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ انگریزوں سے صلح کرلی جائے وزیر نے ٹیپو سلطانؒ سے کہا کہ حضرت کا مشورہ یہ ہے کہ انگریزوں سے صلح کرلی جائے۔ حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ نے صلح پر جنگ کو ترجیح دی اور حکومت کو زوال آگیا۔ یہ آپ کی کھلی ہوئی کرامت ہے کہ آپ نے چھ ماہ قبل پیش آنے والے حالات سے آگاہ فرما دیا۔

صاحب جواہر السلوک اپنے آبائی نسب نامہ کے ضمن میں حضرت محوی قدس سرہٗ العزیز کے اخلاق و عادات وغیرہ کے لئے رقمطراز ہے۔

جود و سخا

"بر در اُمراء ہمی رفت مرجع عالم وحاتم وقت بود۔ ہمت صد اسپ کہ قیمتش کم از پنجاہ روپیہ و زائد از ہزار نبود و زیادہ از ایک لک نقد سائلان داد و در ۱۳۳۵ھ در ویلور دار السرور مسجد عالیشان تعمیر نمود و شہرۂ آفاق بود و در آخر عمر در جماعت ملامتیہ مجذوب مسلک شد بمصداق الملامتیؒ ھو الذی لا یظہر خیراً و لا یضمر شراً۔"

آپ کے جود و سخا کا یہ عالم کہ شہر کے بڑے بڑے رؤساء و اُمراء حیران تھے کہ فی سبیل اللہ اتنی دولت کہاں سے آپ صرف کرتے ہیں جبکہ ظاہری ساز و سامان کا کوئی نشان تک نہیں ہے۔ پھر بھی ہر فقیر و مسکین کی دست گیری ہو رہی ہے۔

لیکن یہ حیرانی کی کوئی بات نہیں کیونکہ اللہ والوں سے اس قسم کے محیر العقول کارنامے ہوتے ہی رہتے ہیں بمصداق من کان للہ کان اللہ لہ۔ لہٰذا خداوند قدوس کا خزانہ اللہ کا رسولی خزانہ ہے۔ اللہ دیتا تھا آپ تقسیم فرماتے تھے وہی

اللہ والوں کی شان ہوتی ہے جو خلقِ خدا کی بے لوث خدمت کرتے ہیں۔

تعمیر مسجد آپ نے ۱۳۳۵ھ میں زرِ کثیر صرف فرما کر دار العلوم لطیفیہ کے بائیں جانب اور گنبدِ اقطاب کے مقابل مغربی حصے میں ایک عالی شان مسجد تعمیر فرمائی۔

عبادت و مطالعہ آپ کے فرزند نور العین حاجی الحرمین حضرت سید شاہ عبد اللطیف قادری المعروف بہ قطب ویلورؒ اپنی تصنیف کردہ جواہر السلوک صفحہ ۲۶۵ میں لکھتے ہیں:

"وسالہا پس از تہجد تفاسیر را خصوصاً جلالین و تفسیر حقانی را تا طلوع فجر در مطالعہ می داشت۔"

آپ کے معمولات و عادات میں سے یہ بات زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ مسلسل کئی سال تک تہجد کے بعد تفسیر جلالین و تفسیر حقانی کا بالالتزام مطالعہ کرتے رہے۔

اور اپنی ساری زندگی مخلوقِ خدا کی خدمت میں گذار دی، اور آپ نے اپنی سعی و کوشش سے بے شمار بندگانِ خدا کو راہِ راست پر لگایا۔ اسلام کے صحیح اصول و عقائد سے ان کے دل و دماغ کو منور کیا، اور شرک و بدعت سے نجات دلائی اور لاتعداد انسانوں کو بیعتِ عظمیٰ سے مشرف فرمایا۔

درس و تدریس علمی شغل کا بھی یہ حال تھا کہ سالہا سال تک علمی خدمات آپ خود انجام دیتے رہے اور تشنگانِ علوم و طالبینِ تصوف و معرفت کو فیوضات پہنچاتے رہے۔

موجودہ بزرگانِ دین موجودہ بزرگانِ حضرت مکان اپنے آبا و اجداد ہی کے نقشِ قدم

پر عمل پیرا ہیں جس سے آج ایک عالم کو فیض پہنچ رہا ہے۔ یہ جنوبی ہند کا ایک روشن آفتاب ہے جسکی کرنیں عالم کے چپہ چپہ پر پڑ رہی ہیں۔ اور انشاء اللہ یہ فیض جاوید تا قیام قیامت جاری و ساری رہے گا۔

تصنیفات آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں۔ بعض کتب ملاحظہ فرمایئے جو تصوف سے متعلق ہیں :-

رسالہ ذکر وجود مراتب وجودیہ۔ رسالۂ ذکر ذاکر جس میں مراتب ذکر کی تشریح فرمائی گئی ہے۔

رسالہ التفصیل المراتب فی اطوار المراتب۔ مراتب سلوک کے مختلف احوال و کیفیات کا ذکر ہے۔ جو حسب ذیل ہیں :-

پہلا اطوار اسم اللہ (باطن) دوسرا طور اسم اللہ (ظاہر)

پھر اس کے چار مراتب کئے ہیں :-

پہلا فنا فی الفعل (توحید افعالی)

دوسرا فنا فی الصفات (توحید صفاتی)

تیسرا فنا فی الذات (توحید ذاتی)

چوتھا فنائے مطلق (توحید مطلق)

رسالۂ عالم ارواح اس میں آپ نے عالم ارواح کی تشریح فرمائی ہے۔ رسالہ اسماء ربوبیت الٰہی مصنف نے اسماء الٰہی پر تفصیلاً بحث کی ہے۔

رسالۂ عالم مثال اس رسالہ میں آپ نے عالم ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت، و دیگر مقامات کی تشریح کرتے ہوئے طریقہ سلوک پر جامع بحث کی ہے۔

رسالۂ شرح حقیقت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنف نے حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے خاص تصوفانہ انداز میں محقق و مدلل بحث کی ہے۔

رسالۂ بیعت حاضر و غائب بیعت حاضر و غائب یعنی مرشد سے دور رہ کر کیسا اور کس طرح بیعت حاصل کی جا سکتی ہے اور کس طرح داخل سلسلہ ہو سکتے ہیں۔ نیز مرشد کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔

یہ رسالہ قابل دید و انمول ہے اور مع ترجمہ کے یہ رسالہ منظر عام پر آ چکا ہے۔

شائقین علوم و اہل علم حضرات کے لئے زرین موقعہ ہے کہ طلب فرما کر مستفید ہوں۔

شائع کردہ: **دار التصنیف و الاشاعۃ**

دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

VELLORE. (N.A. DST.)

وفات جمادی الآخر کی چھبیس تاریخ ۱۲۴۳ھ میں دوشنبہ کے دن ساٹھ سال کی عمر میں دار فانی کو خیر باد کہتے ہوئے اپنے معبود حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون

اور اپنے خاندانی بزرگوں کے مقبرہ میں مدفون ہوئے دلوار گنبد پر حسب ذیل تاریخ کندہ ہے۔

شد طاق رخصت روان ابو الحسن
پیئے سیر در روضۂ جاودان
در آمد بہ مغرب آفتاب
چوں گویم سنش غائب قطب الزماں
۱۲۴۳ھ

از

جناب مولانا الحاج محمد جلال صاحب

(ایم اے) کڑپوی۔

پروفیسر اسلامیہ کالج وانمباڑی

اے مخزنِ علومِ حقیقی لطیفیہ!

اے درس گاہِ تربیّ و ذوقی لطیفیہ!

دار العلوم آگہ نامی لطیفیہ
دانش گہِ مشائخ و صوفی لطیفیہ

قطبِ دکن کی کانِ تصوف لطیفیہ
حضرت مکاں کی بزمِ تلطف لطیفیہ

لہرا رہا ہے سارے دکن میں علم ترا
ہے اب وجود سب کے لئے مغتنم لطیفیہ

جاری کئے برس سے ہے بحرِ کرم ترا
ہر ایک جام غیرتِ صد جامِ جم لطیفیہ

سیراب تیرے فیض سے ہی آج یک جہاں

سرشار تیرے بادۂ عرفاں سے ہر جواں

طلبہ کو تیرے ملتی ہے دستارِ فیض آج
تکمیلِ علمِ دین کا ملتا ہے ان کو تاج

برسوں کی محنتوں کا ملیگا انہیں خراج
واللہ کل بنینگے یہی قوم کے سراج

قرآن شمعِ دین ہے، یہ ہیں ضیائے دیں
ملتا ہے اک سفینہ تو یہ ناخدائے دیں

معدن سے تیرے قوم کو جوہر کئی ملے
یعنی علومِ دین کے رہبر کئی ملے

حافظ، خطیب و عالمِ اظفر کئی ملے
صوفی، امام، مولوی اکثر کئی ملے

ملتے ہیں یوں تو عالم تاجر کہیں کہیں،

لیکن حقیقی تاجرِ عالم نہیں کہیں

ملت میں آج تاجرِ عالم کی مانگ ہے — یعنی علومِ دین کے خادم کی مانگ ہے

غربائے قوم کے لئے حاتم کی مانگ ہے — دراختصار مومنِ سالم کی مانگ ہے

اب مانگ ہے تو صاحبِ عرفاں کی مانگ ہے — اب مانگ ہے تو عاملِ قرآں کی مانگ ہے

اے کانِ علم اب تری خدمت کی مانگ ہے — دنیا میں چونکہ رشد وہدایت کی مانگ ہے

دنیا میں پھر سے حق و صداقت کی مانگ ہے — قرآن کی حقیقی امامت کی مانگ ہے

قرآنی چلتے پھرتے نمونوں کی مانگ ہے — حق کو ہمالیہ کی ستونوں کی مانگ ہے

اس دورِ ابتلا میں ہے الحاد ہر طرف — تہذیبِ لاالٰہ عام ہے آباد ہر طرف

لادینیت میں ڈوبے ہیں افراد ہر طرف — انساں ہے حق کو چھوڑ کے برباد ہر طرف

انسانیت کی لاش ہے بے گور و بے کفن

کیا دورِ انقلاب ہے، کیا دورِ پُر فتن

مسلم کو آج غیر کی کثرت سے خوف ہے — رہ رہ کے اس کو اپنی ہی قلت سے خوف ہے

لادینیت نواز سیاست سے خوف ہے — تہذیبِ لاالٰہ گوں کی قیادت سے خوف ہے

اب اپنے ہی نام سے ڈرنے لگا ہے یہ — بے موت آج خوف سے مرنے لگا ہے یہ

دارالعلوم پھر سے ہو مسلم کی رہبری — ڈرپوک ڈگمگائے مسلماں کی رہبری

سیکھوں اسی طریق سے احساسِ برتری — پھر اس پہ کھل ہی جائیں گے اسرارِ سروری

اس کو عطا ہوا انتم الاعلون کا مقام

یعنی جہانِ نو کا بنا دے اسے امام

قرآن اس کے عدلِ سیاست سے ہو عیاں،
قرآن اس کے طرزِ تجارت سے ہو عیاں،

قرآن اس کے ذکر و عبادت سے ہو عیاں | قرآن اس کے خُلق و مروّت سے ہو عیاں

ہر جنبشِ حیات ہو قرآں کی ترجماں،
جب یہ چلے پھرے تو ہو قرآں رواں دواں

قرآں کی روشنی میں حساب و کتاب ہو | قرآں کی روشنی میں سوال و جواب ہو
قرآں کی روشنی میں ہر اک انتخاب ہو | قرآں کی روشنی میں ہر اک انقلاب ہو

قرآں کی روشنی میں سنبھل جائے زندگی
یعنی اُسی کے سانچے میں ڈھل جائے زندگی

اقرأ باسم ربّ پہ ہو تعلیم کی اساس | حکمِ خدا کی قدر ہو قولِ نبی صلعم کا پاس،
ہو آئینہ میں زیست کے قرآں کا انعکاس | دُنیا بھی ساتھ ساتھ ہو عقبیٰ بھی پاس پاس

ہے ارتباط دین و دنیا یہ زندگی،
ہے یہ کلیدِ مخزنِ اسرارِ زندگی،

نجیب نامہ

از افضل العلماء الحاج
محمد یوسف کوکن عمری
ایم۔اے۔ ایم لٹ
صدر شعبۂ عربی، فارسی و اردو۔ مدراس یونیورسٹی

حضرت سید شاہ عبد اللطیف ذوقی ویلوری المتوفی ۱۱۹۴ھ نے فارسی میں حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ کے رنگ میں کئی ایک چھوٹی بڑی مثنویاں لکھی تھیں، جن میں "نجیب نامہ" کو ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔ یہ ایک تاریخی مثنوی ہے۔ اس میں محمد نجیب خاں کے حالات بیان کئے گئے ہیں جو نواب انور الدین خان بہادر، گوپاموی الشہید ۱۱۶۲ھ کے ندیم اور دست راست تھے اور نواب صاحب موصوف کے ساتھ گڈامبور کی جنگ میں شہادت پائی۔ اللّٰھم اغفرہ وارحمہٗ

محمد نجیب خاں شیخ حمید الدین ناگوری کی اولاد سے تھے۔ جو شمس الدین التمش کے زمانہ میں ناگور سے دہلی پہنچے تھے۔ چونکہ وہ سماع کے قایل تھے، اس لئے اہل ظاہر کو ان پر سخت اعتراض تھا۔ چنانچہ عصامی نے فتوح السلاطین میں لکھا ہے :۔

شنیدم کہ در عہدِ آں بادشا
کہ صاحب ولایت بُد و پارسا
زِ ناگور صاحبدلے در رسید
نہ غافل کہ با حاصلی در رسید
حمید الدین آں مرد رابُد لقب
سماعی شنیدے بہ ہر روز و شب
چناں مست گشتی ز دَورِ سُرود
کہ کم آمدے از سرش می فرود
دگر بعد دورے شدے ہوشیار
بہ رفتے پئے دیدنِ شہریار
بہ تعظیم او شاہ برخاستے
نظر از جمالش بیاراستے

قاضی سعد اور قاضی عماد نے بادشاہ پر اعتراض کیا اور کہا،

دریغ است در عہدِ تو بدعتے	بگیرد دریں تختگہ رفعتے
حمیدالدین آں صاحب خانقاہ	کہ آمد ز ناگور در تخت گاہ
شروعی چناں کرد اندر سماع	کہ خلقش کمربست در اتباع
ہمہ شہر پُر فتنہ شد از سرور	بجز شہ کہ ایں فتنہ ساز دفرود
چو خسرو از ایشاں شنید ایں سخن	بگفتا کہ اے مفتیانِ کہن
چہ تدبیر باید دریں کار کرد	کزیں کار باز آید آں پیر مرد

اہل ظاہر علماء نے عام دربار میں شیخ حمید الدین ناگوری کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ مگر اس میں وہ کامیاب نہیں ہوسکے اور جب جواب دینے کا موقع آیا تو صاف کہا کہ سماع اہل قال پہ حرام ہے۔ مگر اہل حال کے لئے جائز ہے ؎ حرام است بر سامع اہلِ قال مباح است بر سامع اہلِ حال

پھر انہوں نے بیان کیا کہ آدمی تو آدمی جانور بھی خوش آوازی پر مست ہوجاتے ہیں، ایک بیدل انسان ہی اس سے متاثر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

چو حیوان وحشی ز آواز تر	بدیں سان کہ گفتم شود بے خبر
ندانم چہ دل دارد آں آدمی	کہ بے بہرہ باشد ز خطے چنیں

خود محمد نجیب نے شیخ کے احوال و معارف کے متعلق ۱۰۳۲ھ میں مناقب حمیدی کے نام سے فارسی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کے کل چوہتر ورق ہیں اور ہر صفحہ پہ نو سطریں ہیں۔ اسکا ایک قلمی نسخہ دیوان صاحب باغ مدراس کے کتب خانہ میں ہے۔

اس میں محمد نجیب نے شیخ تک اپنا سلسلۂ نسب اسطرح بیان کیا ہے :-

محمد نجیب بن شیخ بہادر بن شاہ محمد بن فتح محمد بن شیخ حمید بن ابراہیم بن بوڈھن امان اللہ بن احمد بن ملوک شاہ بن بوڈھن بن برہان الدین بن اسحٰق بن حسن بن حسین بن ضیاء الدین بن حسن بن ضیاء الدین بن شیخ احمد ظہیر الدین المعروف بہ پیر ظہیر بن قاضی حمید الدین ناگوری بن عطاء اللہ المحمود۔

قاضی حمید الدین کا نام شیخ محمد تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اسطرح جاملتا ہے :-

قاضی حمید الدین شیخ محمد بن سلطان عطا بن سلطان محمد بن سلطان احمد بن سلطان محمد بن شیخ یوسف بن شیخ طیب بن شیخ اسماعیل بن طاہر بن یعقوب بن اسحٰق بن اسمٰعیل بن قاسم بن محمد بن محمد بن امیر المومنین ابی بکر الصدیق رضؓ

محمد نجیب خان کی شہادت کے وقت یعنی ۱۱۶۲ھ میں حضرت ذوقیؔ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ انہوں نے نجیب خان کو دیکھا ہے یا ان سے ملاقات کی ہے۔ مگر چونکہ حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ رحمۃ اللہ علیہ کا اس زمانہ میں بہت بڑا شہرہ تھا، اسلئے قیاس یہ کہتا ہے کہ محمد نجیب نے ان سے آرکاٹ یا ویلور میں ضرور ملاقات کی ہو گی۔ اس طرح ممکن ہے کہ حضرت ذوقیؔ نے ان کو دیکھا ہو گا۔ گڈھ آمبور کی جنگ کے واقعات انہوں نے اپنے والد ماجد اور دوسرے اصحاب سے سنے ہوں گے۔ آگے چل کر محمد نجیب کی اولاد اور خاص کر محمد سعید فرزندِ محمد نجیب سے بڑے گہرے روابط ہو گئے تھے اور انہی کی درخواست پر یہ مشہور مثنوی لکھی تھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دراں حالت آں محرمِ رازِ من — بہر پردہ آگاہ از سازِ من
دلم را چو با غم شدہ آشنا — زبہرِ خدا کردہ از غم جدا
پدر سال بدین محمد سعید — چو نامِ خود اندر دو عالم حمید
بصد مہر پیشِ من آمد ز در — بہ بیچارگی شد مرا چارہ گر
چو بنشست یک لحظہ در پیشِ من — تسلّی دہ خاطرِ ریشِ من
بگفت اے نظامِ سخن پروری — نظامی صفت دادہ درِّ دری
کمالت بشاہی برآوردہ سر — چو خاقانی از خسروی نامور
بخواہم کہ از خامۂ مشک بیز — سوادِ سخن را کنی مشک خیز
گزارش گرِ قصۂ ما شوی — دلِ دوست را کارفرما شوی
طلبگارِ حسنِ مقالات شو — گزارش گرِ بعض حالات شو
چناں آور ایں نامہ را در رقم — کہ بر غم کشد خطِ لوحش قلم
چناں بر کشش ایں تاجِ خورشید را — کہ سلمانِ اقبالِ جمشید را
بایجاز گوے آنچہ خوشتر بود — کز اطناب ایجاز خوشتر بود
ز طولِ سخن طبع ناخوش بود — کہ ما قلّ و دلّ دلکش بود
ز تو آرزومندِ ایں گوہرم — چہ باشد کہ افشانیش در برم

حمد و نعت و مناجات و معراج و منقبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی و مدح حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ ویلوری کے بعد سببِ تالیف کا ذکر کیا ہے جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد حضرت قاضی حمید الدین ناگوری کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے انہیں ناگور کا قاضی مقرر کیا تھا اور قضاوت کا یہ عہدہ

برابر حضرت ذوقی کے زمانہ تک ان کے خاندان میں جاری رہا۔ چنانچہ حضرت ذوقی فرماتے ہیں۔

چو در روضۂ خلد شد جائے او | قضا شد مفوض بابنائے او
زمین عطائے رسولِ خدا | نہ شد تاکنون ہم ازیشاں جدا

محمد نجیب قضاوت کا عہدہ اپنے بھائیوں کے حوالے کرکے ناگور سے دہلی روانہ ہوئے۔ محمد شاہ بادشاہ دہلی تک ان کی آمد کی خبر پہنچی تو انہیں بلا بھیجا۔ اور انہیں اپنے ہواخواہوں میں داخل کرلیا۔ پھر ترقی کرتے کرتے نواب انورالدین خان بہادر سے ان کی شناسائی اور پھر دوستی ہوگئی۔ نواب صاحب محمد نجیب کو بیحد چاہتے تھے۔ اس کے باوجود محمد نجیب ان کے درباری آداب کا بڑا لحاظ رکھتے تھے اور ان کو ہمیشہ اپنا مالک ہی کہا کرتے تھے۔ حضرت ذوقی فرماتے ہیں:۔

بخلت چناں ہر دو کامل شدند | کہ یک ذات و یک جان و یک دل شدند
دلی خاں ز نواب خورشید جاہ | ہمی داشت حدِ ادب رانگاہ
ز حد گرچہ او لطف می کرد بیش | نمی خواندش جز خداوندِ خویش
ہمی بود در کارِ او جاں نثار | تکلف نمی جست در ہیچ کار

جب دکن میں فتنہ و فساد برپا ہوا تو محمد شاہ نے نواب آصفجاہ کو حکم دیا کہ دکن پہنچکر فتنہ و فساد کو فرو کرنے کی کوشش کریں۔ آصفجاہ نے درخواست کی کہ نواب انورالدین کو بھی ان کے ساتھ دکن جانے کی ہدایت کی جائے۔ محمد شاہ کا حکم پہنچا تو انورالدین خان نے کہا کہ محمد نجیب کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ حضرت ذوقی لکھتے ہیں:۔

چو نواب مہ یافت زیں گونہ کار | بآصف بگفت اے جہاں را مدار
مرا ایں کار کارے بود صعب تر | دو نیم است از وعالمی راجگر
محمد نجیب ار شود یارِ ما | بآسانی آساں شود کارِ ما
بدیوانی افزودہ شانِ من | بباید کہ سازیش دیوانِ من
چو دیوان من گردد آں یارہ مرد | ز دیوان توانم بر آورد گرد

جب آصفجاہ نے محمد شاہ سے اسکی درخواست کی تو بادشاہ پر محمد نجیب کی جدائی شاق گزری۔ مگر موقع کی نزاکت کا لحاظ کرتے ہوئے مجبوراً اس کی اجازت دی۔

شہ از دوریش گرچہ دل تنگ بود | بہمراہی او اشارت نمود

ادھر محمد نجیب چاہتے تھے کہ وہ شمالی ہند ہی میں رہیں تاکہ اپنے اعزہ و اقربا سے دور نہ ہوں۔ جب انہیں محمد شاہ کا فرمان

ملا تو انہوں نے نواب انورالدین سے درخواست کی کہ کم از کم فتنے کے فرو ہو جانے کے بعد انہیں شمالی ہند واپس آ جانے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ حضرت ذوقی لکھتے ہیں :-

بہ نواب مہ گفت کاے کامیاب	ازیں داوری ہست جانم بتاب
در اطراف ہندوستان بنگہم	تو سوی دکن می بری ہم رہم
عیال من آنجا ہمہ دردمند	من ایں جا بہ ہمراہیت سربلند
وگر اندریں راہ با دار و گیر	ترا باشد از خدمتم ناگزیر
بباید کہ چوں از پس اہتمام	بباید ہمہ کارہا انتظام
بلطف خودم شادمانہ کنی	رہی را رواں سوئے خانہ کنی

بہر حال جب وہ دکن آئے اور فتنہ و فساد ختم ہوا تو محمد نجیب نے شمالی ہند واپس جانے کی کوشش شروع کی۔ مگر اس درمیان میں اچانک آرکاٹ کا سیاسی مطلع غبار آلود ہو گیا۔ نواب دوست علیخان کے فرزند نواب صفدر علی قتل ہو گئے اور ہر جگہ قتل و غارت گری شروع ہو گئی۔

خرابی بہر سوئے برکردہ سر	سرآسودگی بردہ زانجا بدر
نہ فرمودہ آنجا است نہ حاکمے	بمیرد در اندوہ و غم عالمے

نواب آصفجاہ نے ۱۱۵۷ھ میں نواب انورالدین خان کو آرکاٹ کا حاکم بنا کر بھیجا، جہاں انہوں نے بہت جلد امن و امان قائم کر دیا۔ محمد نجیب کی خفتہ آرزو بیدار ہو کر کروٹیں لینے لگی۔ اور انہوں نے نواب انورالدین سے شمالی ہند واپس جانے کی اجازت چاہی۔ نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ انہوں نے دوبارہ اور سہ بارہ کہا، پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ آخر انہوں نے پُر زور الفاظ میں اپنی دیرینہ خواہش ظاہر کی جس کو حضرت ذوقی نے اپنے الفاظ میں اس طرح ظاہر کیا ہے :-

دلم زیں اقامت بتاب آمدہ است	قیامت مرا در حساب آمدہ است
نخواہد دلم کردن ایں جا درنگ	کہ ہجر عیالم ز رخ بردہ رنگ
ز بہر خدا چارۂ من بساز	کہ تا سوی مسکن شوم گرم تاز
ہمہ کار ایں ملک رونق گرفت	جگرگاہ بدخواہ تو شق گرفت
گرفت از تو آسائش آفاق نور	بجز من کز آسائشم ماندہ دور
من اینجا بخدمت سرافراختہ	عیال من آنجا بغم ساختہ

وزایں جا من از دولتت باتواں	عیالِ من آنجا بغم ناتواں
نخواہم جگر زآتشِ ہجر تافت	دریں ماہ آئندہ خواہم شتافت

نواب انورالدین نے جب ان کی یہ پرجوش دلی خواہش سنی تو بھی چپ ہوگئے، کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ محمد نجیب کو الگ کرنا نہیں چاہتے تھے۔ محمد نجیب نے امیر نوائط محمد حسین خان طاہر قلعدار گڈامبور سے سفارش چاہی۔ جب محمد حسین نے نواب صاحب سے اس کا ذکر کیا تو کہا "میں سمجھتا ہوں کہ میری زندگی کے صرف چند دن باقی رہ گئے ہیں۔ جب محمد نجیب نے زندگی بھر میرا ساتھ دیا ہے تو یہ چند دن میرے ساتھ کیوں نہیں رہ جاتے۔ میری وفات کے بعد وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

چو از عمرِ من ماند اندک بہ پیش	چرا سوزدم سینہ از ہجرِ خویش
چو زیں دامگہ رخت بیروں برم	رود ہر کجا خواہد او از برم

جب محمد حسین سے محمد نجیب نے نواب صاحب کی یہ آخری خواہش سنی تو کہا:۔

چنانم نماید کہ نواب و من	گذاریم باہم سرائے محن
چو بودیم باہم زمانِ حیات	بنوشیم باہم ایاغِ وفات

محمد نجیب اپنے گھر لوٹے اور اپنے دونوں فرزندوں محمد سعید اور عبدالرشید یہ واقعہ بیان کیا اور کہا :۔

کہ بے شک بماندیم دور از وطن	بگرداب غربت شدہ ممتحن
بماندیم مہجور از دودمان	ز دورانِ گردون بغم نواماں
چو آید مرا شربتِ مرگ پیش	دہم جانِ خود با خداوندِ خویش
شما بعدِ مرگِ من اے دیدگان	بگیرید راہِ پسند بدگان
ز نوابِ مہ گر کس ایں جا بود	باقبالِ خود ملک پیرا بود
تہ سایۂ لطفِ او جا کنید	در اطرافِ ایں ملک ماوا کنید
وگرنہ بتا زید سوئے وطن	ممانید ایں جا پس از مرگِ من

جب محمد نجیب کو وطن جانے کی اجازت نہیں ملی تو انھوں نے اپنے دونوں لڑکوں محمد سعید اور عبدالرشید کی شادی ویلور ہی کے ایک معزز قادری اور چشتی گھرانے میں کردی۔ صرف چار سال امن واطمینان کے گزرے۔ اور جب سنہ ۱۱۶۱ھ میں نواب آصفجاہ کا انتقال ہوگیا تو دکن کا سیاسی مطلع پھر سے غبار آلود ہوگیا۔ جس کا اثر آرکاٹ پر پڑنا ضروری ہوگیا۔ آصفجاہ

کی جگہ ان کے فرزند نظام الدولہ ناصر جنگ تخت نشین ہوئے۔ نواب آصفجاہ کے نواسے ہدایت محی الدین خان نے ادھونی سے علمِ بغاوت بلند کیا۔ حسین دوست خاں عرف چندا صاحب داماد نواب دوست علیخان نے ہدایت محی الدین خاں کا ساتھ دیا۔ پھر ان دونوں نے مل کر فرانسیسیوں کی امداد و اعانت سے نواب انور الدین خاں سے اپنا کھویا ہوا ملک واپس لینا چاہا۔ شعبان ۱۱۶۲ھ میں گڈامبور کے پہاڑ کے دامن میں ایک زبردست معرکہ پیش آیا۔ محمد حسین خان طاہر قلعدار گڈامبور نے بڑی جوانمردی دکھائی اور خوب دادِ شجاعت دی، مگر آخر میں دشمنوں کے تیروں کا شکار ہوئے۔ نواب انور الدین کو اس کی خبر پہنچی تو کہا :-

بگفتا چو جاں داد آں یارِ من نزیبد بجز جان دہی کارِ من

یہ کہکر نواب صاحب نے بھی اپنا ہاتھی آگے بڑھایا اور بڑی تیز لڑائی شروع کردی۔ آخر وہ بھی تیر کا نشانہ بنے، اور کچھ دیر میں راہئ اجل ہو گئے۔ مگر محمد نجیب اچھل کر ان کے ہاتھی پہ جا بیٹھے اور نواب صاحب کو اپنے دونوں ہاتھوں سے سنبھالا اور انہیں نیچے گرنے نہیں دیا۔ اور سپاہیوں کو للکارا اور کہا دیکھو نواب صاحب ہمارے اندر موجود ہیں۔ آگے بڑھو اور دشمنوں پہ حملہ کرو۔ حضرت ذوقی نے اس جنگ کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

چو نواب مہ از قضا شد شہید | زجا جست خان در کنارش کشید
فرو اوفتادن ندادش زجائے | ہمی کرد گردن کشاں را ندائے
کہ نوابِ مہ ہست برجا ہنوز | اساس جہاں ماند از پا ہنوز
تہاون چہ ورزید در کارِ او | بتازید بر خصم خون خوارِ او
بہ پیکار در کارِ او سر زنید | شتابید و شمشیر و خنجر زنید
بمانید برجائے خود مستقیم | کہ باشد عتابش عذابِ الیم
بترسید از قہرِ جا نکاہِ او | بکاہید جانہائے بدخواہِ او
چو حق نمک ہست بر جانِ تان | مبادا قصورے بہ جولان تان
بود در رہِ جہل جولان زدن | نمک خوردہ پا بر نمکدان زدن
ز حقِ نمک سگ نہ پیچیدہ سر | چرا بودہ باید ز سگ ہم بتر
بباطل مکوشید در بندِ خویش | گزارید حقِ خداوندِ خویش
چو بر جائے خود ہست آں پہلوان | تہی کرد پہلو از و چوں توان

لیکن تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ ایک تیر محمد نجیب خان کے بھی آلگا اور وہ اور نواب صاحب دونوں ہاتھی

کی پیٹھ سے نیچے گر پڑے سپاہیوں نے جب یہ حالت دیکھی تو دل شکستہ ہو گئے اور میدان سے مُنہ موڑ لیا۔

بداں صدمہ آن خانِ نیکو سرشت | جہاں را ہشت و شد اندر بہشت

ز افتادنِ آن پیلِ نامور | در افتاد نواب والا گہر

چو دیدند شیرافگنان آنچناں | بہ پیچیدہ از جنگ کردن عناں

بماندند یکبارگی از ستیز | فتادند چوں باد اندر گریز

یہ جنگ ۱۱۶۲ھ میں ہوئی تھی۔ نواب انورالدین خان کی شہادت کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو بھی حضرت ذوقی نے بیان کیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۱۸۵ھ میں لکھی گئی ہے۔ اس طرح بعد کے تیئیس ۲۳ سال کے اندر اس خاندان سے متعلق جو حالات پیش آئے ان کو بھی حضرت ذوقی نے قلمبند کر دیا ہے۔

سیاسی حالات کے ساتھ اجتماعی حالات بھی بیان ہوئے ہیں۔ شادیوں میں جو رسوم ادا ہوتے ہیں، اور جس طرح کی ضیافت ہوتی تھی، ان کا نقشہ اشعار میں کھینچا ہے۔ نواب محمد علی والا جاہ نے محمد سعید اور عبدالرشید کی مدد سے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور بہت سے قلعے فتح کئے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

ز اقبالِ نواب آں ہر دو مرد | بسا گردناں را فگندہ بگرد

ہماں قلعۂ ساتگڈھ بستدہ | ہمردی قلاع دگر بستدہ

ہم ایلور شد فتح بر دستِ شاں | الیانور بہ و مدرہ شدہ پست شاں

ہماں بھیلچری گشتہ تسخیرِ شاں | فراسیس پابندِ زنجیرِ شاں

بترنامل آں ہر دو ضرغامِ مست | فگندہ بفوجِ مخالف شکست

بناگہ چو شیر غریں بر زدہ | برافروختہ آتشِ عربدہ

چو آمد عدو بر ترچناپلی | نمودہ جوانمردی و پر دلی

چو نواب عازم بکولار گشت | ہزیمت دہِ خصمِ خونخوار گشت

در آں مدت آں ہر دو مردِ دلیر | بشیری بسا کار کردہ چو شیر

بہ ہمراجیاں چست بستہ کمر | بنکشنگیریاں را شکستہ کمر

بما چیرکہ آتش برافروختہ | بد اندیش را بال و پر سوختہ

ازیں گونہ شاں بارہا کردہ کار | بر آوردہ از کیں پرستاں دمار

جب نواب والا جاہ نے ان دونوں کی خیر خواہی و سعادت مندی دیکھی تو ان دونوں کو اپنا معتمد علیہ قرار دیا۔

اور خلوت و جلوت میں ان کو اپنا ہمنشین بنایا حضرت ذوقی فرماتے ہیں :-

چو دانست کز خدمتِ خود خوش اند | براعدائے خود گرم چوں آتش اند
درِ لطف و احساں برخ شاں کشاد | دل و جانِ غمناک شاں کرد شاد
بہر خلوت و جلوتے خواندہ پیش | بفرمود ممنونِ افضالِ خویش

یہ پوری مثنوی دس داستانوں پر منقسم ہے۔ آخری داستان میں محمد نجیب خاں شہید کی اولاد اور ان کی امتیازی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محمد نجیب خان کے تین لڑکے تھے۔ محمد سعید، عبدالرشید، عبدالقدوس اور پھر محمد سعید کے پانچ لڑکے تھے۔ محمد حمید، محمد نجیب، محمد حبیب، غلام نجف اور ابوسعید۔

عبدالرشید کے تین فرزند تھے۔ غلام محی الدین، محمد اکرم، اور عبدالوحید۔

عبدالقدوس کا ایک لڑکا تھا۔ جس کا نام عبدالواحد تھا۔

ان سب کی بڑی تعریف کی ہے۔ پھر محمد نجیب خان شہید کے داماد حبیب اللہ خان کی بڑی تعریف کی ہے، ان کے فرزند منور علی خان کو حضرت ذوقی کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ حبیب اللہ خان کے داماد غلام چشتی یار خان اور پھر ان کے فرزند غلام غوث تھے۔ محمد نجیب خان شہید کے برادر زادگان میں خصوصی طور پر فتح محمد خان کی تعریف کی ہے۔

یہ مثنوی ۱۱۸۵ھ میں لکھی تھی اور ایک ہفتے میں تمام ہوئی تھی۔

عجب بیں کہ ایں بدرِ عالم فروز | تمامی پذیرفت در ہفت روز

اس مثنوی کے کل ایکہزار پانچ سو چودہ شعر ہیں، خود ہی فرماتے ہیں :-

ہمہ بیتِ او گر بگیری شمار | سراسر بود پانصد و یک ہزار

اس وقت حضرت ذوقی کی عمر صرف پینتیس ۳۵ سال کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں :-

دراں دم کہ ایں ماہِ نو رخ نمود | ہمہ عمرِ من پنج و سی سالہ بود

مولانا باقر آگاہ ؒ ان کے ہم عصر اور ساتھی تھے۔ عمر میں حضرت ذوقی سے سات آٹھ سال چھوٹے تھے۔ مگر شاعری پر ان کی نظر بہت گہری تھی۔ اس لئے حضرت ذوقی جو بھی لکھتے تھے آگاہ کی نظر سے گزرانتے تھے۔ اگر وہ پسندیدگی ظاہر کرتے تھے تو انہیں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ انہوں نے یہ مثنوی بھی باقر آگاہ ؒ کی خدمت میں پیش کی تھی، چنانچہ لکھتے ہیں :-

بود کان گل تازہ تر از نگار | زمن نگہند سوی باقر گذار

که او محرمِ سرِّ جانِ من است | تفرج گرِ بوستانِ من است
پسندِ دگر او این درِ تابناک | وگرنا پسندِ جهان شد چه باک
چو جان و دلِ من به بندِ وی است | پسندِ من آخر پسندِ وی است
مبادا این چمن بستهٔ دامِ وی | که صد نوبهار است در دامِ وی
از و چشمِ احباب پُر نور باد | ز چشمِ بداندیش مستور باد
تماشه گرِ دولت و جاه باد | وز و نامِ گوینده بر ماه باد
بیا ساقیا، شو مرا دستگیر | ایاغی ز خمخانهٔ عشق گیر

بده تا شوم مست از جامِ غوث
کنم ختم این نامه بر نامِ غوث

آقائے نامدار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیائے کرام سے جتنے بھی معجزات صادر ہوئے ہیں، وہ صرف زمین تک ہی محدود رہے۔ افلاک کا معجزہ کوئی بھی نہ بتا سکے۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انبیاء کے سردار تھے، اس لئے آپ کو معجزہ بھی سب سے بڑھکر عطا ہوا۔ آپ کا شق القمر کا معجزہ ایسا حیرت انگیز اور عقل و سائنس کے لئے ایسا حیران کن ہے کہ جسے آج تک نہ کوئی فلسفی سمجھ سکا اور نہ کوئی سائنس داں۔ اس معجزہ کی کیفیت احادیث میں اس طرح درج ہے کہ ہجرت سے قبل ابو جہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ کفار قریش نے مجتمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ خدا کے سچے نبی ہیں تو چاند کے دو حصے کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کر دوں تو کیا تم لوگ ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے جواب میں ہاں کہا۔ آپ نے بارگاہ ربّ العزّۃ میں دعا فرمائی اور انگشتِ مبارک سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ اشارہ کرتے ہی قدرتِ الٰہی سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں ٹکڑے ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے پکار کر اور ہر کافر کا نام لیکر فرمایا کہ تم سب گواہ رہو۔ تمام کفار چاند کے دونوں ٹکڑوں کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اور چاند کے دونوں حصّوں کے درمیان ایک پہاڑ حائل تھا۔

اب کفار نے کہنا شروع کیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ یہ سن کر حضورؐ نے فرمایا اگر یہ جادو یا نظر بندی ہے تو اس کا اثر صرف تم لوگوں ہی تک محدود رہ سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ دنیا کے کروڑوں انسانوں پر بھی اس کا اثر ہو۔ اگر تم لوگوں کو اسکی حقیقت کا علم نہ ہو تو جو لوگ دیگر ممالک سے آتے ہیں، ان سے دریافت کر لینا۔ تو انہوں نے اسکی تصدیق کر دی۔ مگر باوجود اس کے کفار اپنی قدیم جہالت پر قائم رہے۔

احادیث و تواریخ اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ ربّ العزّۃ نے تمام انبیاء کرام کو بے شمار فضائل و برکات، اور معجزات عنایت فرمائے لیکن تمام انبیاء کرام کو جو معجزات انفرادی طور پر دئے گئے تھے ہمارے پیغمبر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان تمام معجزات کا مجموعہ اور اس کے علاوہ اور بھی معجزات عطا کئے گئے تھے۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، (جو یہودیوں کے جیّد عالم اور سب سے زیادہ بزرگ آدمی تھے) کا قبول اسلام کا مفصّل واقعہ اس طرح درج ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن سلامؓ اپنے باغ میں پھل جمع کر رہے تھے کہ انہوں نے حضور صلعم

کی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آمد کی اطلاع پائی تو فوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضری دی اور عرض کیا کہ میں آپ سے تین باتیں دریافت کرنا چاہتا ہوں، ان کا جواب سوائے اس شخص کے جو اللہ کا نبی ہو اور کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔

بعد ازاں حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا سوالات ہیں۔ انہوں نے عرض کیا (۱) قیامت کی پہلی نشانی کیا ہوگی؟

(۲) دوسری وہ کونسی چیز ہے جو اولاد کو اپنے باپ یا ماں کی مشابہت کی جانب کھینچتی ہے؟

(۳) تیسری جنت میں داخل ہونے والوں کو سب سے پہلا کھانا جو ملے گا وہ کیا ہوگا؟

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیلؑ نے ابھی ابھی مجھے ان سوالات کے جوابات سے آگاہ کیا ہے، تم اپنے سوالوں کا جواب سنو:۔

پہلا (۱) قیامت کی پہلی علامت وہ آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب ہانکے گی۔

(۲) دوسرا جواب بچہ میں ماں یا باپ کی مشابہت کا مقدم سبب یہ ہے کہ اگر باپ کا مادۂ منویہ ماں کے مادۂ منویہ پر غالب آجائے تو بچہ اپنے باپ کی شباہت اختیار کرتا ہے، ورنہ ماں کی شباہت اختیار کرتا ہے۔

(۳) تیسرا جواب جنت میں داخل ہونے والوں کا سب سے پہلا کھانا مچھلی کے کلیجہ کا سب سے عمدہ ٹکڑا ہوگا۔

حضور اکرمؐ کے یہ جوابات سننے کے بعد حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے عرض کیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ رسول ہیں اور خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اسکے بعد عبداللہ بن سلامؓ نے عرض کیا، اے رسولؐ خدا یہودی بڑی افترا پرداز قوم ہے۔ جب یہودیوں کو میرے مسلمان ہونے کا حال معلوم ہوگا تو وہ مجھ پر طرح طرح کے الزامات لگائیں گے۔ اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میرے مسلمان ہونے کا حال معلوم ہونے سے پیشتر آپ میری قوم سے میرے متعلق معلوم کر لیجئے۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سربرآوردہ لوگوں کو طلب فرمایا۔ ان کی آمد سے قبل حضرت عبداللہ بن سلام قریب کے ایک کمرے میں چھپ گئے، جب یہودیوں کے سردار جمع ہوگئے تو حضورؐ نے عبداللہ بن سلام کے متعلق ان کی قوم سے رائے زنی فرمائی۔ انہوں نے جواب دیا، وہ ہمارے سردار اور پیشوا ہیں۔ حضورؐ نے پھر ان سے پوچھا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائیں تو کیا تم لوگ بھی مسلمان ہوجاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا خدا انہیں اسلام سے بچائے، اور ان کو اپنی پناہ میں رکھے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہ بات سنتے ہی فوراً کمرے سے نکل کر محفل میں آگئے اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے رسول ہیں۔ یہودی یہ سن کر کہنے لگے، عبداللہ پر خدا کی لعنت ہو، یہ ہم میں کا سب سے زیادہ بُرا شخص ہے۔ اور بدبخت ہے۔ اور اسی وقت عبداللہ بن سلام پر طرح طرح کے الزامات تراشنے لگے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ اے

رسولِ خدا ہی وہ بات ہے جس کی اطلاع میں نے قبل از وقت آپ کو دی تھی۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ حضور اکرمؐ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کی خبر سن کر یہودی جیسی دشمنِ اسلام قوم کے ایک مقتدر ہستی اور بزرگ عالم کا بذاتِ خود خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا ہی ایک بڑا معجزہ ہے اور پھر وہ اہم ترین سوالات جن کو انہوں نے حضورؐ کی نبوت کی آزمائش کے لئے پیش کیا تھا' ان سوالوں کا صحیح جواب دینا بھی ایک دوسرا معجزہ ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی ہر ہر ادا بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔

معجزاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مرتبہ آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک بدّو حاضر ہوا اور کہا کہ آپ اپنی نبوت کا ثبوت دیجیئے۔ آپ نے اس سے کہا کہ اگر میں کھجور کے درخت کے کسی بھی خوشہ کو بلاؤں' اور وہ میری اطاعت کرے تو کیا تم میری نبوت کا یقین کر لو گے۔ اس نے جواب دیا' ہاں۔ آپ نے خوشہ کو بلایا۔ وہ درخت سے اتر کر آپ کے پاس آ گیا اور جب آپ نے اس کو واپس جانے کا حکم دیا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ یہ معجزہ دیکھ کر وہ بدو مسلمان ہو گیا۔ (ترمذی)

حضور اکرمؐ ایک مرتبہ سفر کر رہے تھے۔ راستہ میں ایک بدو آتا ہوا نظر آیا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو۔ اس نے جواب دیا گھر جا رہا ہوں۔ آپ نے پھر اس سے پوچھا کیا تم کو نیکی کی ضرورت ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ اور دریافت کیا کہ وہ نیکی کیا ہے' آپ نے اس کو کلمۂ توحید پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ اس نے کہا اس کی گواہی کون دے گا۔ آپ نے فرمایا سامنے کا درخت' یہ کہہ کر آپ نے وادی کے کنارے سے ایک درخت کو بلایا' وہ دوڑتا ہوا آیا اور آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اس سے تین مرتبہ کلمۂ توحید پڑھوایا۔ اس نے کلمہ پڑھا اور پڑھنے کے بعد اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ بدو یہ دیکھ کر اپنے مکان کی جانب چل دیا۔ کہ اگر میرے اہل وعیال نے بھی اسلام قبول کر لیا تو ان سب کو لے کر آؤں گا۔ ورنہ میں تنہا ہی آپ کے پاس آؤں گا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں (عائشہ) ایک مرتبہ اندھیرے میں کپڑا سی رہی تھی کہ اچانک سوئی میرے ہاتھ سے گر گئی۔ میں نے سوئی بہت تلاش کی مگر تاریکی ہونے کی بنا پر سوئی دستیاب نہیں ہوئی تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں تشریف لائے اس وقت آپ کے چہرۂ انور سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں جس کی وجہ سے میرا کمرہ نور سے روشن ہو گیا اور اسی روشنی میں میں نے اپنی سوئی تلاش کر لی۔

حضرت محمد ابراہیم التیمی رضی اللہ عنہ' سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا' یا رسول اللہؐ ہم نے آپ سے زیادہ فصیح بولنے والے انسان کو نہیں دیکھا۔ حضورؐ نے فرمایا' قرآن مجید میری زبان میں نازل ہوا ہے۔ چوں کہ قرآن کی زبان عربی ہے۔ بنا بریں میرے فصیح ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زندہ جاوید معجزہ ہے۔ اگر تمام جن وانس مجتمع ہو کر بھی اس کی نظیر پیدا کرنا چاہیں تو قیامت تک نہ کر سکیں گے اور یہ معجزہ صداقت اسلام کی بین نشانی ہے۔ اور حضور صلعم کی نبوت اور رسالت کی ابدی و روشن دلیل ہے۔ اور یہ زندۂ جاوید معجزہ تا قیام قیامت قائم رہیگا۔ اور دین اسلام کی مذہبی کتاب کی سب سے اہم خصوصیت اور دلیل یہ ہے کہ اس کی مذہبی کتاب دنیا کے لاکھوں مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے کسی مذہب کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی۔ کہ کسی مذہب کی کتاب اس مذہب کے ماننے والوں کے سینوں میں آج تک محفوظ ہو۔ یہودی ہو یا عیسائی یا مجوسی غرض کوئی بھی قوم ہو اس قسم کی نادر مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب یعنی قیام قیامت سے پہلے ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا، کہ لوگوں کو دین پر مداومت اختیار کرنا اتنا دشوار ہوگا جتنا کہ آگ پر بیٹھنا دشوار ہوتا ہے۔ اس زمانے میں عابد جاہل ہوں گے اور قاری فاسق ہوں گے۔

بخاری اور مسلم سے روایت ہے کہ حضور نے ایکمرتبہ ارشاد کیا' قیامت سے قبل لوگ اونچی اور بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صادق پیشین گوئی آج پایۂ تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہے کہ لوگ دین سے زیادہ دنیا کی آرائشوں پر توجہ دیں گے اور خدا اور اس کے رسول صلعم کی محبت ان کے دلوں میں بہت کم ہو گی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری مسلمان ایک مشرک کے تعاقب میں تھے۔ اچانک اس انصاری مسلمان نے کوڑا مارنے کی آواز سنی' غور سے جب دیکھا تو وہ مشرک چاروں شانے چت پڑا ہوا نظر آیا۔ جب قریب گئے تو دیکھا کہ اس کا چہرہ شق ہو گیا ہے اور ناک چپک گئی ہے۔ اور جسم کا رنگ نیلا ہو گیا ہے۔

جنگ سے فراغت کے بعد اس انصاری مجاہد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' وہ سوار آسمان کا فرشتہ تھا۔ غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین و قبول کی اولین شرط یہ ہے' کہ آدمی پہلے پہل غیب پر ایمان رکھتا ہو' اس کے بعد دیکھو' کہ مذکورہ معجزہ کی مذکورۂ بالا غایت اور راس الیقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر دفوع معجزہ کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں۔ جزئی مستغرق یا فروعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم و جدید علم کلام کا دفتر پر ہے اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی طرف میں نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔ معجزات تو بہر حال کسی نہ کسی زمانے اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ دکھاتا رہے تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشہ گر کی حیثیت اختیار کر لے۔ اس لئے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

انبیاء کی زندگی علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور ان کے تمام ارشادات و تعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی تکمیل، اور ترقی مقصود ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے انبیاء کے بعض معجزات کا اثر صرف علم و یقین پر پڑتا ہے۔ ان سے کوئی عملی نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، ہاتھ کا چمک اٹھنا، عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا شق ہو جانا، اگرچہ ان سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنی اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچا سکا، لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا چشمہ ابلا آن کے لئے حیات بخش ثابت ہوا۔

پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت۔ یا برہان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس قسم کے دو معجزے دیکر فرعون کے پاس روانہ کیا اور اسی بنا پر حضور صلعم نے کفار قریش کو معجزہ شق القمر دکھایا۔ لیکن اس کے بعد انبیاء کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا گروہ پیدا ہو جاتا ہے حضور اکرمؐ سے کسی نے معجزہ کا سوال نہیں کیا لیکن آپ سے اکثر معجزات کا ظہور ان ہی کے درمیان ہوا۔ بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے۔

غزوۂ بدر او حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا، تھوڑے سے زاد راہ کا تمام فوج کے لئے کافی ہونا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا، یہ اور قسم کے بہت سے معجزات، غزوات ہی کے زمانے میں آپ سے وقوع پذیر ہوئے اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جبکہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔ اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں مدد "نصر" اور تائید ہے اور یہ چیز ہر نبی کو آخری وقت میں عطا کی جاتی ہے، اور عین اس وقت جب کہ بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا، دفعتہً نصرت الٰہی توقع کے خلاف، گرد و پیش کے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح ناامیدی کے بادل سے چمک اٹھتی ہے۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین

از

حافظ محمد اسمٰعیل وانمباڑی
زمرۂ رابعہ متعلم دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

سلسلۂ صفحہ ۱۰۲ انبیاء نے ہر قیمت پر اپنی دعوتی روح اور اپنے دعوتی کردار کی حفاظت کی۔ حکومت کی، مگر حاکمانہ انداز کے بجائے داعیانہ انداز سے، دنیا میں رہے مگر اہل دنیا کی طرح نہیں، بلکہ طالب آخرت بن کر۔ مگر افسوس، کہ قوموں نے سمجھا نہیں ——— حکومت پر زوال آیا تو پھر نام ونشاں کب تک! ختم شد

یہ مکتوب
آپ نے مولوی سید حسین الملک
صاحب عرف پاچھا صاحب معتی تبلہاری
کے نام ۲۰ شعبان ۱۲۶۸ھ میں تحریر کیا تھا ۔

زبدۃ العارفین وارثِ علوم سید المرسلین کاشفِ رموزِ
القرآن المبین، محی الملۃ والدین حاجی الحرمین۔
مولانا

سید شاہ محی الدین عبد اللطیف القادری رحمۃ اللہ علیہ
المشہور بہ قطب ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد سلام مسنون کے معلوم ہو کہ عنایت نامہ کہ جو ۱۵ رجب ۱۲۶۸ھ کو فقیر کے نام تحریر کیا گیا تھا موصول ہوا۔ آپ لوگوں کی خیر و عافیت کی خبر سے دل کو اطمینان ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی کی تاریخ ملتوی کر دی گئی ہے۔ میرے عزیز! جو کام ضروری ہے اُسے جہاں تک ممکن ہو جلد کر دینا چاہئے۔ چھ ماہ تاخیر کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ۔ من نمی گویم زیاں کن یا بفکر سود باش
ای ز فرصت بے خبر ہر چہ باشی زود باش ۔

اور جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے اس فقیر مشتاق کی ملاقات کو تمام دوستوں کی ملاقات سے مقدم سمجھیں۔ خط میں اپنی لڑکیوں کی کثرت اور مزاج شریف کی ناسازی کا ذکر کیا گیا ہے۔ میرے مکرم میں نے تو آپ کی دو لو لڑکیوں کے متعلق تجویز سوچی تھی ۔ لیکن آپ کی غفلت سے اس کا موقع نکل گیا۔ بہر حال حق المقدور کار خیر میں ہاتھ بٹانے سے فقیر نہ پیچھے ہٹا ہے اور نہ ہوگا۔ بیماری کا تذکرہ جو آپ نے کیا ہے اس کے لئے عرض ہے کہ علاج و معالجہ کیلئے بیمار کا طبیب کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ ملاقات کے وقت جو تجویز مناسب ہوگی وہ کیجائیگی ۔ تاہم فی الحال شربت ورد مکرر رہفتہ میں دو بار اور مفرح بارد دلکشا بقدر ایک مثقال روزانہ بوقت ظہر تازہ پانی کے ساتھ استعمال کریں ۔

مکتوب میں بعض لوگوں کے افترا اور بہتان کا سبب مجھ سے پوچھا گیا ہے۔ عزیز مکرم، مجھے کچھ نہیں معلوم کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کون ہیں، ان کا مذہب کیا ہے۔ دوزخی ہیں یا جنتی ہیں۔ مومن ہیں یا کافر ہیں۔ کل قیامت کے دن جو کچھ واقعہ یا حقیقت ہے وہ ظاہر ہو جائیگی۔ لیکن صاحب تکمیل الایمان نے قول ولا نکفر من اھل القبلۃ کے تحت تکفیر و تلعین کی ممانعت اور مکفر و لاعن کی جانب کفر و لعنت کے رجوع کرنے کے اندیشہ کے متعلق لکھا ہے وہ نظر سے گذرا ہوگا۔ علامہ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ وہ مسئلہ جس کا تعلق کفر سے ہے اگر اس میں ۹۹ احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اس کی نفی کا ہو تو

مفتی اور قاضی کے لئے بہتر ہے کہ وہ نفی والے احتمال پر عمل کریں، اس لئے کہ ہزار کفار کو غلطی سے زمرۂ اسلام میں باقی رکھ کر ان کو رحمت خداوندی کا مستحق بنا دینا یہ غلطی کم درجہ اور معمولی ہے، بہ نسبت اس غلطی کے کہ کسی مسلمان کو غلطی سے زمرۂ اسلام سے خارج کر کے عذاب خداوندی کا مستحق قرار دے دیا جائے۔

مسئلہ مذکورہ میں اس بات کی تصریح ہے کہ اگر قائل اپنے قول کی تاویل کرتا ہو تو اس کی تاویل قبول کی جائے گی۔ اور یہ تکفیر وغیرہ کا حکم اس وقت ہے کہ جب قائل نے معنیٔ کفر کا قصد کیا ہو۔ حدیث میں آیا ہے رفع عن امتی الخطاء والنسیان اگر خطاء یا نسیاناً ایسا ہوا ہے تو وہ معاف ہے۔ فتاوی قاضی خان میں ہے اگر کسی نے غلطی سے کلمۂ کفر کا تکلم کر دیا تو اس کی وجہ سے وہ کسی کے نزدیک بھی کافر نہ ہوگا۔ منابع میں ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ موجب تکفیر ہوں اور ایک وجہ مانع تکفیر ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس وجہ کو اختیار کرے جو مانع تکفیر ہے مسلمان سے حسن ظن کی وجہ سے۔ پھر اگر قائل کی نیت اسی جانب تھی کہ جو مانع تکفیر ہے، تو وہ مسلمان ہے اور اگر اسکی نیت اس جانب تھی کہ جو موجب تکفیر ہے، تو مفتی کے فتوے سے اُسے کچھ فائدہ نہ ہوگا بلکہ اُسے توبہ اور کلمہ کفریہ سے رجوع اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ حاشیۂ سراجیہ محیط اور ذخیرہ میں ہے کہ مسلمان کافر نہ ہوگا جب تک کہ وہ کفر کا ارادہ نہ کرے، اگرچہ اس نے کلمۂ کفریہ کا تلفظ کیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایسا لفظ جس میں چند احتمالات اور وجوہ ہوں اُسکی وجہ سے قائل کافر نہیں ہوگا اس لئے کہ کفر سب سے بڑی سزا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے جرم بھی بڑا ہونا چاہئے اور جب لفظ محتمل الوجوہ ہے تو جرم کی شدت باقی نہ رہی تو پھر سزا بھی سخت نہ ہوگی۔ ملتقط میں ہے کہ عالم کو چاہئے کہ جب اس کے سامنے اس قسم کا معاملہ پیش ہو تو وہ اہل اسلام کی تکفیر میں جلد بازی سے کام نہ لے۔ حالانکہ یہ اس کو معلوم ہے کہ اگر کسی کو تلوار کے خوف سے کلمۂ کفریہ کے تلفظ پر مجبور کیا گیا ہو اور اس نے جان کے خوف سے کلمۂ کفر زبان سے کہہ دیا ہو، جب بھی وہ مسلمان ہی رہتا ہے، کافر نہیں ہوتا۔

جب سے فقیر نے صراط مستقیم مطبوعہ ۱۲۳۹ھ کا مطالعہ کیا ہے مولوی اسمٰعیل صاحب کے سب و شتم اور تکفیر کے مسئلہ میں تکفیر کرنے والوں سے میں متفق نہیں ہوا۔ جس طرح خلفاء ثلثہ کی تکفیر کرنے والے یعنی روافض کا اور خلیفہ رابع کی تکفیر کرنے والے یعنی خوارج کا اہل سنت والجماعت ساتھ نہیں دیتے اور روافض و خوارج اس وجہ سے اہل سنت سے ناراض رہتے ہیں اور ان پر افترا و اتہام رکھتے ہیں، اسی طرح فقیر جو مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر کرنے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہے تو وہ لوگ مجھ سے ناخوش ہیں اور مجھ پر افترا و بہتان رکھتے ہیں۔

سراج الامۃ امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان، یزید پلید کی عدم تکفیر اور عدم سب و شتم کی وجہ سے اور احتیاط پر عمل کرنے کے باعث مطعون نہیں ہیں۔ تو یہ فقیر جو مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر نہیں کرتا اور احتیاط پر عمل کرتا ہے تو اس پر کیوں طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ قرآن مجید، احادیث شریف، اور بزرگان دین کے اقوال سب فرعون کے کفر پر دلالت کرتے ہیں اور صاحب شرح الازہر نے فرعون کو تمام اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ شقی اور بدبخت

لکھا ہے، لیکن اس کے باوجود شیخ ابن عربی نے فرعون کے ایمان کو تاویلات سے ثابت کیا ہے اور اس کی عدم تکفیر کی جانب گئے ہیں، اور یہ عدم تکفیر شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کی قطبیت میں کچھ بھی خلل انداز نہ ہوی اور کسی نے شیخ کو فرعون یا کافر نہیں بنایا بلکہ ملا جلال الدین دوانی نے شیخ ابن عربی، کی وسعت نظری اور ترحم علی الخلق کو دیکھ کر شیخ کی مدح وتحسین کی ہے تو اگر فقیر نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوے مولوی اسمٰعیل کی تکفیر نہیں کی تو فقیر کے ایمان میں کیا فرق پیدا ہوگا۔ اور کس طرح اس مسکین کو اسمٰعیلی کہا جاسکتا ہے، یہ مسکین اہل سنت والجماعت سے ہے اور حنفی المذہب ہے۔ لیکن اگر صرف مولوی اسمٰعیل صاحب کی عدم تکفیر کی وجہ سے کوئی مجھے اسمٰعیلی کہتا ہے، تو فقیر اسمٰعیلی ہے۔ جیسا کہ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں، کہ اگر آل رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی موجب رفض ہے تو میں رفضی ہوں اس لئے کہ آل رسول کی محبت سے بڑھ کر اور کیا شئی ہوگی۔ اگر اس وجہ سے کوئی مجھے رافضی سمجھتا ہے تو سمجھا کرے۔ ان کے اس طعن سے میں آل رسولؐ کی محبت کو ترک نہیں کرسکتا۔

شاید یہ حقیقت لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے کہ اپنے مذہب سے خارج کرنا اور ایسی باتوں میں مشغول ہونا جس سے ملت اسلام کو نقصان پہنچے، احمقوں اور نادانوں کا کام ہے۔ نصاریٰ باوجود عیسیٰ پرستی کے لاکھوں کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں اور اپنی جماعت کو بڑھاتے ہیں۔ وہ روز بروز اسکی کوشش کرتے ہیں۔ خدا معلوم کہ مسلمانوں کو باوجود خدا پرست ہونے کے مولوی اسمٰعیل صاحب کی تکفیر اور زمرۂ مومنین سے اخراج اور مسلمانوں کے اندر تفریق وانتشار پیدا کرنے پر اس قدر اصرار و اہتمام کیوں ہے۔ یہ بھی واقعہ ہے کہ جو شخص شہرت رکھتا ہے، اور مطعون نہ ہو، یہ عنقا کے حکم میں ہے کیونکہ مثل مشہور ہے الشهرة آفة۔

ہمارے اسلاف اور بزرگ بھی لوگوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنے ہیں۔ امام ربانی شیخ محی الدین ابن عربی اور دوسرے مشائخ متاخرین، ائمہ اطہار، ائمہ اربعہ شریعت اور خلفاء اربعہ سب تکفیر اور مطاعن میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ مروانی ستر سے زائد سال تک اپنے زمانۂ خلافت میں منبروں پر خلیفہ رابع کو لعن طعن اور سب وشتم کرتے رہے ہیں۔ رافضی خلفاء ثلٰثہ اور دیگر صحابہ کی تکفیر کرتے ہیں اور لاکھوں خارجی خلیفہ رابع اور دوسرے اہل بیت کی تکفیر کرتے ہیں، تو جب اتنی بڑی بڑی ہستیاں لوگوں کے طعن و تشنیع سے نہ بچ سکیں تو دوسرے لوگ طاعنین کی زبان سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ بوستان سہ

اگر در جہاں از جہاں رستہ است
در از خلق بر خویشتن بستہ است
کس از دست جور زبانہا نرست
اگر خود نما ئیست وگر خود پرست
اگر بر پری چوں ملک ز آسماں،
بدامن در آویزدت بدگماں
بکوشش تواں دجلہ را پیش بست
نشاید زبان بد اندیش بست
کہ یار د بکنج سلامت نشست

عنوانِ مذکور کے تحت دارالعلوم لطیفیہ کی چند باکمال اور صاحبِ علم و فضل شخصیات کا تعارف

مولانا محی الدین حسین صاحب جیدہ

مولانا مولوی
محی الدین حسین

صاحب جیدہ، آپ حضرت مولانا رکن الدین سیدہ شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سرپرستی سنہ ۱۳۱۱ھ میں دارالعلوم لطیفیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذہ قابل اور یادگارِ زمانہ تھے، آپ کے اساتذہ میں، مولانا محمد تقی صاحب لکھنوی اور مولانا احمد حسن صاحب کانپوری جیسے جلیل القدر علماء تھے۔ فارغ ہونے کے بعد بحیثیت صدر مدرس، دارالعلوم لطیفیہ میں آپ کا تقرر ہوا۔ تمام علوم و فنون میں یکساں مہارت و کمال رکھتے تھے جن مشکل اور پیچیدہ استفتاً کا جواب آپ نے نہایت مستند، اور مدلّل طور سے لکھا ہے، اُسے دیکھ کر اسلاف کے علم و فضل کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ علم و فضل کی ایک زندہ نشانی تھے۔ ان تمام اوصاف کے ساتھ آپ ایک طبیب حاذق بھی تھے۔ بہت سے ایسے لوگ جو اپنی صحت اور زندگی سے مایوس ہوگئے تھے ان کا علاج جس تجربہ، ہوشمندی اور دانائی سے آپ نے کیا ہے اُس سے ماہرِ فن ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے کمالِ حکمت و دانش کا پتہ چلتا ہے۔ مختصر یہ کہ خواہ امراض روحانی ہو یا امراض جسمانی سب کے حق میں آپ کی ذات بابرکات ایک مسیحا کی تھی سب کے دلوں کے لئے آپ کی ذاتِ گرامی باعثِ چین و سکون تھی۔ جن لوگوں نے اپنے مختلف امراض میں آپ کی جانب رجوع کیا، ان کے احوال و کیفیات اور آپ کے طریق علاج کی تفصیل کتاب رموز الاطباء میں جو اُس وقت لاہور سے شائع ہوی تھی موجود ہے۔ مولانا کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے جس سے آپ کے فقر و استغناء توکل و قناعت کا اندازہ ہوتا ہے، جس وقت دارالعلوم لطیفیہ میں تدریسی خدمات پر فائز تھے اسی زمانہ میں آپ کے علم و فضل کا شہرہ سن کر نظامِ حیدرآباد نے تین سو روپے ماہوار پر جامعہ عثمانیہ کی خدمات کیلئے آپ کو مدعو کیا۔ مولانا نے اسی وقت اس مراسلہ کی پشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا کہ میاں! …

مل رہے ہیں وہ آپ کے تین سو روپیوں سے بڑھکر ہیں۔ یہ تھا آپ کا خالص جذبۂ دینی اور دنیا کی رنگینی اور دلفریبی سے آپ کی بے نیازی کا حال کہ صرف روپئے کے لئے آپ نے گوارہ نہ کیا کہ وہ علم کے پروانے کہ جو دور دراز سے آپ کے گرد جمع ہیں' انہیں اپنے علم وفضل کی روشنی سے محروم کردیں۔ سچ تو یہ ہے کہ علم دین کی خدمات اور اس کی تمام سرگرمیاں انہیں پاکیزہ نفوس حضرات کے دم سے تھیں اور اب تو صرف تجارتی کاروبار رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا سے اس کی تمام خیر و برکت بھی مفقود ہوتی جارہی ہے۔ کیونکہ مقصود ہر ایک کا صرف طلب زر رہ گیا ہے۔

ناظرین کرام کی عبرت کیلئے ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے' جس سے آپ کے اکل حلال' تقویٰ و پرہیزگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے خواب دیکھا کہ دسترخوان پہ خنزیر کا گوشت کھانے کے لئے رکھا گیا ہے۔ آپ پریشانی کی حالت میں خواب سے اٹھے بیوی سے سارا ماجرا بیان کیا۔ دریافت حال سے معلوم ہوا کہ آپ کی ایک لڑکی اپنی سسرال سے جو منم بور میں تھی اپنے سسرال والوں کی اجازت کے بغیر معمولی چیز سمجھ کر تھوڑی سی املی لائی تھی' اور وہ املی سالن میں ملادی گئی تھی۔ چنانچہ وہ یہی ناجائز چیز تھی جس کو خنزیر کی صورت میں آپ نے دیکھا آپ نے خط لکھ کر سسرال والوں سے املی کے استعمال کرنے کی اجازت طلب کی۔ وہاں سے جواب آیا کہ معمولی چیز کے لئے اجازت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ آپ ہی کی ہے شوق سے استعمال کریں۔ اندازہ کیجئے کہ اکل حلال کی وجہ سے ان کا قلب و روح کیسا پاک اور روشن تھا۔ چونکہ یہ خود اکل حلال کے طالب تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی انہیں حرام و ناجائز امور میں پڑنے سے محفوظ رکھتا تھا' آپ حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت مکان قطب ویلور کے دست اقدس پر بیعت سے مشرف ہوئے اور اور خلافت بھی حاصل ہوئی۔ آپ کا مزار حضرت مکان کے قبرستان میں ہے۔

مولانا عبدالرحیم صاحب قریشی

مولانا عبدالرحیم صاحب قریشی مدراسی

آپ بھی حضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت مکان قطب ویلور کے زمانہ میں علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے دارالعلوم لطیفیہ میں داخل ہوئے۔ پہلے آپ کسی انگریزی کالج میں ملازم تھے اور انگریزی تعلیم ہی کی طرف آپ کا پورا رجحان تھا۔ ایف' اے' تک تعلیم حاصل کرچکے تھے کہ اتفاقاً کہیں راستہ میں ایک جنازہ آپ کے سامنے سے گزرا۔ خدا کا خوف اور آخرت کی یاد دل پر غالب ہوگئی۔ دنیا کی طرف سے دل بالکل سرد اور افسردہ ہو گیا۔ خدا کی توفیق شامل حال ہوئی۔ دولت دنیا کو ٹھکرا کر بزرگان مکان کے زیر سایہ تحصیل علوم دینیہ کے لئے آگئے اور اس قدر شوق' محنت اور جانفشانی سے تحصیل علم میں لگے رہے کہ کچھ عرصہ کے بعد تمام علوم و فنون میں کامل دستگاہ حاصل کی۔ وقت کے متبحر علماء میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ کوئی علم و فن آپ سے بھی چھوٹا نہیں تھا گویا ہر

فن مولانا تھے۔ فتوے نویسی پر بھی بڑی قدرت حاصل تھی۔ اکثر فتاوے کے جوابات کتابوں کے دیکھے بغیر صحیح حوالہ کے ساتھ تحریر کردیتے تھے، جو سب کے نزدیک صحیح اور مستند ہوتا تھا۔ دار العلوم لطیفیہ کی خدمات آخر حین حیات تک انجام دیتے رہے اور بے شمار طلبہ کو علوم وفنون سے فیضیاب کیا۔ آخری وقت میں علالت کی وجہ سے مدراس گئے، اور چند دن بعد وہیں انتقال ہوا۔ آپ کی خواب گاہ مدراس ہی میں ہے۔

مولانا حافظ سید محمد قاسم صاحب

مولانا مولوی حافظ قاری سید محمد قاسم صاحب اپنے اول سے آخر تک ساری تعلیم دار العلوم لطیفیہ ہی سے حاصل کی اور پھر دار العلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ یوں تو پورے علوم وفنون پر پوری طرح حاوی تھے لیکن فارسی سے آپ کا شغف بہت زیادہ تھا۔ فارسی اور اردو میں آپ کے بے شمار اشعار اور نقلیں ہیں، جو ادب اور زبان میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ بہت سے طالبین علوم نے آپ سے علم کی پیاس بجھائی۔ بعد میں آپ انگریزی اور یس کالج ویلور میں اردو کے لکچرار مقرر ہوئے۔ کالج کے دوران قیام میں بہت سے غیر مسلم طلباء کو بھی آپ سے استفادہ کا موقع ملا۔ اس طرح آپ فیضان علم کے ساتھ اخلاق وانسانیت کی بھی تعمیر واصلاح کرنے لگے۔ بہت سے غیر مسلم بھی آپ کی شخصیت سے کافی متأثر ہوئے۔ اور آپ سے کافی خلوص وعقیدت رکھنے لگے۔ سنہ ۱۹۲۰ء حضرت مولانا شمس العلماء محی الدین سید شاہ عبد اللطیف قادری سجادہ نشین حضرت مکان قطب ویلور کے ساتھ آپ حج بیت اللہ سے فائز المرام و شادکام ہوئے۔

آپ قرأت سبعہ کے ماہر تھے۔ فن تجوید کے ساتھ خوش گلوئی بلکہ لحن داؤدی آپ کو حاصل تھی۔ بہت سے لائق وقابل تلامذہ آپ نے بھی چھوڑ کر اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کا بھی مزار مدراس میں ہے۔

فقیہہ الامّت آغوش لطیفیہ میں

دار العلوم لطیفیہ کی تاریخ ایسے ایسے ابنائے علم سے وابستہ ہے جن پر مدرسہ ہذا ہمیشہ ہمیشہ ناز کرتا رہے گا۔ چنانچہ فقیہہ الامّت مولانا الحاج قاضی مفتی **بشیر الدین احمد** صاحب قدس سرہٗ کی ذات گرامی بھی انہیں ممتاز ہستیوں میں سے ہے۔ لہٰذا آپ کے مختصر حالات ناظرین اللطیف کے لئے پیش کئے جارہے ہیں:-

آپ قصبہ پیرنام بٹ میں سنہ ۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فارسی، صرف ونحو اور فن قرأت کی تکمیل اپنے چچا مولوی محمود صاحب سے کرکے آپ سنہ ۱۳۱۱ھ میں دار العلوم لطیفیہ پہنچے۔

سید السادات اعلیحضرت مولانا رکن الدین سید شاہ محمد قادری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت مکان قطب ویلور

کے زیرِ سایہ و نگرانی قابل اساتذہ سے علومِ دینیہ و فنونِ مختلفہ کی تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰحضرتؒ کی نکتہ رس نگاہ نے نظر اول ہی میں یہ بھانپ لیا کہ یہ ہونہار شاگرد وقت کا مایۂ ناز عالم ہوگا' اور اس سے علوم دین کی اشاعت ہوگی۔ چنانچہ نہایت شفقت و محبت سے فقہ' حدیث' تفسیر و دیگر علوم و فنون کی تکمیل کروادی۔

آپ اپنے محسن اعلیحضرت سے رخصت و اجازت لیکر علم کی امانت اور ورثۂ انبیاءؑ کے ساتھ وطن لوٹے۔ اور پرنام بٹ کی چوک مسجد میں ۱۳۱۶ھ میں امام و قاضی مقرر ہوئے۔ اور اس منصب امامت و قضاء پر مدت العمر قائم رہے۔ پڑھنا پڑھانا اور علوم دین کی اشاعت کو آپ نے اپنی زندگی کا اہم جزء بنایا تھا۔ کئی ایک مدرسوں کی نظامت بھی آپ کے ذمہ تھی۔ مدرسۂ اشاعت الحسنات اور مدرسۂ عربیہ دار العلوم پرنام بٹ آپ کی یادگار ہیں۔ جہاں سے ان گنت علماء و حفاظ نے آپ سے اکتسابِ فیض کیا اور علم کی دولت سے مالا مال ہوئے اور آج بھی یہ چشمۂ فیضان جاری ہے۔ آپ ساری عمر پڑھاتے رہے۔ پڑھنے پڑھانے کے علاوہ فتویٰ نویسی آپ کا محبوب مشغلہ رہا۔ مدرسوں کی نظامت صبح سے شام تک پڑھانا اور فتویٰ نویسی یہ سب خالصاً لوجہ اللہ تھے۔ اس پر کوئی معاوضہ آپ نے کبھی نہیں لیا۔ فتوے نویسی میں اللہ نے وہ کمال عطا فرمایا تھا کہ "فقیہ الامۃ" کہلائے۔ چنانچہ آج بھی فتویٰ بشیریہ آپ کی یادگار غیر مطبوعہ تالیف ہے۔ آپ کے علم و تفقہ پر اپنے اساتذہ کو اس قدر اعتماد تھا کہ جب کوئی فتویٰ قصبۂ پرنام بٹ کا مدرسۂ لطیفیہ کو آتا تو اعلیٰحضرتؒ فرماتے تھے کہ ہمارے شاگرد مولوی بشیر الدین احمد صاحب وہیں تو ہیں' انہیں سے پوچھ لیا ہوتا۔

اتباعِ شریعت و وضعداری اور منصبوں کی ذمہ داری کی ادائیگی میں آپ اپنی مثال تھے۔ علماء و صلحاء سے بے حد محبت تھی اور حضرات سادات کا بے حد احترام کرتے تھے۔ اپنے اساتذہ اور حضرات مکان حضرت قطب ویلور سے تو والہانہ عقیدت و محبت تھی اور فرطِ ادب سے کبھی ان سے آگے کھڑا ہونا پسند نہیں کرتے تھے' اس کے باوجود یہ لطیفہ مشہور ہے کہ جب آپ حضرت مکان تشریف لاتے' اور اعلیحضرت کا شرف ملاقات حاصل کرتے تو جب تک آپ رہتے اعلیحضرتؒ آپ ہی کو امام بناتے تھے اور آپ کی قرأت و تجوید سے اعلیحضرت بہت محظوظ ہوتے تھے۔

اعلیحضرت سے آپ کو اس قدر عقیدت و محبت تھی کہ ایک وقت کا ذکر ہے کہ آپ بیمار ہو گئے۔ کئی ایک علاج کئے گئے۔ مگر اس سے افاقہ نہ ہوا۔ خواب میں آپ نے دیکھا کہ اعلیحضرت تشریف فرما ہیں اور ایک خاص نسخہ کی طرف رہنمائی فرما رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صبح بیدار ہو کر وہی اجزاء منگوا کر استعمال کرنا شروع کیا بفضل خدا صحت ہو گئی۔

۱۳۷۰ھ میں آپ نے زیارت حرمین سے فراغت حاصل کی اور بتاریخ ۱۴ رجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۹۵۵ء روز پنجشنبہ اسی سال کی عمر میں واصل بحق ہو گئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

جناب حکیم غلام غوث شریف صاحب

مولانا مولوی مفتی حکیم محمد غلام غوث شریف صاحب قادری ویلوری بشمس العلماء حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف صاحب قادری کے زیر سرپرستی آپ نے دارالعلوم لطیفیہ میں تعلیم پائی۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم لطیفیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے وقت آپ کی عمر صرف انیس ۱۹ سال تھی۔ اسی عمر میں علم وفن کے تمام شعبوں میں آپ نے کمال حاصل کر لیا تھا۔ حکمت وطبابت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تو آپ کو تمام علماء کرام و مشائخ عظام کی موجودگی میں نماز جمعہ کا خطبہ اور نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا۔ ایسے باعظمت بزرگان دین کی موجودگی میں جہاں بڑے بڑوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور قدم ڈگمگا جاتے ہیں اس نوعمر فارغ التحصیل نے بڑے ثبات و استقامت کے ساتھ خطبہ دیا کہ جیسے کوئی بڑا مشاق اور کہنہ مشق خطیب ہو۔ اس سے آپ کی اولوالعزمی وحوصلہ مندی کا اندازہ ہوتا ہے کہ بچپن ہی سے ستارۂ بلندی آپ کے ناصیۂ اقبال میں چمک رہا تھا۔ بڑی خداداد صلاحیت آپ کو حاصل تھی۔ علم وفن کے ہر شعبہ اور موضوع پر برجستہ بڑی تحقیق وسند کے ساتھ کلام کرتے تھے۔ طبیعت بہت موزوں اور حاضر پائی تھی۔ بڑے بڑے مسائل ومشکلات کا حل بآسانی کر دیتے۔ آپ کے اس تبحر علمی کو دیکھ کر لوگ متاثر ہوتے۔ آپ دارالعلوم لطیفیہ کے دارالافتاء کمیٹی کے ایک معزز رکن تھے۔ افتاء کے فرائض بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ آپ ایک قابل اور حاذق حکیم بھی تھے اور اس لحاظ سے بھی آپ کی ذات بڑی پرفیض تھی۔ آپ کا ایک واقعہ اس طرح مشہور ہے کہ ایک مرتبہ آپ سخت بیمار ہوئے کہ زندگی کی کوئی امید نہ رہی اس عالم یاس وناامیدی میں لوگوں کو ضروری تلقین وصیت کرتے ہوئے حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد اور تصور میں نیند آگئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت فرماتے ہیں کہ مولوی صاحب مایوس اور غمگین مت ہو تمہیں صحت وشفا حاصل ہوگی۔ اور خلق خدا کو تمہارے ذریعہ بہت فیض پہنچیگا۔ جب آنکھ کھلی تو اپنے کو بالکل صحت مند پایا کہ مرض کا کوئی اثر نہ تھا۔ یہ حضرت کا تصرف تھا کہ جیسی بشارت آپ نے دی ویسا ہی واقع ہوا۔

آپ حضرت مولانا ابوالفتح سلطان محی الدین سید شاہ عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے پہلے مرید اور خلیفہ تھے۔ سنہ ۱۹۵۲ء میں آپ شہر ویلور میں واصل بحق ہوئے۔

آپ کی اعلیٰ صلاحیت وقابلیت کی بنا پر قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا گیا جسے آپ نے قبول کیا اور عرصۂ دراز تک اس کے بھی فرائض انجام دیتے رہے۔ عجب خداداد قوت فیصلہ آپ کو حاصل تھی۔ بڑی بڑی پیچیدہ گتھیاں جس کے سلجھانے میں اچھے اچھے لائق وفائق لوگ حیران وعاجز رہ جاتے آپ اپنے ذہن ثاقب کی بدولت معاملات کا گہری نظر سے جائزہ لیکر اسکی تہ تک پہنچ جاتے اور صحیح وباطل کا پوری طرح امتیاز کر دیتے کہ کسی کو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخلاق اور انسان

از
حافظ محمد کمال الدین۔ عارف
بلسانجیوری
متعلم دارالعلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور قدس سرہ العزیز

الحمدللہ الذی جعل لکل شیئ سببا۔ وانزل علی عبدہٖ کتابا عجبا، فیہ من کل شیئ حکمۃ ونبا، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد اشرف الخلیفۃ عجما وعربا وازکہم حسبا ونسبا، وعلیٰ آلہٖ واصحابہ السادۃ نجبا ؏

فقد قال تعالیٰ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○

اللہ کی سرتا بقدم شان ہیں یہ ،
ان سا نہیں انسان ، وہ انسان ہیں یہ
قرآن یہ کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ
ایمان یہ کہتا ہے میری جان ہیں یہ

انسان ہمیشہ حقیقت کا متلاشی رہا ہے۔ تاریخ انسان میں ایسا کوئی دور نہیں ، جب یہ دنیا ایسے لوگوں سے جن کے جویا (ڈھونڈھنے والے) ہوتے ہیں بالکل خالی رہا ہو --اس دنیا میں ہمیں جو کچھ ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے ، اسی کو ہر انسان نے سب کچھ سمجھ لیا ہے ایسا کبھی نہیں ہوا۔ تاریک سے تاریک دور میں بھی انسان کسی نہ کسی مافوق الطبعی طاقت یا ہستی پر یقین رکھتا ہوا نظر آتا ہے۔ انسان نے ہمیشہ اس سچائی کو جاننے اور اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے ، جو اس مادی دنیا کی پشت پر ہے حقیقت کی تلاش میں انسان نے غور وفکر اور کاوشوں سے بھی کام لیا ہے۔ اور اس کے لئے اس نے بڑی سے بڑی ریاضتوں سے بھی گریز نہیں کیا۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانی دنیا میں آج حق اور سچائی کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ انسان کے اپنی ذاتی غور وفکر اور ریاضتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ ان برگزیدہ ہستیوں کا فیض ہے اور اس کی صدائے بازگشت ہے جنہیں دنیا نبی اور رسول کے نام سے یاد کرتی ہے۔

اسلام جس کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ، حقیقت کے جاننے والے اور انبیاء علیہم السلام کے دکھائے ہوئے راستے کی طرف رہنمائی حاصل کرنے کا وہی ایک مستند ذریعہ ہے۔ اسلام وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس سے انسان اپنے ظرف کے مطابق علم و بصیرت کی روشنی حاصل کرسکتا ہے حسن اخلاق کا متلاشی انسان اسلام سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

عالم اسلام کی تاریخ جاننے والوں پر روشن ہے کہ اس دنیائے اخلاق وشرافت میں ایسے ایسے سلاطین و خلفاء گذرے ہیں جن کی سطوت وجبروت کی یاد آج تک تازہ اور زبان زد ہے۔ اور جن کے رعب جلال کے دبدبے اب تک خلوت میں جاگزیں ہیں ، لطف یہ کہ سطوت وشجاعت کے ساتھ ساتھ رعب جلال شاہی کے قدم بقدم ان کی زندگی میں اخلاق وایثار، ضبط وتحمل اور ادب رموز صداقت پسندی کے بھی ایسے نمونے ملتے ہیں ، جنکی نظیر دوسری قوموں کی تاریخ مشکل سے پیش کرسکتی ہے۔

غرض اخلاق وہ چیز ہے کہ زندگی کی ہر شئے میں اور واقعات

کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہیں۔ دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرۂ اخلاق کی وسعت ہے۔

اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس اس کو اختیار کرے تو اس پر اس قدر استقلال کے ساتھ قائم رہے کہ گویا وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جائے۔ انسان کے سوا دنیا کی تمام مخلوقات صرف ایک ہی قسم کا کام کر سکتی ہے اور وہ فطرۃً اسی پر مجبول (پیدا کی گئی) ہے۔ آفتاب صرف روشنی بخشتا ہے۔ اس سے تاریکی کا صدور نہیں ہو سکتا۔ رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے، وہ روشنی کی علت نہیں، درخت اپنے موسم ہی میں پھلتے ہیں، اور پھول ایام بہار ہی میں پھولتے ہیں، اور حیوانات کا ہر ایک ایک فرد اپنے نوعی افعال و اخلاق سے ایک سر مو تجاوز نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان خدا کی طرف سے خود مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہے، اور رات کی تاریکی بھی۔ اس کے جوہر کا درخت ہر موسم میں پھلتا ہے اور اس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہیں۔

وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہیں، اس کو اختیار دیا گیا ہے، اور یہی اختیار اس کے مکلّف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لئے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے اس کی شدت سے پابندی کرے، اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر قائم رہے کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے، اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کر لے کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور

کوئی بات سرزد ہو ہی نہیں سکتی۔ کہ یہ خصوصیت ان سے کسی حالت میں بھی الگ نہیں ہو سکتیں۔ غرض اب تک دنیا کی ہر حقیقت کے بارے میں لوگوں کی مختلف رائیں ہوئی ہیں اور لوگ مختلف خیالات رکھتے رہے ہیں لیکن اخلاق ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بارے میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں۔ زمین کے بارے میں کسی نے کہا کہ چپٹی ہے کسی نے کہا گول ہے۔ سورج کے بارے میں کسی نے کہا کہ متحرک ہے کسی نے کہا ساکن ہے۔ آسمان کے بارے میں کسی نے کہا کہ ٹھوس ہے، اور کسی نے کہا ٹھوس نہیں ہے۔ انسان کے بارے میں کسی نے کہا کہ مرنے کے بعد زندہ ہوگا کسی نے کہا یہ ناممکن ہے حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کے بارے میں کسی نے کہا "ہے" اور کسی نے کہا "نہیں"۔ لیکن اخلاق ہی انسان کا اصلی زیور یا اس کا حقیقی حسن ہے۔ اس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ خواہ وہ خود اخلاقی اعتبار سے کتنا ہی پیچھے کیوں نہ ہو۔ اگر آپ ایک جھوٹے شخص سے پوچھ دیں کہ بھائی کیا جھوٹ بولنا اچھی بات ہے۔ تو وہ کبھی اثبات میں جواب نہیں دے سکتا۔ اگرچہ وہ عملاً اس کا شکار ہے۔ اگر آپ ایک بے ایمان یا خائن سے یہ دریافت کریں، کہ بھائی کیا بے ایمانی یا خیانت پسندیدہ چیز ہے؟ تو سوائے اس کے کہ وہ شرم و غیرت سے سر جھکا لے، یا نفی میں سر ہلا دے، یا اپنی کوتاہی کا اقرار کر لے اور کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

غرض اخلاق ایک ایسی حقیقت ہے جس کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوئیں اور نہ کبھی ہونے کا اندیشہ ہے۔

غرض انسانیت اخلاق ہی کی ایک تعبیر ہے۔ اخلاق کے بغیر انسان کا تصور ایسا ہی ہے جیسا کہ حرارت کے بغیر آگ کا تصور یا ٹھنڈک کے بغیر برف کا تصور، اگر یہ صحیح ہے کہ حرارت کے بغیر

آگ کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے اور ٹھنڈک کے بغیر برف کا تصور ناممکن ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ انسانیت کا تصور بھی بغیر اخلاق کے محال ہے۔ اگر کوئی انسان اخلاق سے بیگانہ ہے تو وہ انسانی شبیہ تو ہو سکتا ہے پر انسان نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان ایک پھول ہے تو اخلاق ہی اس پھول کا رنگ و بو ہے۔

اگر انسان ایک درخت ہے تو اخلاق ہی اس درخت کے برگ و بار ہیں۔ اگر انسان ایک چراغ ہے تو اخلاق ہی اس چراغ کا روغن ہے۔ اگر انسان ایک انجن ہے۔ تو اخلاق ہی اس انجن کی سٹیم ہے۔ اگر انسان ایک کائنات ہے تو اخلاق ہی اس کائنات کا آفتاب ہے۔ غرض ایک انسان بغیر اخلاق کے اور کچھ ہو تو ہو مگر انسان نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مومنانہ زندگی کے لئے اخلاق کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔ ذرا سوچئے تو سہی، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "میں اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں"۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ۱۲۔

گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے یا بالفاظ دیگر اسلام کے آنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ دنیا میں اخلاق کی جڑیں مضبوط ہوں، اور اخلاق کے جو گوشے ناقص یا نامکمل ہیں ان کی تکمیل ہو، اور بداخلاقیوں کا یکسر خاتمہ ہو جائے۔ چنانچہ شارع علیہ السلام نے یہ کام پوری سرگرمی اور دلسوزی سے کیا۔ خود بھی اخلاق کا پیکر اور خوبیوں کا اعلیٰ ترین نمونہ بنکر دنیا کے سامنے آئے اور معتقدوں کو بھی اس کی تلقین و تاکید کی اور موقع بہ موقع مختلف انداز میں اس پر ابھارتے رہے۔ (الحسنة)

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اقدس اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ کے اعتبار سے دنیا کے تمام مصلحین سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر بآسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ انتہائی بے سروسامانی اور سخت مخالفتوں کے باوجود آپ کے کامیاب ہونے کا بہت بڑا سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کمالِ خلق تھا جو آج تک دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

یہاں ہم نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول نقل کرتے ہیں جو کہ اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے انسان کو جو راستہ دکھلایا ہے، وہی زندگی کا سیدھا اور فطری راستہ ہے۔

حسن اخلاق کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات کو آپؐ کے لائے ہوئے احکام کی تابع کردیں۔ آپ فرماتے ہیں: بعثت لاتمم مکارم الاخلاق، اخلاق حسنہ کی تکمیل کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیکر آپ نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ کہ انسان کی زندگی ایک کل ہے۔ اور اخلاق کی حیثیت اس مشین میں گویا Main spring کی ہے۔

انسان کی کامیابی اسی بات میں مضمر ہے کہ اس کے سارے اعمال و افعال اور اس کے جملہ حرکات و سکنات سے ہی بنیادی اور حقیقی مفہوم و معنیٰ کا اظہار ہو۔ اس کے سارے ہی اعمال اخلاق حسنہ کے تابع ہوں۔

اخلاق کا تصور شعور و ارادہ اور اختیار و آزادی کے بغیر ممکن نہیں۔ اخلاق حسنہ سے مراد ارادہ و اختیار کا صحیح اور بہترین استعمال ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ انسان کو اپنی حقیقت اور

اپنی زندگی کا اصل غرض وغایت کا علم حاصل ہو۔ اسی لئے آدمی انبیا علیہم السلام کی رہنمائی کا محتاج ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے انسانی زندگی کو مختلف اکائیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ایک کُل قرار دیا ہے۔ رنگ و بو پھولوں کے لئے بار نہیں ہوتے، اسی طرح حسن اخلاق بھی انسان کے لئے بار نہیں۔ بلکہ اس کی زندگی کا حقیقی حسن و جمال ہے۔ زندگی میں دلکشی و رعنائی اخلاق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ پھولوں سے اگر رنگ و بو مطلوب ہے، تو وجودِ انسانی سے جس بات کا مطالبہ ہے وہ حسن اخلاق کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں ہمدردی، غمخواری، دل سوزی وغیرہ جملہ محاسن اخلاق کو عین ایمان اور اسلام قرار دیا گیا ہے۔

اخلاق کے جامع وسیع اور ہمہ گیر تصور کو قرآن مجید میں مختلف انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد ہوا ہے "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝" (القرآن) بلا شبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے بہترین مرتبہ پر فائز ہیں۔ اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ ہے کہ آپ اخلاق کے اعتبار سے حد درجہ بلند ہیں۔ آپ کا ہر عمل ایک اصلی نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ایک طرف اپنے رب کے حد درجہ شکر گذار اور مطیع و فرماں بردار ہیں، تو دوسری طرف بندگانِ خدا کے لئے آپ نہایت خلیق اور دردمند واقع ہوئے۔ آپ اخلاق کے جس مرتبہ پر فائز ہیں اس کی بلندی اور عظمت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ اخلاق و کردار بھی ہمارے پیش نظر ہو جس کا مظاہرہ آپ کے مخالفین کی جانب سے ہو رہا ہے۔ زندگی میں اخلاق محاسن کا پایا جانا رشد و ہدایت کی دلیل اور انسان کا اخلاقی اوصاف سے عاری ہونا اس کی ضلالت و گمراہی کا کھلا ہوا ثبوت ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا بدترین اخلاق اس بات کا پتہ دے رہا تھا کہ وہ ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، فرمایا گیا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (قرآن)

تمہارا رب اُسے بھی بخوبی جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یاب لوگوں سے بھی بخوبی واقف ہے، اس کے بعد مخالفین کی بدترین اخلاق کی تصویر کشی خاص انداز سے کی گئی ہے ۱۲

تم تکذیب کرنے والوں کا کہنا نہ ماننا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو .... اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ ماننا جو بہت (جھوٹی) قسمیں کھانے والا ہے ..... طعنے دینے والا ہو۔ چغلیاں کھاتا پھرتا ہو، نیک کاموں سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، گناہوں کا ارتکاب کرنے والا، سخت خو، علاوہ ازیں بد ذات ہو۔ اس سبب سے وہ مالدار اور اولاد والا ہو۔ جب اسے ہماری آیتیں سناؤ تو کہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں۔

اوپر کی تشریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اخلاق کو اگر انسان کی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے، تو اسلام نے بھی اس کی بنیادی اہمیت کو باقی رکھا ہے۔ بلکہ اس سے اور زیادہ وسعت اور بلندی عطا کی۔ اسی طرح اسلام کی جملہ تعلیمات اور اس کے احکام میں بڑی وسعت اور بلندی پائی جاتی ہے۔ اب آپ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو، کہ میری بعثت حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے ہوئی ہے ۱۲۔

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپ کو سخت سے سخت تکالیف نہیں پہنچاتے تھے؟ آپ کو مجنون کہا، پاگل کہا۔ مگر اللہ رب العزۃ نے ان کی اس بیہودہ اور لغو اعتراضات کا نہایت معقول جواب دیا ہے کما قال تعالیٰ فی کلامہ القدیم وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

اس آیت کریمہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت کی تشریح کی جارہی ہے کہ جن لوگوں نے ایسی جلیل القدر شخصیت پر جنون کی تہمت لگائی وہ خود ہی بڑے بے عقل اور مجنون ہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اس کامل و مکمل انسان کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف جمیلہ اور شمائل کس اعلیٰ درجے پر پہنچے ہیں، کہ ہر ایک خواہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا اجنبی، دل سے اس کا اعتراف و اقرار کر رہا ہے تو پھر ایسے شخص کو مجنون کہنا، خود مجنون اور پاگل ہونے کی دلیل ہے۔ اور کبھی کسی نے تاریخ عالم میں ایسے انسان کو دیکھا یا سنا ہے کہ کسی مجنون کا مرتبہ اخلاق و کردار کے اعتبار سے اسوۂ حسنہ بننے کے قابل ہوا اور اس پہ "خلق عظیم" کا اطلاق ہوا ہو۔

حضور علیہ السلام کے اخلاق حسنہ کے متعلق وہ روایت کافی ہے جو حضرت ابوالدرداء نے بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے؟ فرمانے لگیں کان خلقه القرآن کہ آپ قرآنی تعلیمات و احکامات کے پیکر مجسم تھے۔ گویا آپ کی زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارا ہے۔

مگر کبھی آپ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور وہ کام کیوں نہیں کیا؟ یعنی مجھ سے کبھی کسی بات پہ باز پرس نہ فرمایا۔

بہر کیف، انک لعلی خلق عظیم کی مجسم تصویر دیکھنی ہو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی پہ روشنی ڈالو، نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی کا جائزہ لو اور اس کے ہر گوشے پر گہری نظر ڈالو۔ پھر نبوت کی زندگی کے ابتدائی تیرہ ۱۳ سال پہ سوچو، کس طرح مخالفین نے ایذا پہنچائی اور اس حلم و عفو کے پیکر نے صبر کیا، اور درگذر فرمایا۔

پھر مدنی زندگی کے کامل دس برس باوجود شاہانہ حیثیت کے کس طرح سادہ معاشرت اور سیدھی سادھی معیشت میں گذار دیا، اس آیت کریمہ میں پوری سیرت النبی سمیٹ کر اس طرح محفوظ ہوگئی ہے کہ جب تک انا له لحافظون، کا وعدہ رہے گا اس وقت تک ورفعنا لك ذكرك کا بھی دنیا نظارہ کرتی رہے گی۔

آخر میں ایک انگریز مفکر کے قول کو بھی پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، جس کا نام ونسٹن چرچ ہے، کہتا ہے کہ انسان کو لازم ہے کہ وہ اخلاق کے دائرے میں رہے اگر انسان کے پاس سب کچھ ہے، مگر اخلاق نہیں ہے تو وہ سب اس کے لئے بیکار ہے، پھر کہتا ہے:-

If Wealth is lost, nothing is lost!
If Health is lost, something is lost!!
If Character is lost, Everything is lost!!!

حضرت رسالتمآب ﷺ کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہے جہاں اگر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علاحدہ ممتاز

ما انت بنعمة ربك بمجنون وان لك لاجرا غير ممنون۔

نظر آتی ہے۔ تاریخ ہستی کا ثبوت ایکطرف، اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظوں کا خود عملی نمونہ کیا تھا تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائیگی۔

گوتم بدھ کون تھا۔ وہ تنہا حق کی تلاش میں نکلا تھا اور اس کی دوران حیات آدھی دنیا نے اس کے قدموں پہ سر جھکا دی تھی۔ ان افراد کے نام سے قوموں کے نام روشن ہیں۔ قومیں تباہ ہو گئیں۔ آج ان کا نشان بھی باقی نہیں۔ مگر مخصوص ہستیوں کے نام ابھی تک موجود ہیں کیوں؟ اس لئے کہ وہ اخلاق کے دائرے میں رہ کر اپنا نام روشن کیا اور لوگ بھی ان کے نام کو (زندہ) روشن کرتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اعلٰی اخلاق کا نمونہ تھے۔

دیکھیئے انسانی کردار بلند کرنے میں اسلام نے بہت بڑا حصّہ لیا ہے۔ اسلام کے نزدیک کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے اخلاق بلند نہ ہوں۔ چنانچہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انسان کو جو چیزیں دی گئیں ہیں ان میں سے سب سے بہترین چیز کونسی ہے حضورؐ نے فرمایا "خوش خلقی"۔ ایک خطبہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ جنت میں بدخلق، بدگو اور سخت گو انسان داخل نہ ہوگا۔ گویا ایک مسلمان کی عاقبت اور فلاح کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ اسکے اخلاق بلند ہوں بدخوئی سے وہ پرہیز کرے اور بدکلامی سے محترز رہے!

مندرجۂ بالا حدیث سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام نے اخلاق کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ اشاعت اسلام کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ اسلام کو زیادہ تر فروغ، اسی لئے حاصل ہوا کہ اسکے متبعین کے اخلاق اس قدر بلند تھے کہ غیر مسلم اقوام بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ لیکن افسوس کہ آج مسلمان اپنی اس امتیازی خصوصیت کو ترک کرتے چلے جا رہے ہیں۔

اب میں ایک اور دو اقوال پیش کردوں تاکہ اندازہ لگ جائے کہ اخلاق کیا ہیں؟ اخلاق کی برائی عمل کو اس طرح برباد کر دیتی ہے جیسے کہ سرکہ شہد کو! ہر گناہ کی توبہ ہے، لیکن بداخلاقی کی توبہ نہیں۔ انسانوں میں سب سے اچھا انسان وہ ہے، جو کہ اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔ کہنے والے نے خوب کہا ہے

دیکھ کر اخلاق کو اور آپ کے اوصاف کو
غیر بھی کہتے ہیں، تم ہو رحمتؐ للعالمین

پس مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہم تمام مسلمانوں کو نیک توفیق اور نیک عمل اور با اخلاق زندگی گذارنے کی توفیق وہدایت عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین بجاہ نبیک سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین،

از: حافظ محمد کمال الدین عارف
بلنجپوری

خالقِ لیل و نہار نے ہر ذرہ ذرہ کو وجود بخشا۔ پھر موت کے گھاٹ اسی نے اُتارے۔ دنیا کی ہر چیز ایک وقتِ مقررہ معین ہے جب وہ اپنے آخری لمحات پر پہنچتی ہے تو بحالتِ مجبوری موت کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ ہر چیز کی موت گویا کل من علیہا فان کی تفسیر ہے کسی بھی شئی کی بقا ناممکن ہے۔ ایک رختِ سفر ضروری ہے۔

موت ہی ایک ایسی بے رحم اور ظالم شئی ہے کہ دنیا کی ہر چیز اس سے عاجز! حتیٰ کہ معصوم انبیاء بھی اس سے چھوٹ نہ سکے۔ نہ ہی شہداء کے لئے کوئی نجات کی راہ نکل سکی۔ نہ ہی صالحین اس آہنی پنجہ پر قابو پاسکے۔ اور نہ ہی جابر و ظالم سلاطین اس شکنجہ سے منہ پھیر سکے۔ باغی اور سرکشوں نے اس کا آخری روپ دیکھا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں، گردنیں سجدہ ریز ہوگئیں، ناک کٹ گئے۔

دُنیا کی ہر چیز گویا مقصد کے تحت وجود میں آئی جس لمحہ قدم منزلِ مقصود پہ پہنچا تو موت کے نقارے نے آواز دی، تو ہر ایک کا قدم کوچ کرنے پر بڑھا۔ جو مقصد پیش نظر تھا اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ ہوسکی۔ وفاداری کا سچا نمونہ ہر ایک نے چھوڑا۔ اور مصروفِ کار رہے اور ہیں۔ رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے ستارے ڈوبتے ہیں تو آفتاب نکل آتا ہے۔ خزاں کے بعد بہار آتی ہے۔ گرمی ختم ہوتی ہے تو جاڑے آتے ہیں۔ پھول اپنے اپنے وقت پر کھلتے اور مُرجھاتے ہیں۔ قبل از وقت ان پر بگاڑ پیدا ہوجائے تو فنا کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح جب روئے زمین پر گناہوں کی ظلمت اور برائیوں کی تاریکی آب و تاب کے ساتھ پھیلنے لگتی ہے تو صبح کا نزدیک ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس دنیائے فانی میں کسی بھی چیز کی بقا نہیں۔ یہی بات تھی کہ عنترہ کے قلم نے بھی ان انوکھے الفاظ پر جنبش کی۔ اس پہ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعریفی کلمات فرمائے۔

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل
وکل نعیم لا محالۃ زائل

جب گناہوں کی تاریکی ہر طرف وباء کی شکل اختیار کرچکی تھی تو انبیائے صادقین اسکی دواء بنکر نمودار ہوئے، اور اس کے خاتمہ کی فکر کرتے رہے۔ جو آج بھی تاریخ کے سنہری باب بنے ہوئے ہیں۔ تاریخ ان کی کدوکاوشوں سے فراموش نہیں ہے۔ وہ واقعات اور قرآنی آیات انسانی زندگی کے طور طریقے سکھلاتے ہیں اور مشعلِ راہ بن کر تعلیم دیتے ہیں۔ اگر انسان ان سے اعراض کرلے تو بدبخت اور کج فہم ہوگا۔ اعراض کرنا گویا بربادی کا پیش خیمہ ہے۔ قرآن متنبہ کرتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسہم خدا نے آج تک کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلی جبتک کہ وہ خود اپنی حالت اپنے ہاتھوں نہ بدل لے۔

آئیے اب ہم ان باغیوں کا خاکہ پیش کریں جن کا انجام باشندگان دنیا کے لئے ایک عبرت خیز امر سے کم نہیں، اور ان کی کج فہمی پر اشکوں کو ڈھلائیں۔

۱ے ایکطرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تن تنہا سنگلاخ زمین پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ لا الٰہ الا اللہ، دوسری طرف دشمن خدا شہنشاہ وقت، انا الحق کا مدعی، نمرود جس میں جذبۂ انتقام نے جنم لیا تھا، اور اسی کے سہارے لشکر جرار کا غرور اور گھمنڈ قتل و خون پر اُبھار رہا تھا، نمرود کے پروردہ سپاہی للکار کر کہہ رہے تھے، اس باغی کو جلا کر خاکستر کر دیا جائے۔ قوت بازو پر فخر نے ناجائز حرکت کو عمل میں لایا۔ اور اس ایک امر کے منتظر دم توڑ رہے تھے کہ وہ وقت کب دیکھنا نصیب ہو۔ لفظ "ہاں" کے منتظر نوجوانوں نے آتش کدہ روشن کیا۔ مگر کچھ ہی دیر میں وہ گل گلزار بن چکا۔

؎ آں کہ لطف خویش را اظہار کرد
بر خلیلش نار را گلزار کرد

مدعی خدا کے ظلم و ستم کافور ہو چکے۔ اس انوکھے واقعہ نے انسانوں کے ذہنوں کو بُری طرح جھنجوڑا۔ وقت کا تقاضہ تھا کہ بادشاہ کا سر ندامت سے جھک جاتا جس کی بغاوت اسی ہلاکت کی منتظر تھی جس کو دیکھ کر آنکھیں پتھرا گئیں۔ افسوس کہ بدبخت کے اعضا پتنگوں کے مسکن ٹھہرے، اس کے ظلم و عدوان نے اپنا مہمان "پتنگا" بنایا۔ گویا اس طرح کہ ایک مچھر چالیس دن تک اس کا دماغ کھا رہا تھا۔ اور چالیس دن کی تکلیف نے زندگی سے ہاتھ دھونے پر مجبور کر دیا۔ بغاوت کی یہی آخری گھڑی تھی جو آخری منزل پر اپنا روپ کھلائی اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غائب ہو گئی۔

یہ واقعہ انسانی دل و دماغ پر کافی مؤثر ثابت ہوا، دنیا کی ہر چیز نرالی دکھائی دی۔ دنیا والوں نے بزبان حال یہ کہا کہ کیا یہ ادنیٰ پتنگا بھی موجب ہلاکت ہو سکتا ہے؟ انکار تو درکنار دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ ایسے کیوں؟ یہی کہ آج بھی یہ واقعہ ہمارے آگے روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ تاریخی واقعات آج بھی یہی تعلیم دیتے ہیں کہ دنیا نے ایسوں کو کبھی جنم دیا ہے جو آنے والی نسل کیلئے عبرت سے کچھ کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کہتا ہے

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۲ے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی، آپ کے بعد قوم و نسل کے لئے ایک معمہ بن گئی جس کا حل کوئی زبان کما حقہ نہیں کر سکتی تھی۔ آپ کی زندگی اور قوم کی نافرمانیوں پر ایک اجمالی نظر ڈالیں تو کچھ درد انگیز واقعات کا ظہور ہوتا ہے کہ بے ساختہ یہ الفاظ نکل جاتے ہیں کہ "اے خدا ایسی نافرمان اور سرکش قوموں کے لئے بھی دنیا میں کوئی جگہ تھی"۔

وہ دن دور نہیں جبکہ بغاوت و سرکشی اپنے حدود کو پھاندتے ہوئے دنیا کی ہر شے سے ٹھوک کر ٹکر لے اور ہلاکت کے عمیق غار میں کود پڑے۔ حدود اللہ سے تجاوز۔ آیت ہلاکت، آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بن کر نمودار ہوتی ہے اور سطح خاکی کو اس کے وجود سے گمنام کرنے پر تل جاتی ہے۔ باغیوں کا انجام اور نافرمانیوں کی ہلاکت خیزیاں جن کا تعلق پڑھنے اور سننے سے رکھتا ہے، آنکھیں دیکھنے کے لئے، کان سننے کیلئے، دل و دماغ سوچ بچار کے واسطے تیار نہیں ہونے پاتے۔ سناٹا چھا جاتا ہے۔

آئیے ہم اس بات کا سراغ لگائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمان اور باغی قوم کون تھی؟ ....

متکبّر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اور خدا کو خدا کہنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی دعوتِ توحید کو سرے سے دھتکار دیا، اور آپکے خون کا پیاسا بنا مارا مارا پھرا۔ مگر اپنی مراد بر آری نہ ہو سکی۔ فوجی لشکر سے آراستہ، قوت بازو پر فخر و ناز نے دنیا والوں کو عبرت کا سامان مہیا کیا۔ وہ قوم سخت جانی کے ساتھ سنگدل بھی ثابت ہوئی۔ اس قوم نے پتھروں کے سینوں کو پھٹتے اور ان کی چھاتیوں سے میٹھے پانی کا دُودھ بہتے دیکھا اور پیا، مگر پھر بھی اس کے سینہ کا دل پتھر ہی رہا ـــــــ یہی وجہ کہ قرآن اپنے دور میں طعنہ دیا تھا فھی کالحجارۃ او اشدّ قسوۃ، ان کے دل پتھروں کے مانند بلکہ ان سے زیادہ سخت ہیں۔

آخر نتیجہ یہ نکلا کہ دریائے نیل کے لہروں نے اپنے آغوش میں لے لیا۔ کج فہم ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گہری نیند سو گیا۔ گہوارۂ نیل نے بھی یہی سمجھا کہ وہ جُبّہ جس میں بغاوت و سرکشی کی بدبو لپٹی ہوئی ہو، اور وہی منکر خدا بھی ہو، یہ ممکن نہیں کہ اس کو اپنے آغوش میں رکھوں۔ یہ کہہ کر اس نے "عاق" کر دیا۔ وہ شخص جس کے اشارے پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں جانیں قربانی کے لئے بے چین ہوں، چند ہی لمحات بعد اس بے حس "جُبّہ" پر سینہ کوبی اور ماتم کی صدائیں چاروں طرف گونج جائیں، کیا کوئی صادق دل اسکی شہادت دے سکتا ہے؟ مگر قرآن اپنا قانون سناتا ہے ذالك بما عصوا وكانوا يعتدون :- یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی، اسی بغاوت کیلئے ہلاکت نے اپنا دامن پھیلایا، اس کی پناہ چل بسی!

؎ آں کہ اعداء را بدریا درکشید

۳ دنیا کا یہی دستور چلا آرہا ہے کہ خوشی کے موقع پر بندہ اپنے رب کو، غلام اپنے آقا کو، شاگرد اپنے استاد کو، مرید اپنے مرشد کو بھلا بیٹھتا ہے۔ یہ انسانی خاصہ ہے۔ یہ تسلیم کرنا پڑیگا، کہ اگر ان کی کرم فرمائیاں نہ ہوں تو خوشی کیسے ہو؟ قرآن کہتا ہے ان الانسان لربه لكنود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ قوم کی عصیاں کاری، انتقام حقیقی پر ابھارتی ہے، گویا انّ بطش ربّك لشديد کی دھمکی صادق آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاندان میں ایک ایسے شخص کو پیدا کیا جو دولت و ثروت سے مالا مال تھا۔ کثرت مال کے گھمنڈ نے راہِ ہدایت سے منحرف کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کارگر نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی گرفت کا آخری وقت آ پہنچا۔ خدا کے حکم سے زمین قارون اور اس کی دولت کو اپنے آغوش میں لے لی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گرفتار ہو گیا۔ اس واقعہ کو قرآن یوں پیش کرتا ہے۔ ان قارون كان من قوم موسىٰ فبغى عليهم واتيناه من الكنوز۔

؎ قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت
نوشیرواں نماند کہ نام نکو گذاشت

خدا نے انسان پر مختلف قسم کی بلائیں نازل کی کہ انسان اپنی ان بدبخت حرکتوں سے باز آئے۔ کبھی قحط سالیاں بھیجیں، تاکہ قوم بیدار ہو سکے۔ اور یہ مکذبین تازیانے کھا کر اپنی حرکتوں سے باز آئے۔ باوجود ان دھمکیوں کے وہ قوم اپنی برائیوں سے باز نہ آئی تو اللہ نے ان پر اپنے کئے ہوئے احسانات کو دہرایا تاکہ وہ اس فراخ دلی سے خوش ہو جائے، اس بار احسان سے ندامت بھی حاصل ہو۔ اور منعم حقیقی کی طرف رجوع کرے۔ جہاں یہ کرم فرمائیاں جنم لیتی ہیں وہیں تغافل اور بدمستی سے دوچار ہوتے ہیں، اور یہی عیش و آرام نے انہیں نشہ میں چور کر دیا۔ اس طرح خالق کو

بھلا بیٹھے۔

یہ انعامات واحسانات صرف قوم موسیٰ (علیہ السلام) ہی کے ساتھ مخصوص تھے۔ ان کے باوجود جو خرابی ان میں پنہاں تھی وہ اس سے باز نہ آتے تھے۔ دعوتِ موسیٰ علیہ السلام کارگر نہ ہوتی تھی۔ آخر حضرت موسیٰ ؑ نے کچھ معجزات بھی دکھلائے۔ قوم نے فیصلہ یہ سنایا کہ آپ جو بھی جادو ہم پر کرلیں کبھی یہ ممکن نہیں کہ آپ کے فریب میں ہم آئیں، یہ فیصلہ گویا ان کے حق میں گمراہی و محرومی پر مداومت کا ثبوت تھا۔ نزول عذاب کا نقشہ اللہ کا کلام اس طرح پیش کرتا ہے:۔

فارسلنا علیهم الطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم آیات مفصلات فاستکبروا وکانوا قوما مجرمین ۞ پس بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون الگ الگ بہت سی نشانیاں پس تکبر کیا انہوں نے اور گنہگار قوم تھی ۔۔۔ یعنی سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے موت کا طوفان ان پر نازل کیا گیا۔

عہ۴ اگر کسی قوم میں اس قسم کے تباہ کن رجحانات نے جنم لیا ہو تو ان کی تنزلی کے لئے یہ کسی بھی قسم کا نیک شگون نہ ہوگا۔ یہ علامتیں اس کے پنپنے کی نہ ہوں گی۔ بلکہ اس قوم کی جڑیں کٹتی ہوئی نظر آئیں گی۔ یہ تباہ کن رجحانات اس کی موت کا پیغام دینگی یہ پیغام اٹل اور آخری ہوگا جو انتہائی پستی کے گڑھے میں ڈھکیل کر امن و سکون کا سانس لیگا۔ جس قوم میں ایثار و تابعداری کا جذبہ نہ ہو بلکہ ان میں حیلہ، مکر، فریب، کرید، اس قسم کی برائیاں سرایت کر جائیں تو ان کا انجام بہت ہی بھیانک اور خطرناک ثابت ہوگا۔

من جانب اللہ قوم بنی اسرائیل کے لئے یہ الٹی میٹم تھا کہ "شنبہ" کے دن شکار اور کسی قسم کا کھیل تماشہ نہ ہو۔ ہم نے اس دن کو تمہارے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ تم عبادت میں مصروف ہو جاؤ۔ اس حکم مانع کی وجہ تو یہی تھی کہ ان کا پیشہ ماہی گیری تھا۔ ان کی عبادت کے لئے ایک دن مخصوص کر دیا گیا۔ انہوں نے اسکی بے حرمتی کی۔ یہ نہیں خیال کیا کہ حکم کس کا ہے؟ اس کی مخالفت کیا نتیجہ لائیگی،

آخر ایک فرد بشر نے اپنے تخیلات کو فروغ دیا اور اپنی اسکیموں میں مگن ہو کر اس کی ناجائز بنا ڈالی۔ آخر اس کی سوچ بچار اس نتیجہ پر پہنچی کہ "شنبہ" کے دن شکار تو نہ کھیلا جائے گا، بلکہ اتنا ضرور کیا جائے گا کہ اس دن سمندر کے کنارے کچھ گڑھے نکالے جائیں کہ مچھلیاں ان میں پناہ لے سکیں، دوسرے دن ہمارا شکار آسان ہو ۔۔۔ عقل انسانی کی یہ کرتب ہر فرد میں بڑی تیزی کے ساتھ اثر کر گئے۔

اولاً یہ صورت سب کے لئے پسند آئی، بعد میں کچھ دانشوروں نے اس سے بھی انکار کیا۔ مثل مشہور ہے کہ جب پانی حد سے تجاوز کر جائے تو بربادی اور ہلاکت اس کا استقبال کرے گی۔۔۔ عتاب الٰہی کی گھڑیاں بڑی بے چینی کے ساتھ منتظر تھیں، کہ سب کے چہرے مسخ کر دئے گئے۔ ان کی شکلیں گویا بندر، اور خنزیر کی ہو گئیں۔ ان کے عقل و ہوش ٹھکانے رکھے گئے، تاکہ یہ جان جائیں کہ عذاب الٰہی ہے، اور اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ ان کے متعلق قرآن یہ فتویٰ دیتا ہے:۔

ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لهم کونوا قردة خاسئین۔

عہ۵ ناس ہو اس قوم کا جو عذاب الٰہی کی وعید پر اس نے استہزاء کی۔ وعید سنانے والی ذات بھی ادنیٰ ذات نہ تھی،

بلکہ اعلیٰ واقع' بالفاظ دیگر ایک نبی اور رسول ہونے کا شرف اسکو
حاصل تھا۔ وہ نبی متنبہ کر رہا تھا کہ عنقریب تمہیں ایک دردناک عذاب
سے دوچار ہونا ہے۔ بدبخت قوم نے اس نبی کے ساتھ تمسخر کیا اور
منعم حقیقی کی باغی بن بیٹھی۔ یہ کس قوم کی تعریف ہو رہی ہے؟ قوم
ہودؑ کی۔

یہی قوم آپ سے کہتی ہے کہ اگر آپ سچے ہیں تو عذاب میں تاخیر
کیا معنی؟ حضرت ہود علیہ السلام قوم کے اس جواب سے بالکل ہی مایوس
ہو چکے اور آپ نے کہہ دیا' تمہاری جہالت اور شقاوت کا پیمانہ اس قدر
لبریز ہو گیا تو انتظار کرو کہ اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ فرما دیگا۔
اس کے بعد قہر الٰہی اس طرح نازل ہوا۔ مسلسل ان پر سات
رات اور آٹھ دن تک آندھی کا طوفان بڑے آب و تاب کے ساتھ آیا'
حتیٰ کہ یہ قوم تہس نہس ہو گئی۔ یہ آندھی ایسی کہ لوگ آپس میں ایک
دوسرے سے ٹکرا کر اور بیخ بیخ کر ہلاک و برباد کر دئے گئے۔ ان
کا نقشہ کلام اللہ اس طرح پیش کرتا ہے۔

وقطعنا دابر الذین کذبوا بآیٰتنا وما کانوا مؤمنین

۶ حضرت ہود علیہ السلام ہی کی طرح حضرت صالحؑ
بھی قوم ثمود کی طرف نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ قرآن گواہی
دیتا ہے کہ والیٰ ثمود اخاھم صالحًا قال یٰقوم
اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ' تاکہ اس
متنفر قوم کو راہ راست پر لا سکے اور ان کی گرتی ہوئی حالت کو
سہارا دے سکے۔ آپ کی ہر طرح کی یہی کوشش رہی کہ ہر ممکن طریقہ
سے یہ قوم دین کی راہ پر گامزن ہو سکے' مگر یہ پوری تدبیریں الٹی
ہو گئیں اور ہر نصیحت پر سیلاب آ گیا۔ شر پسند عناصر نے یہ عہد
و پیمان کیا کہ اس شرط پر ایمان لائیں گے جبکہ آپ ایک ٹھوس
چٹان سے ایک حاملہ اونٹنی نکالیں ورنہ ہم آپ کو نبی کبھی بھی
نہیں کریں گے۔ بظاہر یہ معاملہ "ٹیڑھی کھیر" تھا۔ حضرت صالح
علیہ السلام نے اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور
دعا کی' اس کی تاثیر دیکھیے قد جاءتکم بینۃ من ربکم
ھذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ الخ

پھر آپ نے فرمایا یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت
کی کھلی دلیل ہے۔ حقیقت میں یہ اونٹنی دیگر مویشیوں سے بالکل
علیحدہ تھی۔ اتنی عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جب کبھی وہ
کھیتوں میں نکل جاتی تو دوسرے جانور پراگندہ حال بھاگ
نکلتے جس کنوئیں اور تالاب پر جاتی گویا صفایا کر بیٹھتی۔ جو جس
کے طالب تھے وہی اس سے نالاں تھے' جیسے اسکی پیدائش نرالی
تھی اس کی زندگی بھی انوکھی تھی۔ آخر کار اس کی تنگی سے
اسی کے جان کے درپئے ہو گئے۔ بدبخت "قدار" نامی شخص نے
اس کی کونچیں کاٹ دی۔ فعقروا الناقۃ وعتوا عن
امر ربھم یہ قوم قدرت الٰہی کی بیخ کنی پہ مصر تھی۔ ان پہ
قہر خدا زلزلہ اور چیخ بن کر نمودار ہوا۔ بغاوت کا مزہ قوم نے
پوری طرح چکھ لیا۔

۷ برگزیدہ انبیائے سابقین میں حضرت لوط علیہ السلام
بھی ایک جلیل القدر اور اولو العزم پیغمبر تھے۔ آپ کا سلسلۂ
نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے ملحق تھا۔ یا یوں
کہئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اللہ نے آپکو ملک
سدوم اور اس کے اطراف واکناف پر بحیثیت نبی کے بھیجا تھا۔ وہ
بے حیا قوم جو اپنی زندگی کو گندگی سے آلودہ کر رکھی تھی اس سے اس
کو بچائے' اپنی برائیوں میں یکتا اور یگانہ تھی۔ اس کی بیخ دشمن خدا

شیطانِ رجیم نے ملک سدوم کے باشندوں کے دلوں میں بوئی۔ اور یہ قوم اسی بدفعلی میں گھری رہی۔ ضدی قوم نے کسی کا کہنا نہ مانا۔ ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بها من احد من العالمين۔ آپ نے اپنی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ اصلاح قوم میں صرف کیا۔ مگر اس قوم کے لئے یہ کدو کاوشیں بیکار رہیں۔ نہ معلوم کتنی امیدیں مضمر تھیں۔ ان پر ایک سیلاب ایسا آیا کہ پورا صفایا ہوگیا اور یہ امیدیں یاس سے بدل گئیں۔ سچ ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" قوم نے کہا کہ اگر ہم گندے ہیں تو ہم گندوں میں آپ کو کیا کام؟ لہٰذا آپ اس گاؤں کو خیرباد کہہ دیجئے۔ یہ بدبخت قوم کیا نکالے گی۔ خود معبودِ حقیقی کا حکم ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی اس بستی سے نکل جاؤ، اور حضرت لوط علیہ السلام سے جنہوں نے تعلق رکھا تھا ان میں سے صرف آپ کی بیوی مستثنیٰ تھی، اور وہ خود معذبین میں شامل تھی فانجینٰه واهله الا امرأته من الغابرين،

عذاب الٰہی نے ان کی بستیاں الٹ دیں اور پتھروں کی بارش برسائی گئی۔ اس طرح موت کے گھاٹ اتار دئے گئے۔

۸ جن میں خوف خدا، ایمان بالآخرت نہ ہو دنیا کی سنگین سے سنگین سزائیں اور دھمکیاں ان پر بالکل ناکارہ ہو جاتی ہیں۔ اور ان پر وعظ ونصیحت بالکل "چکنے گھڑے" کی مصداق ہے، انذار کا پھل دیکھ کر مصیبت کے ہونے کا گمان بالکل اس کی کم عقلی کا ثبوت ہے۔ چنانچہ ان کے راہِ راست کی توقع خود کو مشقت میں ڈالنا ہے۔

جب اس قوم کی زندگی کے حالات پر نظر پڑتی ہے تو آنسو خشک ہو جاتے ہیں، اس کا طرزِ عمل حضرت نوح علیہ السلام کے لئے بہت ہی تکلیف دہ تھا، اور آپ ہی کی ایک ایسی ذات تھی مگر باوجود اس کے نتیجہ برا نکلا۔ قدم قدم پر انکار۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوم سے کہا تم نے جن "دیوتا" کو اپنا معبود بنا رکھا وہ تمہارے کبھی مددگار نہ ہوں گے۔

دعوت توحید کی صدا اگرچہ ان کے کانوں کے پردے چاک کرتے ہوئے نکل گئی مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اپنی کدوکاوشوں کی اکارت آپ ہی کی زبانی ملاحظہ ہو: انی کلما دعوتهم لتغفر لهم جعلوا اصابعهم فی اذانهم، و استغشوا ثيابهم واصروا واستكبروا استكبارا یہی وجہ تھی کہ آپ کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے۔ دکھ بھرے دل و زبان سے یہ الفاظ نکل جاتے ہیں انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا الا فاجرا كفارا :-

بیوی کو اپنے شوہر سے، ماں کو اپنی اولاد سے جو الفت ومحبت ہوتی ہے اس کو غیر کیا جانے۔ یہ سوال انہیں کے دل سے کیا جائے کہ ان کی محبت کیسی ہوتی ہے، دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا لخت جگر اور رفیق حیات ہی آپ کی دعوت کے منکر ہو جاتے ہیں۔ بھلا بتائیے تو سہی غیروں سے کیا توقع رکھی جا سکتی ہے؟ بات بہت ہی غور طلب ہے۔ ایسے ہی بیٹے کے لئے دعائیں کی گئیں، منتیں مانی گئیں اور اسی کی خاطر اپنی پیشانی بارگاہِ الٰہی کی چوکھٹ پر بار بار رگڑی گئی، اور رو رو کر التجائیں کی گئیں۔ ان سب تکالیف کے برداشت کرنے کے بعد تمنا پوری ہوتی ہے۔ لڑکا عطا کیا جاتا ہے، اب بتلائیے کہ اس کی خوشی کا کیا عالم ہوگا!

آخر کار وہی لختِ جگر اور جگر گوشہ جس کے لئے ساری مشقتیں سہی گئیں، وہی بغاوت کی روپ میں آ کھڑا ہوتا ہے۔ یہی سرکشی

اور نخوت نیست و نابود کردیتی ہے۔ ابن نوحؑ اور قوم نوح کی بغاوت نے عذاب الٰہی کو حرکت میں لائی۔ پھر وہ نذر طوفان کردئے گئے۔

ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب اللہ نے برگزیدہ انبیاء سے اقرار کیا تھا کہ تمہاری ہر دعا قبول کی جائے گی۔ اسی کے سہارے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے لاڈلے بیٹے کے لئے بطور شفاعت کے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا تھا، جواب پر توجہ فرمائیے۔ وہ جس کے لئے دونوں ہاتھ اُٹھ رہے ہیں وہ تم سے نہیں ہے۔ اس کی شفاعت قابل قبول نہیں جس کے اصرار پر تنبیہ کی جاتی ہے کہ نبیوں کی جماعت سے الگ کردئے جاؤ گے۔

پسر نوحؑ با بداں بنشست،
خاندان نبوتش گم شُد

۹ حضور اکرم تاجدار مدینہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارگاہِ الٰہی میں دُعائیں مانگیں اور ضرورتوں کے وقت، اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ تنہائیوں میں بھی اس کی رفاقت چاہی، بیکسی اور مفلسی میں بھی اسکی مدد مانگی، فقر و فاقہ میں اس کے خزانۂ غیب سے نصرت طلب کی، دعوتِ حق کی اشاعت میں اس کی مدد کے منتظر رہے، بشریوں کے دفع شر کے لئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈا اور شریروں کے حق میں دُعائے خیر دی۔ آپ کیلئے اجابت کا دروازہ کھول دیا گیا۔

تاجدار مدینہ نے بھی انبیائے سابقین کے رسم و رواج کو بحال رکھتے ہوئے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ مخالفین نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ آپ نے سب کا جوانمردی سے مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ ایک ہی مقصد لیکر آئے تھے امت پستی اور بد اخلاقیوں کی) بیخ کنی کرے۔ کامیابی نے آپ کے قدم چُوما۔ جب کفار کی سختیاں سخت ہوئیں، تو اللہ نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ گویا ان پر قحط کا عذاب نازل کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ رحمت للعالمین تھے، آپ نے اس عذاب کو دُعا کے ذریعہ ٹال دیا۔

آپ کو قوم نے جو سزائیں دی تھیں مختصراً یہ کہ آپ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے تو شرپسند بعض رؤسائے قریش نے عین نماز کی حالت میں آپ کی گردنِ مُبارک پر اونٹنی کی اوجھڑی ڈال دی جس کو لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اٹھایا۔ آپ اپنا سر سجدہ سے اٹھائے اور اللہ سے آپ نے فریاد کی۔

چنانچہ معرکۂ بدر سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جاں نثاروں کو میدانِ کارزار میں لے پہنچے اور بتلایا کہ یہ فلاں کی قتل گاہ، یہ فلاں کی قتل گاہ، اور یہ ابوجہل کا مقتل ہے۔ یہاں قریش کا فلاں سردار مارا جائے گا۔ صحابہ کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لئے آپ نے جو جگہ مقرر فرمائی تھی وہیں اس کی لاش خون میں لتھڑی پائی گئی۔　(صحیح مسلم)

ہر نبی اور پیغمبر اپنے اپنے وقت میں جھٹلایا گیا اور مختلف قسم کی سزائیں دی گئیں، ان سب کو انہوں نے برداشت کیا۔

آخر نتیجہ کیا نکلا؟ بغاوت، سرکشی، تکبری، تمسخر، استہزاء ان کے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ وما ارسلنا فی قریۃ من نبی الا اخذنا اهلها بالبأساء والضراء لعلهم یضرعون اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کسی نبی کو کہ نہ پکڑا ہو ہم نے وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ گڑگڑائیں۔

قوم کی غلط روی اور ہٹ دھرمی نے مختلف پہلو سے مختلف عذاب اُکتشارانے ریاں کا تجربہ کرلیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخِ اسلام کا ایک زرین باب

از
سید شبیر احمد پلمنیری
زمرۂ خامسہ
دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
(علامہ اقبالؒ)

اسلام سے پہلے دنیا کس حال میں تھی اس سے کون واقف نہیں۔ ہر تاریخ دان و تاریخ خوان پر یہ بات واضح ہے کہ اسلام نے دنیا میں آنے کے بعد دنیا والوں کو کیا دیا، یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ آج دنیا میں جو کچھ پاکیزہ تہذیب تمدن کے آثار نظر آرہے ہیں، اسلام ہی کا کرم ہے اور اسی کی نورانی کرنیں ہنوز اجالا کر رہی ہیں۔

اسلام نے جہاں اپنے متبعین کی روحانی معاملات میں صحیح رہنمائی کی ہے، وہاں اپنی جہاں بانی اور حکمرانی کے بھی اصول و قوانین مرتب کر دکھائے ہیں۔ جہاں حکمرانی ہوگی وہاں یہ بھی بتلادیا کہ عادلانہ و منصفانہ طور وطریق پر احکام نافذ ہوں۔ حاکم اسلام نے دنیا کے سامنے حکمرانی کا اعلیٰ وارفع معیار پیش کیا ہے۔ اس کی مثال آج بھی ترقی یافتہ دور میں مفقود ہے۔ ذیل میں چند تاریخی شواہد ہدیۂ ناظرین ہیں:—

جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کسی شخص کو کسی علاقے کا حاکم مقرر فرماتے تھے تو پہلے پوری طرح اطمینان کر لیتے تھے، آیا وہ شخص تمام خوبیوں کا مالک ہے یا نہیں جو کہ ایک سچے حاکم میں ہونی چاہئیں۔

چنانچہ ایک صحیح حدیث میں حضرت موسیٰ اشعری سے مروی ہے، میں اور میرے دو چچیرے بھائی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں سے ایک نے عرض کیا، کہ یارسول اللہ صلعم! آپ کو جو علاقے اللہ نے سپرد کئے ہیں، ان میں سے کسی پہ ہمیں، حاکم مقرر فرمائیے، اور دوسرے نے بھی ایسا ہی کہا، آپ نے فرمایا واللہ، یہ کام ہم اس شخص کو نہیں دیتے جو اس کے واسطے درخواست کرے یا حرص کرے۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

یعنی حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم صرف انہیں لوگوں کو حاکم بناتے تھے، جو حکومت اور مرتبہ کی لالچ سے مبرا ہوتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

آنحضورؐ نے ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، ان کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، عہد رسالت میں ان کے حقوق متعین ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضؓ صدیق کے زمانے میں وہ پوری طرح قائم رہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

انہیں حقوق پر عمل پیرا ہوئے اور نئے ذمیوں کو بھی وہی حقوق عطا ہوئے۔

چنانچہ حیرہ کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ یہ حقوق دیئے کہ ان کی خانقاہیں اور گرجے نہ منہدم کئے جائیں گے، اور نہ ان کا کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلے میں قلعہ بند ہوتے ہیں۔ ناقوس بجانے کی ممانعت نہ ہوگی، اور نہ تہوار کے موقعہ پر صلیب نکالنے سے روکے جائیں گے۔

جزیہ بآسانی وصول کرتے تھے، اس سے بھی بکثرت ذمی مستثنیٰ کر دیے جاتے تھے۔ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی سے دس دس درہم سالانہ لیا جاتا تھا اور اپاہج اور نادار ذمیوں کی کفالت کا بیت المال ذمہ دار تھا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے دورِ خلافت میں سلطنت اسلامیہ دُور دُور تک پھیل چکی تھی۔ آپ کے زمانے کی فتوحات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو ممالک آپ کے دورِ خلافت میں فتح ہوئے ان کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل کے اندر تھا۔ چھتیس ۳۶ ہزار شہر وقلعے مسلمانوں کے قبضے میں آئے تھے، لیکن ان فتوحات کے باوجود حضرت عمر فاروق کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کا جسم کبھی نرم و ملائم کپڑے سے مس نہ ہوا۔ بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا ہوا عمامہ پاؤں میں ٹوٹی ہوئی جوتیاں تھیں۔ اسی حالت میں آپ بڑے بڑے بادشاہوں کے سفیروں سے ملتے تھے۔ مسلمانوں کو شرم آتی تھی مگر کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ بعض لوگ آپؓ کی اس سادہ زندگی پر نظر کرتے تھے اور سوچتے بھی تھے کہ اتنے بڑے خلیفہ ہونے کے باوجود ایسی زندگی گزارتے ہیں (یہ مذہب کیا ہی اچھا مذہب ہے) جو مساوات کی صحیح تصویر پیش کر رہا ہے۔ بہت سے کافروں نے یہ دیکھ کر اسلام قبول کیا۔

حضرت عمر فاروق رضؓ نے اسلام کی روشنی میں اس کے اصول کے پیش نظر ایسا مستحکم نظام اہل عالم کے لئے قائم کیا کہ جس میں اسلام کی حقیقی رُوح سموئی ہوئی تھی۔ جو مسلمانوں کے لئے خصوصاً اس سے بڑھ کر عادلانہ نظام اس ترقی شدہ دَور نے بھی پیش نہیں کیا اور اہل عالم کے لئے عموماً فیروزمندیوں کا ضامن ہے۔

چنانچہ ابکم بن کا واقعہ ہے، جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمر فاروق رضؓ سے ملنے مدینہ آیا، اتفاق سے ایک اعرابی نے نادانستہ طور پر دھکا دے دیا۔ اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا۔ اعرابی نے شکایت کی حضرت عمر فاروق رضؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ بھی بادشاہ کو مارے، بادشاہ نے کہا، امیرالمومنین کیا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک عامی انسان بادشاہ کو مارے یا ہاتھ لگائے۔ خلیفہ نے کہا کہ اسلام کا قانون یہی ہے، اس میں اونچ نیچ کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں، سب مسلمان برابر ہیں۔

ان کے خلفاء میں بھی یہی روایات قائم رہینگی۔ حضرت عمر فاروقؓ وقتاً فوقتاً عمال کو ان معاہدوں کی پابندی کی تاکید لکھتے رہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضؓ فاتح شام کو لکھا، مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو نقصان پہنچانے اور بلا وجہ ان کا مال کھانے سے روکو، اور ان سے جو شرطیں کی گئی ہیں ان کو پوری کرو۔

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تھا تو حضرت عمر فاروقؓ اس سے قصاص لیتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک

شخص نے حیرہ کے عیسائی کو قتل کر دیا۔ تو آپ نے قاتل کو، مقتول ورثہ کے حوالہ کر دیا، اُنہوں نے اسے قتل کر دیا۔ نادار بے کس اور معذور ذمّی جزیہ سے مستثنیٰ تھے اور بیت المال سے ان کی کفالت کی جاتی تھی، حیرہ کے فتح کے معاہدہ میں اسکی تصریح ہے کہ اگر کوئی بوڑھا ذمّی کام کرنے سے معذور ہو جائے، یا کوئی آفت، یا دولت مندی کے بعد غریب ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اسے خیرات دینے لگیں تو اس کا جزیہ موقوف کر دیا جائے گا، اور اسکی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ دیا جائے گا، تاکہ وہ خوشحالی سے زندگی بسر کرے، یہ تھی حضرت عمر فاروقؓ کی حکمرانی۔

حضرت عثمان غنیؓ

گو عہد عثمانی میں عہد فاروقی جیسا سخت احتساب نہ رہ گیا تھا، پھر بھی آپؓ کسی ایسی بے عنوانی کو نظر انداز نہ کرتے تھے جس سے اصول اسلام اخلاق عامہ یا حکومت کے نظام پر کوئی بُرا اثر پڑتا ہو۔ جب کبھی کسی والی کے خلاف اس قسم کی کوئی شکایت ہوتی تھی تو آپ فوراً معزول کر دیتے تھے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ، کو بیت المال کا قرض نہ ادا کرنے کے الزام میں معزول کر دیا۔

ولید کو شراب نوشی کے جرم میں عہدہ سے برطرف کر کے حد جاری کر دی۔

سعد بن العاصؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو رعایا کی شکایت پر علیحدہ کیا۔ عہد عثمانی میں حج کے موقعہ پر تمام عمال طلب کئے جاتے تھے اور اعلان عام ہوتا تھا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار کے خلاف کوئی شکایت ہو اُسے پیش کرے۔ چنانچہ شکایتیں سن کر آپ ان کا تدارک فرماتے تھے۔

حضرت علی مرتضیٰؓ

عہد فاروقی کی طرح آپ کو عمال کی اخلاقی نگرانی میں بڑا اہتمام تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، وقتاً فوقتاً ان کو قیام عدل اور رعایا کے ساتھ لطف و شفقت کے احکام بھیجتے رہتے تھے۔ ان کے اعمال و افعال کا احتساب فرماتے تھے، اور ان کی غلط روی کا تدارک فرماتے، طرز حکومت کی تحقیقات کراتے تھے۔

منذر بن جارود، والی اصطخر کے متعلق معلوم ہوا کہ، وہ اپنا زیادہ وقت سیر و شکار میں صرف کرتے اور فرائض منصبی میں غفلت برتتے ہیں تو انہیں لکھا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنے فرائض چھوڑ کر سیر و شکار میں نکل جاتے ہو اور کتوں سے کھیلتے ہو۔ اگر یہ صحیح ہے تو میں تم کو بدلہ دوں گا۔ تمہارے گھر کا جاہل بھی تم سے بہتر ہے۔ چنانچہ انہیں طلب کر کے معزول کر دیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؓ

بنو امیہ کے زمانے میں، سلطنت کے حدود بیحد وسیع ہو گئے تھے مگر بعض گورنر نومسلموں سے بھی جو اپنی خوشی سے مسلمان ہوتے تھے جزیہ وصول کرتے تھے، یہ ایک نہایت ظالمانہ فعل تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے حکم جاری فرمایا کہ مسلمان ہونے کے بعد کسی سے ہرگز جزیہ نہ لیا جائے۔ آپ کے اس حکم کے بعد سرحدی علاقوں کے لوگ جوق در جوق دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ حیات شریح نے شکایت کی کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ رہی ہے۔ بیت المال خالی ہوا جاتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب دیا جو کچھ ہو اسلام قبول کرنے کے بعد جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے ذمی کے مال اور جان کی قیمت مسلمان کے جان اور مال کے برابر قرار دی۔

ایک مرتبہ حیرہ کے کسی مسلمان نے کسی ذمّی کو قتل کر دیا تو آپ نے وہاں کے حاکم کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی اور اسے قصاص میں قتل کر دیا گیا۔

آپ غذائیں کتنی دیر میں ہضم کرتے ہیں

جناب حکیم سید افسر پاشا صاحب
از:- "دارالشفاء" گوپال پورم ـ گڈیاتم ـ ین ـ اے

دُنیا میں جسطرح انسان کے ذہن مختلف اور خیالات الگ الگ ہیں، اسی طرح اس کے قوٰے بھی مختلف ہیں۔ یہاں تمام قوتوں سے بحث نہیں۔ بحث فقط **قوت ہاضمہ** سے ہے اور بس ـــ اور وہ بھی ایک ایسے انسان جوان کے ساتھ مخصوص اور اسکی قوتِ ہضم پہ موقوف جو صحیح القویٰ اور صحیح المزاج بھی ہو۔

ہمارا جسم ایک بڑا کارخانہ ہے۔ اسمیں بہت سی مشینیں ہر وقت حرکت کرتی رہتی ہیں، اور بہت سی مشینیں اپنا کام بالالتزام انجام دیتی رہتی ہیں۔ جسم کے کل پرزوں کے کاموں اور مختلف حرکتوں سے جسم کا کچھ نہ کچھ حصہ خرچ ہوتا ضرور ہے۔ اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے یا کام کاج کرنے سے جہاں آمد کم اور خرچ زائد ہوتا ہے، وہیں اس کے بدل کیلئے آمد کی شدید ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اسی ضرورت کا نام ہے **"بھوک"** ـــ گویا بھوک ایک ایسا قدرتی تقاضا یا خواہش ہے جو اس ضرورت کا خوب ہی احساس دلاتی ہے کہ جسم یا کارخانہ کی قوت، حرارت، برودت، اور یبوست، میں کسی قدر کمی واقع ہو چکی ہے۔ اس کے دُور کرنے کے لئے کارخانہ میں بعض مادّوں کی اَشد ضرورت ہے، اور ان مادّوں کو بہم پہنچانے اور بھوک کے تقاضوں کو دُور کرنے اور مٹانے کی خاطر ہمیں غذاء کی جانب قدم اُٹھانے پر مجبور و آمادہ کر دیتی ہے اور ہم غذا کھا لیتے ہیں۔ اور یہ سوچتے تک نہیں کہ کھائی ہوئی غذا یا خرید اہوا راشن ہمارے کارخانہ کے حق میں آخر مُفید بھی بن سکتا ہے یا نہیں؟ ـــ کیونکہ غذا اسی وقت ہمارے جسم کو فائدہ پہنچا سکتی ہے اور اس کے اندر قوت اور حرارت پیدا کر سکتی ہے، جبکہ وہ ہمارے جسم کے خرچ شدہ حصّے کا بدل بننے کے قابل اور مُفید ہونے کے لائق ہو بھی۔

ہماری مُراد ایک مریض یا کمزور معدہ سے قطع نظر ایک تندرست جوان معتدل مزاج انسان کی معتدل قوت ہاضمہ سے ہے، جہاں غذا پہنچکر اپنی پوری قوت اور تمام اعتدالی کیفیات و خواص افعال کیساتھ ہضم ہو جاتی ہے۔

ہضم کو سمجھنے کے لئے اعضاءِ ہضم کا علم ضروری ہے لہٰذا اسکی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

مقام کے لحاظ سے اعضاء اور آلاتِ ہضم دو قسم یعنی اصلی اور اضافی میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مُنہ، حلق، مری، اور خصوصًا معدہ۔ آنتیں اور جگر، جنہیں مجموعی طور پہ ہاضمہ کی نالی کہا کرتے ہیں اصلی آلاتِ ہضم ہیں۔ رہے دانت، غشاءِ مخاطی، غُددِ لُعابیّہ۔ و غُدد ماساریقا (یعنی وہ غدود جو حلق اور آنتوں

وغیرہ میں ہوتے ہیں اور جن سے ایک مخصوص قسم کی رطوبت رستی ہے جو انہضام غذا کیلئے ایک اچھی خاصی معین و مددگار بھی ہے) بہ اضافی آلات ہضم کہلاتے ہیں۔

معدہ میں غذا کے ہضم کی مدت غذا کی نوعیت پر موقوف ہے۔ اگر لطیف ہو تو دو تین گھنٹوں کے اندر، اگر ثقیل ہو تو جسقدر ثقیل ہو گی اُسی قدر مُدتِ ہضم بھی بڑھے گی۔ مگر عام طور پر جو سادہ غذائیں ہضم ہوتی ہیں وہ تین یا زیادہ سے زیادہ چار گھنٹوں میں ہضم ہو کر معدہ سے فرو ہو جاتی ہیں۔ پھر امعاء (آنتیں) اور اس کے بعد ہضم کبریٰ یعنی جگر کا ہضم شروع ہو جاتا ہے۔

مختلف غذائیں قدرۃً اپنے اندر ایک خاص مزاج رکھتی ہیں، جتنی مدت اور جس قدر دیر کے ساتھ انہیں جگر میں ہضم ہونا اور جزوِ بدن بننا ہے اُسی مدت اور وقت کے ساتھ وہ ہضم ہو کر جزوِ بدن بنتی چلی جاتی ہیں۔

چنانچہ جو غذاء کہ لطیف ہو دو ایک گھنٹہ کے اندر ہی اندر جلد ہضم ہو جائے وہ زُود ہضم کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور جو غذاء ثقیل، دیر میں تاخیر کے ساتھ ہضم ہوتی ہے، وہ دیر ہضم کہلاتی ہے۔

اب ہم بعض غذاؤں کی مدتِ ہضم کو اوقات کے لحاظ سے پیش کرتے ہیں:

ملاحظہ ہو: —

غذائیں	ہضم کی میعاد گھنٹہ	ہضم کی میعاد منٹ	غذائیں	ہضم کی میعاد گھنٹہ	ہضم کی میعاد منٹ
انڈے تازہ پھینٹے ہوئے	۱	۳۰	چوزہ بھنا ہوا + اُبالے ہوئے آلو	۳	-
اراروٹ + ساگو دانہ	۱	۴۵	تُرائی + سیم کی پھلیاں	۳	..
انڈے نیمبرشت (ادھ پکے)	۲	-	ہرن کے گوشت کا کباب -	۳	-
دُودھ اُبالا ہوا + ساگ پات پکے ہوئے	۲	-	بکری اور بھیڑ کا گوشت	۳	-
بکری کے گوشت کا شوربا	۲	-	روٹی جوار کی، مکئی کی، باجرے کی	۳	۱۵
چوزے کا شوربا	۲	-	بکری کا گوشت بھنا ہوا	۳	۱۵
چاول اُبالے ہوئے	۲	-	گاجر + شلغم + چقندر + گانٹھ گوبھی	۳	۳۰
کباب مچھلی کے گوشت کا	۲	-	ترکاریاں پکی ہوئی	۳	۳۰
تیتر کے گوشت کا کباب	۲	-	انڈے تلے ہوئے + گیہوں کی روٹی	۳	۳۰
دودھ کچا + انگور شیریں	۲	۱۵	گھی۔ گوشت مرغ	۳	۳۰
بھنی ہوئی قاز + بھلبھلائے آلو	۲	۳۰	میوے سخت و ترش + پنیر	۴	-
مُونگ کی دال + ماش کی دال	۲	۳۰	مرغ پالتو بھنا ہوا + بطخ پالتو بھنی ہوئی	۴	..
دال ہر قسم	۲	۴۵	مٹر + پھول گوبھی + اروی	۴	..
سیب میٹھے (شیریں)	۲	۳۰	بھینڈی + تلے ہوئے آلو	۴	..
سیب کھٹے (ترش)	۲	۵۰	ہڈیوں کا گودا	۴	۱۵
ڈبل روٹی + پلاؤ + بریانی	۳	..	بطخ جنگلی بھنی ہوئی + ہرن گوشت تلا ہوا	۴	۳۰
مکھن (مسکہ) انڈے اُبالے ہوئے	۳	..	پراٹھا + پوری + کچوری	۴	۳۰
			گائے کا گوشت	۴	۴۵

اس چارٹ سے آپ کو بعض غذاؤں کی مدتِ ہضم کا علم تو ضرور ہوا اور ساتھ ہی اس کے اعتدالِ مقدار کا لازمی ہونا بھی معلوم ہوا جو صحت اور اصولِ صحت کیلئے یقیناً ضروری تھا اور ہے۔

یہاں ایک بات اور عرض کئے دیتا ہوں وہ یہ کہ ہاضمہ کی تمامتر کامیابی و کامرانی کا راز دانتوں سے خوب چبا کر دیر سے کھانے اور کم مقدار میں کھانے میں مُضمر ہے۔ دانت کو ہضم سے ایک خاص ربط اور تعلق ہے، جو ہاضمہ کیلئے ممد و معاون ہی نہیں ضامن ہے۔

یہ سچ ہے کہ بیماری سے حفاظت (حفظ ماتقدم) جس طرح دواء کی نسبت ہزار درجہ بہتر ہے۔ اسی طرح صحت و تندرستی

بھی ہزار درجہ نعمت ہے‘ پھر جسمانی صحت کا تمام تر دارومدار اور بنیادی پتھر یہی ہاضمہ کی صحت کے اصول پر موقوف و منحصر ہے۔

بدن انسان میں جتنی بیماریاں آئے دن پیدا ہوتی ہیں۔ وہ تقریباً سب کی سب اسی ہاضمہ سے تعلق رکھتی ہیں‘ اور ہاضمہ کی ابتداء سب سے پہلے منہ سے ہوتی ہے‘ اور ”منہ صحت کا دروازہ ہے“۔ تو اس کی مثال یوں سمجھئے کہ بدن انسان ایک مضبوط قلعہ یا فصیل ہے جبکی تعمیر نہایت ہی مستحکم بنیادوں‘ بہترین اصولوں اور بے مثال ضابطوں پر ہوئی ہے‘ قلعہ کے دروازے یا پھاٹک منہ ہے تو پتھر سے زیادہ سخت دانتوں کی تار وقطار‘ اس کی فصیل یا باڑھ (یعنی کمپاؤنڈ) ہے۔

قلعہ کی حفاظت کا دارومدار دروازوں پر اور دروازوں کی مضبوطی کا قیام‘ لگاتار فصیل یا باڑھ پر ہے اور فصیل کا کام اندرونی کارخانہ یا قلعہ کی حفاظت ہے اور ان تمام بیرونی صدمات و آفات اور آلام کو یعنی سخت چیزوں یا فوجوں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے ثبوت میں اس طرح جانا ہے کہ وہ تمام چیزیں اور غذائیں اس فصیل کے آگے یا تو مصالحت پر آجائیں یا پھر نرم و نازک ہو کر ہتھیار ہی ڈال دیں اور صحیح و سالم قلعہ میں داخل ہونے کے قابل بنجائیں۔

جب تک فصیل اپنے حریف مقابل کو پسپا نہ کرے اور اپنے کام میں پوری انہماکی کے ساتھ مستعد نہ ہو‘ یا اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ فصیل دشمن کے فوجوں‘ سپاہیوں‘ یعنی غذاؤں کے آگے ڈٹ کر مقابلہ جب تک نہ کر سکیگی اس وقت تک قلعہ خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ دشمن کے ماروں یا غذا کے سخت سخت دانوں کو اگر ہم جلد جلد نگل جائیں گے اور اس چال پر مداومت بھی رہے گی تو وہ دن دور نہیں۔ قریب ہیں جبکہ آہستگی کے ساتھ رفتہ رفتہ ہمیں قلعہ سے ہاتھ دھونا پڑیگا۔ قلعہ دشمن کے ہاتھ ہوگا۔ فتح و نصرت‘ دشمن (بیماری) کے قدم چومے گی اور ہم دیکھتے ہی رہ جائیں گے کہ کل تک ہمارا جسم یا قلعہ صحت کے قبضۂ قدرت میں تھا اور آج ہماری ذرا سی بے توجہی اور بے اعتدالی نے اس کو شکست فاش دے کر بیماری کے گھاٹ اتار دیا ہے۔

اب ہم بیرونی امداد کے مستحق ہوں گے (یا)۔ دواؤں۔ حکیموں‘ ڈاکٹروں اور تجربہ کاروں کی تلاش ہوتی ہے۔ پھر بات سمجھ میں آتی ہے کہ بیماری سے حفاظت دوا کی نسبت ہزار درجہ بہتر تھی اور ہے لیکن سے اب پچھتائے کیا ہووت ہے۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

بقیہ صفحہ ۱۰۵ اسلام کے یہی خصوصیات ہیں کہ جبکی تعریف میں مسلمان تو درکنار‘ ملحد و کافر کو بھی قلم اٹھانا پڑا۔ کیوں نہیں اٹھائیگا‘ جبکہ ساری دنیا باوجود اتنی ترقی کرنے کے اس سیاست اور اس حکمرانی کے دلدادہ ہیں۔

اسلام نے دنیا کے سامنے ایک ایسا پاکیزہ نظریۂ حیات پیش کیا ہے‘ جس نے انسان کے کردار کو بہت ہی اونچا مقام عطا کیا‘ اگر کوئی شخص اسلام کے قوانین پر گامزن ہو جائے تو بالیقین دنیا و آخرت میں سرخروئی و اطمینان حاصل کریگا۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سید شبیر احمد ملیباری

معارفِ جامی رحمۃ اللہ علیہ

از
سید محمد انوار اللہ لطیفی
نورگلی
سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف
دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور
قدس سرہ العزیز

(۱)
اگر باشد دو صد خرمن گناہم
توانی سوختن از برق آہم

(۲)
اگر باشد ز عصیاں صد کتابم
توانی شستن از چشم پر آبم

(۳)
ز ضعف و ناتوانائی رہاندی
ز نادانی بدانائی رساندی

(۴)
چوں جلوہ گر و نظارہ گر جملہ خود است
گر ما و تو، درمیانہ باشیم چہ باک

(۵)
بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود
مپرس از ما و کیفیت کہ چوں بود

(۶)
منہ جامی ز حدِ خود بیروں پائے،
وازیں در بائے بے پایاں بیروں آئے

(۷)
نوریست محض کردہ بہ اوصافِ خود ظہور
نامِ تنوعاتِ ظہورش بود جہاں

(۸)
ہر چند در نہان و عیان نیست غیرِ او
فی حدِ ذاتہ نہ نہان است نے عیاں

(۹)
فائض بود وجود بر اعیانِ انس و جن
ساری بود ز لطف در اطوارِ جسم و جاں

(۱۰)
دانا بہر بصیرت و بینا بہر بصر
گویا بہر زباں و توانا بہر تواں

(۱۱)
جامی کشیدہ دار زباں را کہ سرِ عشق
رمزیست کس نگوئے و حدیث است کس ملاں

از مولوی محمد شبیّر اکرمی دارالعلوم لطیفیہ ویلور

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت پائیدار

جب سے دنیا قائم ہے اس روئے زمین پر ان گنت انسان آئے اور چلے گئے لیکن تاریخ کے صفحات پر چند ہستیوں کے علاوہ تمام کو دنیا نے بھلادیا۔ صرف انہیں ہستیوں کے نام تاریخ کے اوراق پر قائم ہیں کہ جن پر فضل الٰہی ہوا اور وہ کمال و فضل کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہوئے جنہوں نے دنیا میں رہ کر اپنی پوری زندگی خدا کی خوشنودی اور خلق اللہ کی خدمت میں گذاری گویا ان کی زندگی حضرت حافظ علیہ الرحمہ کے اس شعر کی تفسیر تھی۔

آسائش دو گیتی تفسیر ایں حدیث است
با دوستاں تلطف، با دشمناں مدارا

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بزرگانِ دین کے فضائل وشمائل، بیان کرنے میں کیا فائدے ہیں؟

قدوۃ السالکین حضرت حاجی حافظ مولانا مولوی سید شاہ عبد اللطیف قادری نقوی ویلوری اپنی تصنیف **فصل الخطاب** بین الحق والصواب، فضائل صلحاء وبزرگان دین کے فوائد لکھتے ہیں:۔

صالحین وبزرگان دین کے فضائل وشمائل کے سننے اور بیان کرنے میں چند فوائد ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے سننے سے دل کو سکون وآرام ملتا ہے، اور دل قوی ہوتا ہے۔ (کما قال تعالیٰ وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک) اے نبی ہم تمام انبیاء کے قصے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے تیرا دل مطمئن وقوی ہوجائے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رح سے کسی نے پوچھا، کہ ان حکایات وروایات کے بیان کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ان باتوں کی مثال اللہ کے لشکروں میں سے، ایک لشکر کی سی ہے، اگر کسی مرد کا دل ٹوٹ جاتا ہے تو اس لشکر کی وجہ سے قوی ہوجاتا ہے اور ان ہی باتوں سے مدد پاتا ہے، اور آپ نے بھی اس کی دلیل آیت مذکورہ (کلا نقص الخ) سے لی ہے۔ اور فائدۂ دیگر یہ ہے کہ ان کا ذکر نزولِ رحمت کا باعث بنتا ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ اگر کوئی شخص دسترخوان بچھائے کہ جس پر رحمت نازل ہوتی ہو تو حق تعالیٰ اس کو دسترخوان سے بے فائدہ واپس نہیں لوٹاتا۔ اگر کوئی شخص ایسی مجلس سے گزر کرے کہ جہاں اللہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کا ذکر ہوتا ہو تو اس کو بھی رحمت پہنچتی ہے۔ (فصل الخطاب)

دیگر اگلے بادشاہوں کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ

لوگ اپنے دربار میں اگلے بادشاہوں کے حالات پڑھتے ہیں تاکہ ان کے حالات سن کر عبرت حاصل ہو۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمان نے گلستان کے پہلے باب سکندر ذوالقرنین کے قصے میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ان تمام دلائل سے معلوم ہوگیا کہ بزرگان دین کے حالات کا ذکر کرنا اور دوسروں کو سنانا فوائد سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا جو بزرگان دین اس سرزمین جنوبی ہند یعنی بیجاپور میں استراحت فرمائیں، ان کا وجود بافضلہٖ اس خطہ کے بڑے حصہ کو ہرات اور بغداد کا نمونہ بنا دیا ہے۔ میں ان میں سے چند مشہور ہستیوں کا ذکر کرتا ہوں۔

ان میں سے سید السادات شاہ حافظ حسینی جو ابوالفضل شاہ ہمزہ حسینی کے خلیفۂ رشید ہیں وہ بھی اس خطہ کے متقدمین مشائخوں میں سے ہیں اور دونوں سید السادات قدوۃ الاولیاء مخدوم سید شاہ جہانگیر اشرف سمنانی رح کے بھتیجے ہیں۔ دونوں بزرگ جامع کرامات ہو کر گذرے ہیں اور بہت سے گمراہ ہندو اور فاسق لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ اور نقل ہے کہ حضرت شاہ حسینی نے اپنے رحلت کرنے کے وقت اپنے فرزند یعنی شاہ حمزہ حسینی کو وصیت کئے کہ جب روح پرواز ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد نماز پڑھنے کے لئے جلدی نہیں کرنا چاہئے بلکہ سر غیبی اور ظہور قدرت الٰہی کا منتظر رہنا چاہئے۔ کیونکہ ایک نقاب پوش مرد اس جگہ پہنچیں گے۔ اس وقت ان کی اقتداء سے نماز جنازہ پڑھنا چاہئے۔

شاہ حمزہ حسینی آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے جنازۂ مبارک کو غسل اور کفن دیکر انتظار کرتے رہے۔ کہ یکایک ایک شخص جنگل کی جانب سے نقاب پہن کر نمودار ہوئے اور جنازہ کے پاس جاکر نماز جنازہ ادا کئے۔ اور پھر جس راہ سے آئے تھے اسی راہ سے روانہ ہوگئے۔ حضرت شاہ ہمزہ اس واقعہ سے بہت متعجب ہوئے، لیکن نہیں چاہے کہ لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ پھر آپ جلدی چل کر اس بزرگ کے پاس پہنچے اور نقاب کھولنے کے لئے التماس کرنے لگے۔ اول تو اس بزرگ نے بات کرنے تک سے انکار کیا۔ لیکن جب حمزہ حسینی زیادہ مُصر ہوئے تو آپ نے نقاب کو چہرہ سے اٹھا دیا۔ لیکن شاہ حمزہ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ آپ ہی کے والد بزرگوار ہیں۔

اور حضرت شاہ حمزہ حسینی نے کفار کے ہاتھ سے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کا عرس شعبان کی نویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان کو بھی حضرت شاہ حافظ حسینی یعنی ان کے والد کے نزدیک دفن کئے تھے۔ اس کے بعد ان کی قبر خود بخود اپنے والد بزرگوار کی قبر سے ایک ہاتھ کی لمبائی کے برابر سے پیچھے آئی، آج تک اسی طرح ہے۔ واللہ اعلم

اور آپ کی اولاد میں بہت برکت ہوئی ہے اور آج کل ان کی صحیح النسب اولاد حیدر آباد، رائچور وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور ان کے مقبرہ میں صلحائے اہل علم دفن ہیں۔ اور متاخرین میں سے کریم الخلق سلیم الطبع محمد ابراہیم اور ان کے والد شیخ احمد بھی اسی جگہ مدفون ہیں۔ انہیں میں سے سلطان مشائخ رئیس الاولیاء فریدالدین مسعود اجودھنی قدس سرہٗ یہ بھی اس سرزمین کے قدیم اکابرین میں سے ہیں۔ غوث وقت اور قطب عالم تھے۔ ان کا بزرگ وجود ناقصوں کے لئے جو علم و عرفان کے کمال سے چند مراحل دور پڑے ہیں اکسیر اعظم کی تاثیر رکھتا ہے، اور وہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رات دن استغراق اور محبوبیت میں جو کہ ان کے

خاندانِ عالی کا خاص ورثہ ہے لذت حاصل کرتے تھے ابتدائی زمانہ میں فریدالدین بختیار اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر سے اعتقادی کمال رسوخ آپ کے دربار سے رکھ کر بیعت کئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار اس بات کی خبر پانے کے بعد اشارہ فرمائے تربیت اور ارشاد کے لئے شیخ کا دنیا میں زندہ رہنا بھی ایک شرط ہے، تو آپ میرے دروازے سے ان بزرگوں سے کیوں نہیں ملے جو میرے دروازہ سے نکل کر میرے پیر تک پہنچے ہیں، اور وہ اس وقت زندہ بھی ہیں۔

سید السادات غوث العشاق بندہ نواز حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز قدس سرہٗ جس وقت دہلی سے دکن کو تشریف لائے تھے بیجاپور پہنچے ہیں۔ اور حضرت شیخ نصراللہ کی قبر کی زیارت کئے ہیں اور وہ جگہ کہ حضرت خواجہ گیسو دراز شیخ کی زیارت کے بعد ایک دو لمحہ بیٹھے تھے اب تک موجود ہے۔ اور قبہ شریف کے مغربی جانب واقع ہے۔ انہیں میں سے سید السادات زبدۃ الاولیاء حضرت شاہ قاسم قادری محبوب اولیاء غوث الورےٰ شیخ عبدالقادر جیلانی کے اولاد سے ہیں اور ان کی بزرگ خدمت سلطان خلیل اللہ ابراہیم عادل شاہ ثانی ان کے وطن سے جو یورپ کا ملک ہے وہاں سے بیجاپور تشریف لائے۔ رات دن شرع نبوی کے طریقہ پر مستقیم تھے، چند سال حسن خان کی مسجد میں جو قلعہ بیجاپور کے اطراف ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں جو مسجد کہ اسکی جانب منسوب تھی، اس جگہ جنت کے باغ میں آرام فرما ہیں۔ آپ کی وفات کی تاریخ، ۲ محرم ۱۰۳۶ھ میں ہوئی۔ اسی مسجد کے سامنے دفن کئے گئے۔ آپ کی مبارک قبر پہ قبہ بنا یا گیا ہے۔ اور آج کل اس ملک کے خاص و عام کا ایک عالم قیامت کے دن کے پناہ کے امید سے جگہ لیا ہوا ہے اور دیگر علماء و صلحاء بھی آپ کے قبہ کے اطراف آرام پائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے متاخرین سید الکرام حضرت سید ابو تراب بن سید شمس الدین قادری، اور افضل المحققین حضرت محمد خلیل الرحمان و اکرام العلماء محمد اکرم جزاھم اللہ عنا خیر الجزاء اور ان کے علاوہ بہت سے صالح لوگ مدفون ہیں۔

اور انہیں بزرگوار میں سے حضرت شاہ ہاشم علوی حسینی گجراتی . . . . جو عارف باللہ شاہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے بھتیجے ہیں جو سلطان ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ میں بیجاپور تشریف لائے اور ایک مدت تک زہری پور میں رہے۔ اس کے بعد شہر کے اندر پناہ لئے اور بادشاہ، مریدوں اور طالبوں کے لئے ظاہری اور باطنی فیض پہنچانے کے لئے جاری کیا۔ دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت سے شرف اندوز ہوئے کہ ایک اس میں سے صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے کیا تھا۔ اور آپ سے ظاہری اور باطنی فیض سرفراز ہوا۔ اور نیز بخدام الکرام اور حرم شریف سے ایسا حکم صادر ہوا کہ کتاب حزب الاعظم اور ان کتابوں کو جو ہاشم کے لئے عنایت فرمائے تھے، چنانچہ اب بھی متبرک قبضہ ان کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ وردِ ضرب بھی ان کے نزدیک ایک ایسا حکم ہے جو گنتی میں ہے اور بہت بڑی تاثیر اور تجربہ رکھتا ہے۔ آپ پر علم و رضا زیادہ غالب تھا۔ تواضع انکساری تقویٰ کے بلند درجہ کا . . . پہنچی ہوئی تھی۔ اگر کوئی شخص آج بھی تدبر و غور سے آنکھ کھولے، اس بات کی سچائی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کے مسود و روضہ سے صائے تسلیم اور تواضع کے علاوہ کوئی

دکھائی نہیں دیتی۔ دُنیا اور اہل دنیا آپ کے نزدیک کوئی قدر نہیں رکھتا ہے۔

بادشاہ اور فقیر آپ کے دربار میں یکساں تھے اور کوئی فرق نہیں رکھتے تھے اور جو کچھ کہ فتح ہوتی تھی، فقیروں اور درویشوں پر خیرات کرتے تھے۔ اور پہلی مرتبہ خدائے تعالیٰ سے عہد کر چکے تھے۔ اگر ایک روز میں ایک سے لاکھ دینار پہنچیں۔ شام کے وقت ایک بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر رہتا تو اپنے بدن پر کوئی داغ نہیں رکھتے تھے۔

چنانچہ اسی پر عمل کرتے تھے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دینار غلطی سے فرش کے نیچے رہ گئے اور دوسرے دن نظر آئے اس کو اسی وقت گرم کر کے بدن پر داغ دئے۔ آپ کے حالات اور کلامات بیان سے باہر ہیں۔

ان میں سے شیخ الشیوخ استاد المشائخ صاحب مقامات العالیہ شیخ ابو الفنون عین الدین گنج العلم الجنیدی قدس سرہٗ یہ اس سرزمین کے اولیاء و متقدمین سے ہیں۔ آپ نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل بہت سے سادات کرام و مشائخ عظام اور اپنے زمانے کے اولیاء کاملین سے کی اور بہت سے طالبان حق آپ سے فیض اکتساب کر کے ترقی کے بام عروج پر پہنچ گئے۔ آپ کثیر التصانیف بھی تھے اور من عند اللہ آپ کو گنج علم کا خطاب عطا ہوا تھا۔ چنانچہ سید السادات قدوۃ الکاملین حضرت سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ سے یہ بات تو اتر کی حد تک پہنچ چکی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کے فیض کا دریا ابتک جاری ہے کیونکہ جو بچہ کند طبیعت اور غبی المزاج ہو۔ اگر چند ہفتے بالالتزام آپ کے استاد کے حوض کا پانی پئے تو حق تعالیٰ کے کرم سے ذکی الفہم ہوجاتا ہے اور علم کے مراد سے بہرہ مند ہوجاتا ہے۔ اور منقول ہے کہ ایک عالم جو کہ بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی سواری میں ساتھ رہتے۔

ایکروز پالکی میں سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ اتفاقاً ان کا گذر آپ کے درگاہ کے قریب سے ہوا۔ کسی سے دریافت کیا کہ یہ قبر کس بزرگ کی ہے۔ لوگوں نے جواب دیا حضرت گنج العالم کی درگاہ ہے، تو انہوں نے اپنی دانشمندی اور علم کے غرور میں ان کی زبان پر آیا "ہاں کوئی ہوگا" اس پر کیا فاتحہ پڑھنا، اس پر گنج العلم نام رکھنا، صرف اس کلمہ کے کہنے سے ان کے دل کے تمام علمی نقوش مٹ گئے۔ جب اس عالم نے آپ کے مقبرہ سے جو چار قدم آگے بڑھ کر اپنے اندر غور کیا تو محسوس ہوا کہ دل میں علم و دانش سے کوئی مسائل نہ پائے اور خود کو لا علم محض پائے۔ اور اس وقت اپنے کئے ہوئے کام پر آگاہ ہو کر واپس آئے اور استاذ کے صحن میں قبر کے پاس کھڑے ہو کر آہ وزاری کرنے اور گڑگڑانے لگے۔ اور یا گنج العالم یا گنج العالم کہتے ہوئے اپنے تقصیرات کی معافی چاہنے لگے۔ جب دربار سے واپس لوٹے تو چند قدم چلنے کے بعد آپ نے دیکھا تو تمام علوم کو اپنی جگہ پر برقرار پایا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے واپس لوٹے۔

آپ کی ولادت کے متعلق ۷۰۶ھ یا ۸۰۵ھ میں اختلاف ہے۔ آپ کثیر البنین والبنات تھے۔ آپ کی اولاد میں بہت سے اتقیا، اولیاء، علماء و صلحاء ہو کر نکلے ہیں۔ ہر ایک صاحب کرامات و مقامات تھے۔

چنانچہ بی بی خوانده ماں حافظ رحمۃ اللہ علیہا کہ جن کی خرق

سیّدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

از: کے یسین محمد صبغۃ اللہ کانچی پورم زمرۂ ثانیہ دار العلوم لطیفیہ ویلور

اس کرۂ ارضی میں جس قدر ذی روح اشیاء موجود ہیں، اس میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی چیز سے اُلفت و محبّت ہوا کرتی ہے، اور وہ اپنے مقصد میں سرخروئی و کامیابی حاصل کرنے کیلئے سربکف ہو کر میدانِ سعی میں کود پڑتی ہیں۔ مثلاً بلبل تلاشِ گل میں، چکور چاند کے عشق و محبّت میں، اور پروانہ شمع کے لئے اپنی جان و تن کی بازی لگا دیتا ہے۔ اسی طرح پرستارانِ اسلام و جاں نثارانِ اسلام پیغمبرِ اسلام سیّد المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان و مال کو قربان کر دینا باعثِ فخر و مسرّت سمجھتے تھے۔ ان پرستاروں جاں نثاروں میں ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی کی بھی برگزیدہ شخصیت ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، جو مکہ معظمہ میں مسلمان ہوئے اور اسلام قبول کرنے پر بڑی بڑی تکلیفیں کافروں نے پہنچائیں، جن کا انھوں نے جوانمردی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ آپ کا مولود و مسعود ملکِ حبش میں ہوا۔ آپ کے والد کا نام رباحؓ اور والدہ کا نام حمامہؓ تھا۔ زمانہ کی گرفتاری کے باعث آپ امیہ بن خلف کافر و فاجر کے غلام تھے۔ آپ کی شان میں غلام کا لفظ کہنا گو بے ادبی و گستاخی ہے لیکن حالات کے لحاظ سے آپ کے لئے یہ لفظ لایا گیا ہے جیسا کہ آپ کی شان ذیل کے شعر سے ظاہر ہوتی ہے ؎

جو بندۂ خاص ہیں وہ بندۂ عوام نہیں
ہزار بار بھی یوسفؑ بکے غلام نہیں

برخلاف دوسروں کے، آپ غلامی کی حالت میں ایمان لائے۔ آپ کا ایمان لانا اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی آپ کا درجہ بہت اونچا نظر آتا ہے۔ آپ کی عزّت کا اندازہ کرنے کے لئے حدیث کافی ہے۔ حضرت بلال کا صرف چہرہ اور جسم ہی سیاہ فام تھا لیکن دل سراپا نور و جمال تھا۔ ان کو اسلام کی روشنی اس وقت حاصل ہوئی جب وادیٔ بطحا کے اکثر گورے چٹے لوگ اپنے حسن و جمال کے غرور میں مبتلا ہو کر گمراہی کی وادیوں میں ٹھوکریں کھا رہے تھے، وہ سات آدمی جنہوں نے سب سے پہلے اسلام لانے کا شرف حاصل کیا اُن میں ایک حضرت بلالؓ حبشی کا نام بھی ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ،

اس وقت صرف اسلام قبول کر لینا ہی بہت بڑی جوانمردی اور شجاعت کا ثبوت تھا۔ اسی وقت اسلام لانا اس شعر کا مصداق تھا ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حضرت بلالؓ نے جوں ہی اسلام کا اعلان کیا۔ آپ پر آفات و مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے،

کہ آپ غلام تھے اور نیز ہمیشہ عضوِ ضعیف ہی کی تاک میں رہتا ہے۔ چنانچہ آپ اس کمزوری کے باعث ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنتے رہے۔ تپتی ہوئی ریت، جلتے ہوئے سنگریزوں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر آپ کو لٹایا گیا۔ ابوجہل آپ کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر اوپر سے بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، اور کہتا تھا اب بھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خدا سے باز آجاؤ۔ لیکن آپ کی زبانِ مبارک سے اُس وقت بھی یہی کلمہ نکلتا اَحَدٌ اَحَدٌ۔ کیونکہ توحید کا نشہ آپ کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ ستم گر مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ اس کی جدت طراز طبیعت نے ظلم و ستم اور جور و جفا کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے تھے۔ وہ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتا تھا اور کبھی جانوروں کی کھال میں لپیٹتا تھا۔ کبھی لوہے کی زرہ پہنا کر جلتی ہوئی دھوپ میں بٹھاتا تھا اور کہتا تھا، تمہارا خدا لات و عزیٰ ہیں، لیکن وارفتۂ توحید حضرت بلال رضؓ کی زبان سے احد احد کے سوا کوئی کلمہ نہ نکلتا تھا۔ مشرکین کہتے تھے کہ تم ہمارے الفاظ کی نقل کرو اور لات و عزیٰ کی خدائی کا اقرار کرو۔ تو حضرت بلالؓ فرماتے تھے، میری زبان ان کلمات کو ادا نہیں کرسکتی۔

امیہ بن خلف ظلم کے سوا اور کوئی چیز جانتا ہی نہ تھا، اسے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی عداوت تھی اور اسلام قبول کرنے والوں سے نفرت، چنانچہ وہ حضرت بلالؓ سے کہتا ہے،

لاتزال ھکذا حتی تموت او تکفر بمحمد تعبد اللات والعزیٰ، تم اس طرح رہوگے کہ یہاں تک مرجاؤگے یا خیریت چاہتے ہو تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا انکار کرو اور لات و عزیٰ کی پرستش کرو (لات و عزیٰ عرب کے دو مشہور بتوں کے نام ہیں) مگر یہ بات اس جاں نثارِ رسولؐ کو کب منظور ہوسکتی تھی۔ چنانچہ ان کو اسی حال میں مرجانا پسند تھا۔ مگر اسلام سے برگشتہ ہونا منظور نہ تھا۔ ہر قسم کے ظلم و ستم برداشت کرنے کے باوجود حضرت بلالؓ کی زبانِ مبارک پر صرف کلمۂ احد احد ہی رہتا (یعنی معبودِ برحق ایک ہی ہے، اُسے چھوڑ کر لات و عزیٰ کو نہیں پوج سکتا) اور گویا حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور میں یہ فرماتے تھے ؎

حلق پہ تیغ رہے، سینے پہ جلاد رہے
لب پہ تیرا نام رہے، دل میں تیری یاد رہے

یارسول اللہ مرجاؤں، کٹ جاؤں مگر آپ کے دامنِ لطف و کرم سے جدائی گوارا نہیں، ؎

توڑ دیں گر ہڈیاں بھی میری
دامنِ احمدؐ نہ چھوڑوں گا کبھی

حضرت صدیق اکبرؓ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ بلال پٹ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ منظر دیکھ کر پوچھا بلالؓ یہ کیا؟ پٹتے ہو اور ہنستے ہو؟

حضرت بلالؓ نے جواب دیا دیکھیے یہ واقعہ ہے اور یہ دستور ہے کہ اگر کسی کو ایک مٹی کا پیالا خریدنا ہوتا ہے تو وہ خریدتے وقت اس کو ٹھونکے گا اور بجا کر دیکھے گا کہ یہ کچا تو نہیں ہے اس طرح ہے کہ ؎

میں بھی ہوں مٹی کا پتلا عشق کے بازار میں
آگیا ہوں میں پسند اس دم نگاہِ یار میں

اے صدیق رضی اللہ تعالیٰ اس کافر سے مجھے پٹوا کر میرا امتحان

سے رہا ہے کہ میں عشقِ رسول ؐ میں کچا تو نہیں ہوں۔ تو میں خوشی سے
کیوں نہ ہنسوں جب میرا مولا مجھے خریدنے کیلئے تیار ہے۔

امیہ بن خلف جو دشمنِ اسلام تھا حضرت بلال ؓ کے ایمان لانے
کی خبر جب اس کو اچھی طرح معلوم ہوگئی تو اس نے آپ کو بلا کر بہت کچھ
سمجھایا کہ تم اس نئے دین کو چھوڑ کر اپنے آبا و اجداد کے قدیم دین ہی
میں داخل ہو جاؤ میں تمہاری بہت قدر و منزلت کروں گا۔ لیکن آپ
اس کی ہر گمراہ کن باتوں کو سختی سے رد کر دیتے اور نہایت جرأت و
بے باکی سے فرماتے ؎ میں ان کے غلاموں میں ہوں جو سب کے ہیں آقا
سردارِ رسل سیدِ مکی مدنی العربی

جب اُمیہ بن خلف نے آپکی اس ثابت قدمی اور قوتِ ایمانی
کو دیکھا تو بہت خفا ہوا اور آپ کو سخت ابتلا میں ڈال دیا۔ اور
طرح طرح کی تکلیفیں دینی شروع کیں۔ چھال کی بٹی ہوئی رسی آپ کی
گردن میں ڈال کر مشرکین کے شریر لڑکے آپ کو زمین میں گھسیٹتے پھرتے
تھے، مگر آپ کی زبان مبارک پر وہی احد احد ہی کا کلمہ جاری
رہتا۔ جب ظلم و ستم کرتے کرتے شریر کفار تھک جاتے اور تھوڑی دیر
کے لئے ظلم و ستم کا سلسلہ موقوف ہو جاتا تو آپ آسمان کی جانب دیکھتے
اور اَغِثْنِی یَارَسُوْلَ اللّٰہ، اَغِثْنِی یَا حَبِیْبَ اللّٰہ کی
دردناک فریاد شروع کر دیتے۔ اس منظر کو جب کفار دیکھتے تو آپ کو مخاطب
کر کے کہتے کہ تم واقعی دیوانہ ہو کیونکہ جب ہم آپ کو مار رہے تھے تو تم
بالکل خاموش تھے حالانکہ مارتے وقت مار کی تکلیف سے فریاد کرنی چاہئے
تھی اور ضرب کے موقوف ہونے پر شکریہ بجا لانا چاہئے تھا۔ بجائے اس کے
خلافِ عقل تم فریاد کرتے ہو، یہ دیوانگی کی بین دلیل ہے۔ جب آپ نے
ان کفار کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو ارشاد فرمایا کہ اے دیوانو!
جب مجھ پر تمہارے کوڑوں کی مار پڑ رہی تھی تو مجھکو ایک روحانی
لذت محسوس ہو رہی تھی اور میں جلوۂ وحدتِ الٰہی کا تماشہ دیکھ
رہا تھا اس لئے مجھ پر سکوت و محویت کا عالم طاری تھا۔ جب تم
نے کوڑے مارنے سے ہاتھ اٹھا لیا تو وہ لذتِ روحانی جاتی رہی۔
جس سے میں نے بیقرار ہو کر فریاد کرنی شروع کی اور بزبان حال یہ
کہنا شروع کر دیا۔ ؎

جو کھاتے تازیانے عشقِ احمد ؐ سے زمانہ میں
وہی اُس کے لئے جنت میں پھولوں کی چھڑی ہوگی
جو میں نے اس قدر دکھ اپنی ہستی پہ اٹھایا ہے
تو پھر جا کر کہیں محبوب نے تن سے لگایا ہے

آزادی

اتفاقاً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ادھر
سے گذر ہوا جہاں سچے فرزند توحید و عاشق
رسول کریم ؐ کو اس لئے سزا دی جا رہی تھی کہ وہ ایمان سے باز آجائیں،
آپ یہ دردناک منظر دیکھ کر جذبۂ ایمانی سے بے چین ہو گئے اور وہاں
کے لوگوں سے اس کا سبب دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتلایا امیہ
بن خلف اپنے غلام بلال ؓ حبشی کو عذاب دیتا ہے۔ آپ اپنے گھر
آئے اور رات یوں توں کر کے گذاری صبح ہوتے ہی اُس کے مکان
پر تشریف لے گئے اور امیہ بن خلف کو نصیحت کرنی شروع کی، اور
فرمایا خدا سے ڈر اور اس غلام پر ناحق ظلم و ستم نہ کر۔ اس نے دینِ حق
کو قبول کیا ہے اور خدا اور اسکے رسول ؐ کی دوستی حاصل کی ہے۔ اس
لئے تجھے لازم ہے کہ اُس کے ساتھ نرمی و ہمدردی سے پیش آ اور
اس کے ساتھ احسان کر کہ تیری آخرت میں کام آئے۔ حضرت صدیق
اکبر ؓ کی یہ تقریر سن کر اُس لعین نے جواب دیا آخرت کہاں ہے۔ دین
کہاں۔ بالفرض اگر آخرت ہے تو بھی مجھ کو دنیا میں کیا کمی ہے۔
کہ آخرت کی نعمت کیلئے فریفتہ ہو جاؤں۔ نقد بہشت میں اپنے پاس

رکھتا ہوں، تم نہیں جانتے کہ میرا کتنا خزانہ اور مال ہے۔ اور کہنے لگا کہ اگر تمہارا دل اس غلام کے لئے جلتا ہے تو تم بھی مال بہت سا رکھتے ہو اور آخرت پر بھی تمہارا اعتقاد ہے، تو پھر اس غلام کو خرید کر ثواب آخرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا ہاں میری یہی آرزو ہے، بتا اس غلام میں عوض میں تو کیا چاہتا ہے۔ وہ لعین یہ سن کر بولا کہ تم خرید نہ سکو گے۔ اگر ذوق اس کام کا رکھتے ہو تو تم اپنے غلام شطاس رومی کو جو لیاقت اور تجارت میں قابلیت رکھتا ہے اور مزید دو ہزار دینار اسکی قیمت ہے۔ یہ میرے غلام حبشی کے عوض میں دو تو میں بدلوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قبول فرمایا۔ اسکی منہ مانگی قیمت کے علاوہ چالیس اوقیہ اور زائد اسے دئے اور حضرت بلالؓ کو قید سے نکال کر حضرت ابوبکرؓ کے حوالے کر لیا اور وہ کافر ہنس کر اپنے مصاحبوں سے کہنے لگا کہ یہ شخص یعنی ابوبکرؓ کمال بزرگی اور عقل رکھتا ہے مگر اس معاملہ میں کسقدر اس نے حماقت کا ثبوت دیا۔ اگر میں یہ غلام کسی اور کے ہاتھ بیچتا تو وہ ایک درم کے چھٹے حصہ کے بدلے میں بھی نہ خریدتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ حضرت بلالؓ کا مرتبہ میرے نزدیک ایسا ہے کہ اگر یمن کی بادشاہت بھی میرے قبضہ میں ہوتی، تو میں اُسے بیچ کر خرید لیتا۔

آخر کار حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت بلالؓ کو ہمراہ لے کر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس غلام کو میں نے اس طرح سے خریدا ہے اور آپ گواہ رہیں اس کو میں برائے خدا آزاد کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور حضرت بلالؓ اس روز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ اور عنقریب دور رکھا جائے گا جہنم سے وہ شخص جو بہت زیادہ متقی ہے۔ اور اپنا مال اپنے نفس کے تزکیہ کیلئے دیتا ہے۔ کفار نے کہا کہ کچھ حق بلالؓ کا ابوبکرؓ پہ ہوگا جو اتنا مال اس پہ صرف کر کے خریدا ہے۔ میں یہ آیت نازل ہوئی وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ یعنی نہ تھا کسی بشر کا حق نعمت کہ بدلہ دیا، اس کا ابوبکرؓ نے بلکہ یہ کام ابوبکرؓ نے فقط رضائے الٰہی کے لئے کیا تھا۔ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ قریب ہے کہ راضی ہوگا رب ابوبکر کا ابوبکر سے سب کا اتفاق اس پہ ہے کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئیں۔

فضائل

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (دین حق کے بارے میں) سبقت لیجانے والے (اور آگے بڑھ جانے والے چار ہیں) میں عرب میں سے سبقت کرنے والا ہوں اور صہیبؓ روم سے سلمانؓ فارس سے اور بلالؓ حبشہ سے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے نماز فجر کے وقت فرمایا کہ بلالؓ مجھے بتاؤ کہ تم نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایسا کونسا عمل کیا ہے جسکی قبولیت کے متعلق دوسرے اعمال سے زیادہ امید رکھتے ہو کیونکہ میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی آہٹ سنی۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا میں نے تو کوئی کام ایسا نہیں کیا جو اور باقی تمام اعمال سے زیادہ اُمید دلانے والا ہو۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ رات میں یا دن میں جب کبھی بھی میں نے وضو کیا تو وضو کے بعد کچھ نہ کچھ نماز نفل (تحیۃ الوضو) ضرور پڑھی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا' لہٰذا اسی عمل کی وجہ سے تم کو یہ رتبہ ملا۔

غزوۂ بدر میں شرکت اور امیہ بن خلف کا قتل

مکہ معظمہ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ نے مدینہ شریف کو ہجرت کی تو ہجرت کے ایک سال بعد جنگِ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت بلال رضؓ نے بھی اس جنگ میں دیگر صحابہؓ کی طرح شرکت فرمائی۔ مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے، اور انہوں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال کر دم لیا تھا، اور حضرت بلالؓ و عمارؓ و خباب رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہؓ پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے تھے اس جنگ میں مارے گئے۔ ابوجہل اور امیہ بن خلف جو حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ کو سخت سزا دیا کرتے تھے دونوں جہنم رسید ہوئے (اسد الغابہ میں لکھا ہے) کہ امیہ بن خلف کو جنگِ بدر میں حضرت بلالؓ نے قتل کیا۔ استیعاب میں لکھا ہے' امیہ بن خلف قتل ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت بلالؓ کو خطاب کر کے فرمایا'

هنيئا زادك الرحمٰن خيرا
فقد ادركت ثارك يا بلال

مبارک ہو اے بلالؓ! اللہ تعالیٰ تمہیں اور خیر عنایت فرمائے تم نے اپنا انتقام لے لیا۔

تمام مشہور غزوات میں آپ نے شرکت کی' فتح مکہ کے بعد کعبۃ اللہ کی چھت پر کھڑے ہو کر سب سے پہلے آپ ہی نے صدائے تکبیر بلند کی تھی۔ اور جس سرزمین پر آپ ایک مدت تک ہدفِ آلام و مصائب سے دوچار رہے تھے اس کی فضا میں پہلے پہل آپ ہی کا نغمۂ توحید پوری دلنوازیوں کے ساتھ گونجا تھا۔

اذان کی ابتدا حضرت بلال رضؓ کا مؤذن مقرر ہونا۔

سنہ ۲ھ میں اذان شروع ہوئی اور حضرت بلال رضؓ مؤذن مقرر ہوئے' اور سفر و حضر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہا کرتے اور نمازِ پنجگانہ کے اعلان کے لئے اذان کا طریقہ جاری کیا گیا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کو اس خدمت کے لئے منتخب کیا۔

سیدنا حضرت بلالؓ کی آواز میں بہت درد اور دلکشی تھی' جب بلند آواز سے اذان دیتے تھے تو سامعین کے قلب بے چین ہو جاتے تھے' عورتیں اپنی گھریلو مصروفیات' مرد اپنے کاروبار' اور بچے کھیل کود چھوڑ کر ایک والہانہ وارفتگی کے ساتھ اذان سنتے تھے اور سب پر ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ نے اذان دینی ترک کر دیتی تھی۔ لیکن جب آخری دفعہ فلسطین میں اذان دی ہے تو سب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ حضرت بلال رضؓ کے ذوقِ جہاد اور جذبۂ سرفروشی کا یہ عالم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اپنے محسن حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا' خلیفہ رسول اللہ! آپ نے مجھے خدا کے لئے آزاد کیا تھا یا اپنی مصاحبت کے لئے؟ فرمایا خدا کے لئے ہی میں نے تمہیں آزاد کیا تھا۔ یہ جواب سُن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ راہِ خدا میں جہاد کرنا مومن کا سب سے بہتر کام ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ پیامِ موت تک اسی عملِ خیر کو لازمۂ حیات بنا لوں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا' بلال! میں' تمہیں خدا اور اپنے حق کا واسطہ دیتا ہوں

کہ مجھے پیری میں داغ مفارقت نہ دو۔ اس قدر مؤثر محبت آمیز اور درد انگیز الفاظ کو سن کر حضرت بلال رضؓ خاموش ہوگئے، اور پھر ہمیشہ صدیق اکبرؓ کی رفاقت ہی میں رہے۔

حضرت بلال رضؓ کی ذات مطلع انوار و صد ہزار جذب و کشش کی حامل تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے تو اپنے سے جُدا ہونے نہ دیا تھا۔ جب آپ کے بعد حضرت فاروق رضؓ اعظم نے مسندِ خلافت پہ قدم رکھا تو آپ نے جوشِ جہاد سے سرشار ہوکر پھر وہی استدعا کی تو فاروق اعظم رضؓ نے بھی اصرار کے ساتھ روکنے کی سعی کی، لیکن اس مرتبہ بھی آپ کا یہی اصرار تھا اور اتنا زیادہ اصرار تھا کہ حضرت فاروقِ اعظم رضؓ مجبور ہوگئے، اور شرکتِ جہاد کی اجازت دیدی اور آپ محاذِ شام پہ پہنچ گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے سنہ ۱۶ھ میں شام کا سفر کیا تو دوسرے فوجی افسروں کے ساتھ حضرت بلال رضؓ نے بھی مقام جابیہ میں اُن کو خوش آمدید کہا اور بیت المقدس کے سفر میں ساتھ رہے۔ اسی زمانہ میں ایک دن حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت بلال رضؓ سے اذاں دینے کی فرمائش کی تو کہنے لگے میں عہد کرچکا تھا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لئے اذاں نہ دوں گا۔ تاہم آج آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ یہ کہہ کر آپ نے کچھ ایسے پرسوز لحن میں توحید کا پُرجلال نغمہ سُنایا کہ تمام مجمع بے تاب ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضؓ تو اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

حضرت بلال رضؓ عرصہ تک شام میں رہے۔ اسی اثناء میں ایک رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں، بلال! یہ زندگی کب تک رہیگی، کیا تمہارے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم مدینہ پہنچ کر ہماری زیارت کرو؟

اس خواب کی وجہ سے عشق کے دبے ہوئے زخم پھر سے ہرے ہوگئے۔ اسی وقت مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ روضۂ اقدس پہ پہنچکر مُرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا۔ حسنینؓ کو سینے لگا کر پیار کیا، تمام آرزومندوں کی خواہش پہ حضرات حسنین علیہ السلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ارشاد فرمایا، اے بلال رضؓ ہم کو بھی تمہاری اذاں سننے کی آرزو ہے۔ آپ شہزادوں کے حکم سے مجبور ہوگئے، جن کی فرماں برداری حکم خدا و رسولؐ سے فرض کردی گئی تھی، تعمیل حکم کے لئے وہ مسجد کے مینار پہ چڑھ گئے اور اذاں شروع کی، کہتے ہیں ؎

توتلے پن میں بھی تیری اک نرالی بات تھی
بادۂ توحید سے سرشار تیری ذات تھی
کیف زا تیری زباں پر فرق شین و سین تھا
ہم سمجھتے ہیں ارے تو عاشق لیسین تھا

مدارج النبوہ اور دیگر کتب سیر میں مرقوم ہے اور علامہ شبلی نعمانی نے الفاروق میں لکھا ہے کہ حضرت بلال رضؓ نے جب اذاں شروع کی تو صحابہ کے سامنے حضور علیہ السلام کی حیات مبارکہ کا نقشہ کھنچ گیا اور ہر ایک پہ رقت طاری ہوگئی۔

حضرت ابوعبیدہ رضؓ و حضرت معاذ بن جبل و حضرت عمرؓ وغیرہم صحابہ کا گریہ وزاری سے بُرا حال ہوگیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی اذاں دینے کی اور دوسروں کو سننے کی تاب نہ رہی۔ اسی حالت میں حضرت بلال رضؓ جذبۂ عشق سے جاں بحق تسلیم ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

بدعت کی حقیقت کیا ہے؟

از
محمد آدم برکاتی تونسوی
زمرۂ رابعہ دار العلوم اللطیفیہ جعفر مکان جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین ؁ اما بعد

بدعت کے معنی لغت میں نئی چیز کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے بدیع السمٰوات والارض یعنے اللہ تعالےٰ زمین اور آسمانوں کا ایجاد فرمانے والا ہے۔ اس آیت میں بدعت کا لفظ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے یعنی ایجاد کرنا۔ مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے قال النووی البدعۃ کل شیئ عمل علےٰ غیر مثال سبق یعنی بدعت ہر وہ کام ہے جو بغیر کسی مثال سابق کے کیا جائے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ بدعۃ کے معنی امر جدید کے ہیں جسکی پہلے سے کوئی مثال نہ ہو۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا اعمال جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیاتِ ظاہری میں نہ ہو، بعد میں ایجاد ہوے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدعتِ شرعی دو قسم کی ہوئی۔ ایک بدعتِ اعتقادی اور دوسری بدعتِ عملی۔

بدعتِ اعتقادی اُن بُرے عقائد کو کہیں گے، جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے۔ یہودی عیسائی، مشرکین کے عقائد کو بدعتِ اعتقادی نہیں کہینگے اگرچہ وہ کافر مشرک گمراہ ہیں۔ کیونکہ یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں موجود تھے اور اس کو یہودی عیسائی وغیرہ اسلامی عقائد بھی نہیں سمجھتے۔

ہاں اسلام میں جو نئے نئے فرقے پیدا ہوئے مثلاً معتزلہ خارجی، قادیانی، رافضی، وہابی، مہدوی، وغیرہ وغیرہ ان کے عقائد کو بدعتِ اعتقادی کہینگے۔ کیونکہ یہ تمام فرقے آپ کے زمانہ کے بعد بنے اور یہ لوگ اپنے عقیدے کو اسلامی عقیدہ کہتے ہیں۔ بدعتِ اعتقادی کا ثبوت یہ حدیث ہے، من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد یعنے جو شخص ہمارے دین میں ایسا عقیدہ ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔ اس حدیث میں لفظ ما کے معنی عقیدہ لئے گئے ہیں کیونکہ دین عقیدہ ہی کا نام ہے۔

بقیہ مضمون برصفحہ ۱۱۳

عادات وکرامات مشہور ہیں۔ بسی وطن کے مشرقی جانب گنج العلم کے روضہ سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ان کی مزار واقع ہے۔ یہ ولیہ آپکے خاندان سے تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ العلماء مخدوم عین الدین پہلے اسی جگہ مدفون تھے، بعد ازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر منتقل کرکے اس جگہ دفن کئے کہ جہاں اب مزار مبارک واقع ہے۔ واللہ اعلم

اللھم اجعلنا فی زمرتھم واحشرنا معھم وامرنا بوسلتھم ونفعنا بعلومھم وفیوضاتھم فی الدین والدنیا والاخرۃ

بدعتِ عملی، ہر وہ کام جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے
بعد ایجاد ہوا۔ خواہ وہ دینوی ہو یا دنیاوی، خواہ صحابہ کے
زمانہ میں ایجاد ہوا ہو یا اس کے بعد۔

اس بدعتِ عملی کی دو قسمیں ہیں۔ بدعتِ حسنہ۔ بدعتِ سیئہ
بدعتِ حسنہ اس کو کہتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود ہو،
اور کسی سنت کے خلاف نہ ہو۔

بدعتِ سیئہ اس کو کہتے ہیں جسکی کوئی اصل شریعت میں موجود
نہ ہو، اور کسی سنت کے مخالف ہو، یہ مکروہ یا حرام ہے۔ اور
ارشاد نبوی ہے قال النبی صلعم من ابتداء بدعت
ضلالۃ لا یرضاہ اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم
مثل اثام من عمل فیھا لا ینقص من اوزارھم
شیئاً (رواہ الترمذی وابن ماجہ) یعنے ترمذی وابن ماجہ میں
عمر بن عوف اور بلال بن حارث رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے ایک ایسی
بدعت نکالی جو گمراہی کی ہے، اس سے اللہ اور اس کے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں۔ اس پر ان لوگوں کے مانند گناہ ہے
جنہوں نے اس بدعت پر عمل کیا اور ان کے گناہوں سے کچھ
بھی کم نہیں ہوتا۔

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم من احب سنتی فقد
احبنی کان معی فی الجنۃ (رواہ فی مشکوٰۃ) یعنے
مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے میری سنت کو دوست رکھا
پس بتحقیق اس کو مجھ کو دوست رکھا۔ اور جس نے مجھکو دوست
رکھا، پس وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو
قائم و دائم رکھتے ہوئے اور کوئی نئی بات دین میں جاری کرے
اور شریعت کے مخالف نہ ہو، وہ بدعت ہرگز ہرگز بدعتِ سیئہ
نہیں ہوسکتی، بلکہ وہ بدعتِ حسنہ ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من
سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر
من عمل بھا یعنے جو اسلام میں اچھی راہ نکالے اس کے لئے
اس کا ثواب ہے، اور قیامت تک جو اس پر عمل کرے اسکا ثواب
بھی اس کو ملے گا۔ اس جگہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کسی
زمانے کی تخصیص نہ فرمائی بلکہ قیامت تک کیلئے یہ قانون مقرر
فرما دیا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ما احدث
مما یخالف الکتاب والسنۃ والاثر والاجماع
فھو ضلالۃ وما احدث من الخیر مما یخالف
شیئاً من ذالک فلیس بمذموم یعنے وہ نئی بات جو
مخالف ہو قرآن واحادیث وآثار صحابہ واجماع کے وہ گمراہی ہے
اور وہ نئی بات جو مخالف نہ ہو کتاب (یعنے قرآن) وسنت واجماع
کے وہ بری نہیں معلوم ہوا کہ ہر بدعت بری نہیں۔ اگر ہر بدعت گمراہ
کن ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ متعدد زبانیں بولنے والوں کے لئے صرف
ونحو کی تعلیم بھی ضلالہ ہے۔ حالانکہ عجمی ممالک میں توسیع اور تبلیغ
مذہب اسلام کے مدنظر صرف ونحو کی تعلیم نہ صرف بدعت واجبہ ہے
بلکہ فریضۂ عظمیٰ ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ردّ المحتار شرح درمختار میں اقسام بدعت کی اسطرح توضیح فرمائی ہے اور بدعت کو پانچ قسموں میں بیان کیا ہے ۱ بدعت واجبہ کنصب الادلۃ للرد علی اھل الفرق والضالۃ وتعلم النحو المفھم لکتاب والسنۃ یعنے کتاب وسنّت کے سمجھانے والے علم نحو کا سیکھنا اور گمراہ فرقوں کے معتقدات کی تردید کے لئے مسکت دلائل کا قائم کرنا بدعت واجب ہے۔

۲ بدعت مندوبہ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاوّل یعنے سرائے لنگر خانے اور مدرسہ وغیرہ کا قائم کرنا اور نیز ہر اس مفید کام کا جاری کرنا جو پہلے صدی میں نہ تھا مستحب ہے۔

۳ بدعت مباحہ کالتوسع بلذیذ المأکل والمشارب والثیاب یعنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں میں کشائش وافزودی بدعت مباح ہے۔

۴ بدعت مکروہ کزخرفۃ المساجد یعنے مسجد کی غیر ضروری تزئین وآرائش بدعت مکروہ ہے۔

۵ بدعت محرمہ کاعتقاد خلاف المعروف عن الرسول یعنے رسول کریم علیہ السلام سے جو معتقدات ثابت ہیں ان کے خلاف کا اعتقاد رکھنا بدعت حرام ہے۔

الغرض بدعت کی ان پانچ قسموں سے یہ امر حد تحقیق کو پہنچ گیا کہ لفظ بدعت ایک صفت ہے، اسکی اچھائی یا برائی موصوف کے اچھے یا برے ہونے پر موقوف ہے۔ اگر یہ کسی اچھی چیز کی صفت ہوگی اچھی ہوگی۔ جیسے موصوف کی خوبی کی وجہ سے اس کو صالح کے ساتھ متصف کرتے ہیں جیسے رجلٌ صالح (نیک مرد) اگر وہ بری چیز کی صفت ہوگی تو بری ہوگی جیسے رجلٌ طالح (برا مرد) مراد اپنی ذات کے اعتبار سے نہ اچھا ہے نہ برا۔ بلکہ اسکے عیوب یا محاسن اسکو اچھا یا برا بناتے ہیں۔ اسی طرح ہر جدید فعل جو خلاف سنّت یا خلاف شرع نہ ہو۔ اگر اپنے اثرات ونتائج کے اعتبار سے مفید ہیں تو وہ اگرچہ بدعت ہیں لیکن حسنہ ہیں اور اگر اس کے خلاف ہیں تو وہ مذموم ہیں۔

اگر کوئی موحّد یہ اعتراض کرے کہ کل بدعۃ ضالۃ کے کیا معنے ہو سکتا ہے تو اس کا اطمینان بخش جواب یہی ہے کہ جس طرح حدیث من ترك الصلوٰۃ متعمدًا فقد کفر میں شراح حدیث نے متعمدًا کے معنی جاحدًا لھا کے لئے ہیں اسی طرح کل بدعۃ ضالۃ کے معنی کل بدعۃ یضیف الایمان بھا فھی ضالۃ کے بلا تردید لینا پڑے گا۔ ورنہ اس حدیث من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ الخ کے خلاف ہر بدعت منحیہ کو بدعت ضالہ یعنے گمراہ کن بدعت قرار دینا پڑیگا۔ یہ بات بالکل صریح حدیث کے خلاف ہے اور تحقیق اور انصاف سے بالکل بعید ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ماراہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسنٌ (فتاویٰ شاہی) جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ اللہ کے نزدیک نیک ہے۔ بعض لوگ اپنی غلط فہمی سے تمامی بدعت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے بدعت کے معنیٰ ومطلب اور اس کے اقسام پر غور کریں اور سمجھے کہ کونسی بدعت حسنہ ہے اور کونسی سیئہ۔ اگر تمامی بدعت سیئہ ہوتی تو آجکل کی ہماری تجارت اور مدرسے کا قائم کرنا،

اور درس کا نصاب مقرر کرنا، یہ سب بھی نہ ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہ تمام باتیں جائز اور درست ہیں۔ ایسے ہی بعض لوگ کہتے ہیں کہ رمضان میں بیس رکعت تراویح کا پڑھنا بھی بدعتِ ضالّہ ہے، حالانکہ یہ بدعتِ ضالّہ نہیں، بلکہ بدعتِ حسنہ ہے جسکو فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا۔ اور خود فرمایا ہے کہ نعمۃ البدعت ھٰذا یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ اگر یہ بدعت ضالّہ ہوتی تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہرگز ہرگز اس کو ایجاد نہ کرتے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اقتدا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم

یعنی میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

ایسے ہی میلاد شریف کا پڑھنا بھی بدعتِ ضالّہ نہیں بلکہ یہ بدعت ہی نہیں۔ میلاد شریف کا ثبوت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے۔ جب صحابہ میں سے کوئی نعت شریف پڑھتے تو حضور ان سے خوش ہوتے تھے اور ان کے لئے دُعا فرماتے تھے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ ایکمرتبہ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ، نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ایک نعت شریف پڑھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ان کے لئے دعا فرمایا اللھم ایدہ بروح القدس یعنی اے اللہ تو حسّان کی روح قدس کے ذریعہ مدد فرما (اے اللہ تو حسّان کی روح قدس کے ذریعہ مدد فرما)۔

اسی طرح غزوۂ تبوک کے موقع پر جب غزوہ سے واپس آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عرض کیا، یا رسول اللہ اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے شان میں کوئی نعت پڑھوں تو حضور نے فرمایا قُل لا یفضض اللہ فاك (کہو جو کہنا چاہتے ہو اللہ تعالیٰ تیرے منہ کو سلامت رکھے) مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایکمرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اکھٹے ہو کر پہلے انبیاء کرام کا ذکر خیر کر رہے تھے۔ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ان صحابہ میں سے کسی نے کہا کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اللہ نے خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کلیم اللہ کا خطاب دیا، یعنے آپ سے کلام کیا۔ تیسرے نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کلمۃ اللہ و روح اللہ کا خطاب دیا۔ چوتھے نے کہا حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے صفی اللہ بنایا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آپ لوگوں کے کلام کو سنا، حضرت ابراھیم علیہ السلام کو اللہ نے واقعی خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو واقعی اللہ نے کلیم بنایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی اللہ نے کلمۃ اللہ و روح اللہ کا خطاب دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو واقعی اللہ نے صفی اللہ بنایا۔ لیکن الا وانا حبیب اللہ یعنے آگاہ رہو میں اللہ کا حبیب ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور کے زمانہ میں بھی صحابۂ کرام اکھٹے بیٹھ کر اگلے انبیاء کرام کا ذکر خیر کرتے تھے۔ تو آج ہم سرورِ انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ کا چرچہ کریں تو اس مبارک اجتماع کو کیسے بدعت کہہ سکتے ہیں۔ صحابہ کرام نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہزاروں

از
جناب مولوی الحاج حکیم زکی الدین احمد صاحب
نظامت دواخانہ
پرنام بٹ

"برتھ کنٹرول" کہئے یا ضبطِ تولید، دنیا جانتی ہے کہ یہ اس زمانہ کا نہایت ہی قابل توجہ مسئلہ ہے۔ آئے دن تقریباً ہر ملک میں اس کی اہمیت اور افادیت کا خوب خوب پروپیگنڈا ہو رہا ہے اور تقریباً ہر حکومت کی یہ خواہش ہے کہ کسی طرح نسل گھٹ کر محدود سے محدود تر ہو جائے تاکہ معاشرتی اور معاشی تکالیف کا بہ آسانی مقابلہ کیا جاسکے اور رہنے بسنے والی محدود آبادی کی کفالت حتی الامکان ہوسکے۔ اس تحریک سے متاثر افراد بالخصوص خواتین کا تمام تر رجحان اسی برتھ کنٹرول کی طرف ہے۔ جیسا کہ اکثر و بیشتر اس کے متعلق اطباء سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ تحریک کو اگرچہ معاشیات و اقتصادیات کے حل کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ مگر ثانوی طور پر جسمانی صحت اور تحفظِ صحت کا بھی یہ ایک ذریعہ ہے۔ اسی لئے ارادہ ہوا کہ قطع نظر اس کے شرعی اور معاشی حیثیت کے صرف طبی نقطۂ نظر سے اس پر بحث کی جائے اور مختصر طور پر اسی موضوع پر اپنے خیالات کو قلمبند کروں تاکہ اس کی طبی افادیت بھی واضح ہوجائے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت اور حدود بھی معلوم ہوجائیں۔

یہ حقیقت ہے کہ اولاد کی خواہش ایک فطری جذبہ ہے جو ہر تندرست انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ کسی گھرانے کی

(سلسلۂ مضمون پچھلا صفحہ ۱۲۲) کا ذکر کیا ہے حضورؐ کی نشست و برخاست کیسی تھی اور حضور خواب کیسے فرماتے، جاگتے کیسے گویا ہر ادا کا ذکر صحابہ نے کیا۔ اگر یہ ذکر کرنا ناجائز ہوتا تو وہ صحابہ ہرگز اس کا ذکر نہ کرتے۔ اگر وہ نہ ذکر کرتے تو ہم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ و سیرت پاک سے محروم رہتے۔ سو سو رحمتیں ہوں ان نفوسِ پاک پر کہ جنہوں نے ہر ادا کا ذکر تفصیلاً ہمیں بتایا اور اس سے آگاہ کیا۔

بزرگان دین نے مسلمانوں کی تربیت و اصلاح کیلئے جو مختلف طریقے رائج کئے ہیں مثلاً چلّہ، وظیفہ، فاتحہ، میلاد، مزارات پر چراغاں کرنا، پھول کی چادر چڑھانا، بزرگوں کی دست بوسی یا قدم بوسی کرنا، سلام میں قیام کرنا، گیارھویں شریف کا فاتحہ کرنا، اور اسی طرح مختلف موقعوں پر بزرگان دین کے لئے ایصال ثواب و فاتحہ کرنا امام حسین علیہ السلام کے نام سے سبیل پلانا (یعنی شربت پلانا) سب جائز اور باعثِ ثواب ہے۔ کوئی بھی ناجائز یا بدعت سیئہ نہیں ہے۔ دعا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین کے احکام جاننے اور عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب

مسرت اور زینت کیلئے اولاد ہی چشم و چراغ ہیں۔ اور ماں باپ کے لئے اولاد سے بڑھکر اس دنیا میں کوئی سہارا نہیں۔ اسی لئے ماں باپ کو اولاد سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوتی، بشرطیکہ اولاد کی ایک محدود تعداد ہو۔ اولاد صحیح الدماغ اور تندرست مزاج ہو اور ساتھ ساتھ ماں باپ بھی اس قابل ہوں کہ اولاد کیلئے ضروریات زندگی بآسانی مہیا کر سکیں اور ان کی کفالت ماں باپ کی طاقت سے باہر نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ مسرت اور شادمانی اسی وقت ممکن ہے، جب اولاد کی تعداد کم سے کم ہو۔ دو تین یا زیادہ سے زیادہ پانچ بچے ہوگئے تو انسان کے اس فطری جذبہ کو کافی تشفی ہو جاتی ہے، جو قدرت کی طرف سے ہر انسان میں ہوتا ہے۔ اور اس عدد تک آدمی کسی حد تک مطمئن اور مسرور رہتا ہے برخلاف اس کے اگر اولاد کی تعداد حد سے متجاوز ہوگئی تو یہ غیر متمنی اور غیر ضروری اولاد، والدین کیلئے خوشیوں اور شادمانیوں کا باعث نہیں ہوتی۔ ان کی تمناؤں کا نتیجہ اور ان کی آرزوؤں کا پھل نہیں ہوا کرتی بلکہ ان کی فکروں اور آلام کا سرچشمہ اور ان کے لئے سوہان روح ہو جاتی ہے شعر ؎

اگر دو تین بچے ہوں تو ان سے دل بہلتا ہے
مگر جب ان کی کثرت ہو تو بڑھتی ہے پریشانی

بالخصوص ماں کیلئے تو کثرت اولاد مصیبت بن جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ مسلمہ ہے کہ جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو اس کے قوائے جسمانی پر کافی بار پڑتا ہے جس طرح پہلے حمل میں قوت برداشت ہوتی ہے، دوسرے میں نہیں ہوتی۔ علی ہٰذا القیاس جوں جوں حملوں کی تعداد زیادہ ہوگی، امراض کی صلاحیت بھی زیادہ سے زیادہ ہوگی۔ بالخصوص امراض رحم کیلئے عورت کافی مستعد ہوتی ہے۔ اور اس زمانہ میں تو جب کہ خالص اشیاء اور عمدہ غذاؤں کا قحط ہے نہ کافی تعداد میں وٹامین نہ پروٹین نہ عمدہ غذائیں میسر آتی ہیں۔ جلنے والی عورت بہت جلد کمزور ہو جاتی ہے اور امراض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ؎

صحت عورتوں کی بچوں ہی میں پوری ہو کے رہتی ہے
کھڑے رہتے ہیں ہر دم سامنے امراض نسوانی

سیلان الرحم، اورام رحم، سرطان رحم، اختلاج قلب، سل دق اور قلۃ الدم جیسی بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بیمار حاملہ کا بچہ بھی بیماریوں سے متاثر ہی پیدا ہوگا۔ ادھر بیماریوں کا سلسلہ، ادھر معاشی مجبوریاں، بھلا ایسی کثرت اولاد سے ماں باپ کیونکر خوش ہوں گے؟ جو والدین اولاد کو اپنے لئے باعث مسرت و راحت سمجھتے تھے، اب وہی اس کو باعث اذیت و کلفت سمجھنے لگیں گے۔

ان ہی حقائق کے پیش نظر اہل فن نے برتھ کنٹرول کی طرف توجہ دلائی کہ بخصوص حالات میں بعض ضروری مصالح کے تحت ضبط تولید کے تدابیر عمل میں لائے جائیں اور مناسب طریقوں سے برتھ کنٹرول کیا جائے۔ برتھ کنٹرول کے یہ معنی نہیں، کہ اس سے استقرار حمل کی صلاحیت ہی کو ختم کر دیا جائے، اور ہر انسان اپنے ارادہ کے مطابق تجدید نسل کرلے۔ کیوں کہ یہ منشاء قدرت کے خلاف ہے اور قدرت کے سامنے انسان کی بے بسی تو ظاہر ہے بلکہ یہاں تک اہل فن اور مفکرین نے اس پہ زور

دیلہ ہے۔ وہ اہم حالات میں عارضی کنٹرول کی ترغیب ہے اور ضبط کی تعلیم۔ نہ کہ صلاحیت ہی کا اختتام۔ بلکہ کنٹرول سے صرف اتنا وقفہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ حاملہ کی صحت پر برا اثر نہ پڑے۔ حاملہ تازہ دم ہوکر اس میں دوسرے حمل کی قوتِ برداشت پیدا ہو جائے۔ اور جو نسل ہو وہ تندرست پیدا ہو سکے۔ ماں باپ میں نومولود کی پرورش کی قابلیت پیدا ہو جائے۔ باپ کے کمانے کی قوت جواب نہ دیدے، معیارِ زندگی ایسا ہو کہ نئی پیدا ہونے والی اولاد کی پرورش بھی بحسن و خوبی ممکن ہو۔

دانشمندانہ فیصلہ یہ ہے کہ اگر آدمی برتھ کنٹرول کے ظاہری ذرائع وسائل اختیار کرنے کی بجائے ضبطِ نفس کا خوگر ہو جائے اور اپنے نفس پر قادر ہو جائے، مزاج کو اعتدال پسند بنالے اور شہوت رانی مقصود نہ ہو تو یہ برتھ کنٹرول کی عمدہ مثال ہے۔

آپریشن کے ذریعہ تحدیدِ نسل کہ جس سے مستقل طور پر بانجھ پن پیدا ہو جائے، یہ عملیاتِ جراحی انتہائی مجبوری کی صورت میں کئے جاسکتے ہیں۔ یعنے ایسی حاملہ جسکی زچگی کا ذریعہ آپریشن ہو، یا حاملہ اتنی کمزور ہو کہ دوبارہ حمل کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہو، یا رحم کی ساخت اتنی کمزور ہو کہ دوسرے حمل میں اس کے پھٹ جانے کا قوی امکان ہو، یا حاملہ ایسے امراض مثلاً امراضِ قلب یا امراضِ گردہ، مثانہ یا امراضِ رحم میں مبتلا ہے جس کے لئے دوسرا حمل باعثِ خطرہ ہے اور ماہرین معالجین نے اس کے لئے تحدیدِ نسل کا مشورہ دیا ہو، تو ایسے تمام حالات میں ماہر اطباء سے مشورہ کرکے آپریشن کے ذریعہ ضبطِ تولید کیا جاسکتا ہے۔

آپریشن کے ذریعہ جس طرح عورتوں میں برتھ کنٹرول ہوتا ہے اسی طرح مردوں کا بھی آپریشن ہوتا ہے۔ مگر مردوں کا آپریشن زیادہ مفید نہیں سمجھا جاتا۔ اور نسبتہً خطرہ زیادہ ہے۔ لہٰذا مردوں کو حتی الامکان اس آپریشن سے اجتناب ہی کرنا بہتر ہے اور آپریشن جو عورتوں کیلئے بھی کیا جائے وہ استقرارِ حمل سے پہلے کیا جانا چاہئے۔ حالتِ حمل میں آپریشن کرنا یا برتھ کنٹرول کی غرض سے اسقاط کے تدابیر کرنا خواہ اسقاط ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں خطرناک ہے۔ لہٰذا استقرارِ حمل سے پہلے مناسب تدابیر سے برتھ کنٹرول کرنا اور مزاج کو اعتدال پسند بناتے ہوئے ایک ولادت سے دوسری ولادت تک مناسب وقفے کا اہتمام کرنا گویا اپنے لئے امن و سرور کی دعوت دینا ہے۔

وماللہ التوفیق ؎ گلشن سرور و امن کا بن جائے گھر ترا
گر ساتھ اعتدال کے ہو "برتھ کنٹرول"

میرے پسندیدہ شعر

از: حافظ حاجی بشیر احمد ادھونی
متعلم
دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان قطب ویلور -

نہ گل اپنا، نہ خار اپنا، نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا کس گلستاں میں یہ ہم نے آشیاں اپنا

اقبال

ترے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا، نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی، وہاں جینے کی پابندی

اقبال

نہ ہو مایوس، مایوسی زوال علم وعرفاں ہے،
امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

اقبال

حور کی لالچ میں پڑھتے ہیں نماز
شیخ جی کی بس عبادت دیکھ لی

نامعلوم

نقش سجود تیری جبیں پر رہا تو کیا
وہ سجدہ کر کے لوح زمیں پر نشاں ہے

نامعلوم

میں گل فسردہ باغ ہوں مرے لب ہنسی کو بھلا چکے
تجھے اے صبا جو نہ ہو یقیں مجھے گدگدا کے بھی دیکھ لے

ملا

عاشق کے جگر کے داغ نہیں کچھ سوز بھی ہے کچھ نور بھی ہے
بھڑکے تو شرارے ہوتے ہیں چمکے تو چراغاں ہوتے ہیں

فصیح

کہاں وہ سادگی ان کی کہاں وہ حسن خلق انکا
یہ کس ظالم نے بویا زہر دہقانوں کی دنیا میں

شمس منیری

نہ سمجھا عمر گذری اس بت کافر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے

امیر مینائی

حقیقت پوچھنے کیا ہو حقیقت مختصر یہ ہے
درندے بیشتر بستے ہیں انسانوں کی دنیا میں

شمس منیری

زلیخا تجھے بتلاؤں ہیں شاہ خوباں — یہ مدینہ ہے کوئی مصر کا بازار نہیں

نامعلوم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۵

... آج سے چودہ ۱۴ سو سال قبل جب کہ ہر طرف ظلمت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور کہیں بھی نورِ حق کی کوئی کرن نظر نہ آتی تھی، اور مخلوق خدا احکاماتِ خدا کے ساتھ انسانیت اور اخلاق و شرافت کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ ایسی عالمگیر ظلمت میں ایک ایسے رہبر کی اشد ضرورت تھی جو اللہ تعالیٰ کی بھٹکی ہوئی مخلوق کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر سکے اور لوگوں کو دعوتِ حق دے۔ تو اللہ رب العزت نے اپنے دیرینہ اصول کے مطابق نبی آخر الزّمان حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ صلعم نے لوگوں کو دعوتِ حق دی اور خدا کی گمراہ مخلوق کو راہِ راست پر لایا اور مخلوق خدا کی کامل صلاح اور دین اسلام کی تکمیل کے بعد خدا کے حبیب صلعم اپنی جان کو جان آفرین کے سپرد کر دیا۔

آپ صلعم کے بعد خلفائے راشدین نے دینِ حق کی اشاعت کی انہیں خلفائے اربعہ میں سے خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، جن کو ذو النّورین بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کی ولادتِ باسعادت، واقعہ اصحابِ فیل کے چھ سال بعد ہوئی یعنی آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ برس کے چھوٹے تھے۔ آپ کا تعلق خاندانِ بنی امیہ میں سے تھا۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا اور آپ کا خاندان عرب کے اور خاندانوں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔

آپ یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، بڑے قابل و لائق خلیفہ گذرے ہیں۔ آپ لکھنا پڑھنا بھی بخوبی جانتے تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا میر منشی بنالیا تھا۔ اور حضور صلعم آپ کو بے حد چاہتے تھے۔ آپ مکہ کے رئیس التجاروں میں سے تھے۔ بزازی کی تجارت کیا کرتے تھے۔ اسی تجارت میں آپ نے بہت سا مال وزر کمایا اور اسی مال و دولت سے دین اسلام کی خدمت کی اور غرباء و مساکین کے لئے تو آپ کا دولت خانہ ہمہ وقت کھلا رہتا تھا اور کوئی مسکین بھی آپ کے در سے خالی نہیں جاتا تھا۔

چنانچہ جنگِ تبوک کے موقع پر جب تیس ہزار کی فوج جمع ہوئی تو جنگ کے لئے ہتیار اور غلہ وغیرہ کی کمی تھی اس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے لئے باشندگانِ عرب سے مدد کی درخواست فرمائی۔

چنانچہ ہر شخص نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق مدد کی لیکن جب حضرت عثمان غنی رض کی باری آئی تو آپ نے بے حد مال و زر اور اونٹ اور ہتھیار فراہم فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج کو جن اشیاء کی اشد ضرورت تھی اور جن جن چیزوں کی کمی واقع تھی، وہ حضرت عثمان غنی رض کی وساطت سے پوری ہو گئی۔

ایکمرتبہ حضرت عمر فاروق رض کی خلافت کے زمانے میں مکۂ معظمہ میں قحط پڑا اور لوگوں کو اناج ملنا بہت ہی دشوار ہو گیا۔ اتفاقاً ایکدن حضرت عثمان غنی رض کے تین سو اونٹ ملک شام سے آئے اور تمام اونٹ غلہ سے لدے ہوئے تھے۔ تاجران مکہ کو خبر ہوئی تو آپ رض کے پاس آئے اور کہا کہ اناج ہم لوگوں کو فروخت کر دیجئے۔ حضرت عثمان رض نے ان سے پوچھا کہ منافع کیا دو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم دس فیصدی منافع دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے کہا کہ اس سے بھی زیادہ منافع دینے والا موجود ہے، تو پھر انہوں نے کہا کہ اچھا بیس فیصدی منافع دیتے ہیں۔ حضرت عثمان نے اسی طرح جواب دیا۔ چنانچہ تاجر منافع کی زیادتی کرتے جاتے تھے، اور حضرت عثمان بھی برابر جواب دے رہے تھے، کہ اس سے بھی دگنا منافع دینے والا موجود ہے۔

آخر کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاجر ستر فیصدی نفع دینے کے لئے بھی تیار ہو گئے، مگر حضرت عثمان رض نہ مانے تو ان کو سخت تعجب ہوا کہ آخر وہ کون ایسا تاجر ہے جو ہم سے بھی زیادہ منافع دینے والا ہے۔ آخر تمام تاجر مجبور ہو کر ناکام واپس لوٹ گئے۔ اس کے بعد خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروق رض حضرت عثمان غنی رض کے پاس آئے اور غلہ کی قیمت پوچھی اور پچاس فیصد منافع دینے کے لئے تیار ہو گئے مگر حضرت عثمان رض نے منع کر دیا تو حضرت عمر رض نے فرمایا، اے عثمان رض! میں نہیں جانتا تھا کہ تم مال دنیا کے اتنا زیادہ حریص ہو، اس کے بعد حضرت عمر رض فاروق بھی واپس ہو گئے۔

دوسرے دن صبح کے وقت حضرت عثمان رض نے یہ عام اعلان کرا دیا کہ جس کسی کو جتنا بھی غلہ درکار ہو وہ میرے پاس سے لیجا سکتا ہے۔ چنانچہ غلہ چند ہی گھنٹوں کے اندر غریبوں، مفلسوں اور ناداروں کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔

جب عمر رض فاروق کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ بہت خوش ہوئے اور آپ نے حضرت عثمان رض کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابۂ کرام مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے، مدینہ میں پانی نہایت ہی کھارا تھا جس کا پینا ناگوار گذرتا تھا تو صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! مدینہ منورہ میں ہی ایک کنواں ہے جس کا پانی نہایت ہی شیریں ہے، اور اس کنویں کا مالک بھی موجود ہے تو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ اے شخص وہ کنواں ہمیں فروخت کر دو، میں تم کو اس کے عوض جنت میں ایک چشمۂ شیریں عطا کرتا ہوں، تو اس کنویں کے مالک نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میرے گھر کی ضروریات اسی کنویں سے وابستہ ہیں۔

جب یہ خبر حضرت عثمان رض کو ملی تو وہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اگر اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دوں تو آپ کیا مجھے جنت کا چشمۂ شیریں عطا فرمائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو آپ رض نے اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں پر وقف

کر دیا۔ جب کبھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کو کوئی ضرورت پیش آجاتی تو آپؓ ہی اکثر ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ ایکمرتبہ کا واقعہ ہے کہ اہل بیت کو کوئی کھانا میسر نہ ہوا۔ جب یہ خبر حضرت عثمان غنی رضؓ کو ملی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو آگئے اور فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لائے۔ اُسوقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر میں موجود نہ تھے۔ حضرت عثمان رضؓ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضورؐ کا حال دریافت کیا تو پتہ چلا کہ آپ (صلے اللہ علیہ وسلم) چار دن سے کچھ نہیں کھائے ہیں۔ یہ سن کر آپؓ بہت غمگین ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کو مناسب تھا کہ مجھے ایسے واقعات کی خبر نہ دیں۔ یہ کہہ کر حضرت عثمان غنی رضؓ اسی وقت اپنے گھر پر آئے اور کئی اونٹ اور گیہوں اور کھجور اور ایک بکرا اور درہم وغیرہ لے جاکر حضورؐ کے ہاں پیش کئے۔ جب یہ واقعہ حضور کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا تو آپؐ بیحد خوش ہوئے اور فوراً مسجد تشریف لائے اور سجدۂ شکر ادا کر کے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! میں عثمان رضؓ سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی ہو۔

ان چند ہی مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، جو دوسخا کے پیکر تھے۔ اور آپؓ کے اندر جود وسخا اور رحم دلی کا مادہ بے حد تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جود وسخا میں حضرت عثمان غنی رضؓ کسی سے کم نہیں تھے۔

ایکمرتبہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے اور پنڈلی سے کچھ کپڑا اٹھا ہوا تھا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ دروازے پر کھڑے ہوئے حضورؐ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دی کہ اندر آجاؤ۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عمر فاروق رضؓ بھی تشریف لائے اور آپ سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے ان کو بھی اجازت دے دی۔ الغرض دونوں یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور حضرت عمر فاروق رضؓ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے تھے اور آپ لیٹے ہی رہے۔ تھوڑی دیر بعد جب حضرت عثمان غنی رضؓ تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور اپنے جامۂ مُبارک کو ٹھیک کر کے حضرت عثمان رضؓ کو اجازت دیدی کہ اندر آجاؤ۔ آپ اندر تشریف لائے۔

جب یہ تین صحابۂ کرام رضؓ حضورؐ کی زیارت سے فارغ ہوئے اور تشریف لے گئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! جب صدیق اکبر آئے تو آپ لیٹے رہے اور کپڑا اس پنڈلی سے اٹھا رہا۔ جب فاروق رضؓ اعظم آئے تو بھی آپ لیٹے رہے اور کپڑا بھی اس پنڈلی سے اٹھا رہا۔ جب حضرت عثمان غنی رضؓ آئے تو آپ اُٹھ بیٹھے اور کپڑا بھی درست فرمایا، یہ کیا وجہ تھی؟

تو آپؐ نے فرمایا اے عائشہ! میں ایسے شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس شخص سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضؓ میں حیا کا مادہ بھی تھا اور اسی لئے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:-

الحیاء شعبۃ من الایمان

حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں تھیں ایک حضرت رقیہ رضؓ، دوسری حضرت ام کلثومؓ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ رضؓ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضؓ سے کیا۔

جب حضرت رقیہ رضؓ کا انتقال ہو گیا تو آپ نے اللہ رب العزۃ کے حکم کے مطابق ام کلثوم رضؓ کا نکاح بھی حضرت عثمان غنی رضؓ سے کیا۔ جب امّ کلثوم بھی دنیا سے رخصت ہو گئیں تو خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اگر ایک میری اور لڑکی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی حضرت عثمان غنی رضؓ ہی سے کرتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر میری سَو لڑکیاں بھی ہوتیں تو میں ان کا نکاح بھی یکے بعد دیگرے حضرت عثمان غنی رضؓ ہی سے کرتا۔ تو اس سے پتہ چلا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضؓ سے بیحد محبت کرتے تھے اور محبت کی اس سے بھی بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے جبکہ حضورؐ نے فرمایا ہے

لکل نبی رفیق ورفیقی فی جنۃ عثمان (ترجمہ) ہر نبی کے لئے دوست ہے اور میرا دوست جنّت میں عثمان ہے۔

حضرت عثمان غنی رضؓ حضورؐ کی وفات تک اور وفات کے بعد بھی ہمیشہ اہل بیت کی امداد و معاونت فرماتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلافت پر فائز ہوئے اور آپ کے بعد حضرت عمر رضؓ تخت خلافت پر متمکن ہوئے اور حضرت عثمان رضؓ دونوں خلفاء کو ہمیشہ صلاح اور عمدہ مشورہ دیتے رہے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کے بعد سیدنا حضرت عثمان غنی رضؓ تخت خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے تقریباً تیرہ سال تک دینِ حق کی اشاعت فرمائی۔ یہ تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ میں رحمدلی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ بنابریں چند باغیوں نے آپ کی اس نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں فتنہ برپا کیا۔ باغیوں نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ آپ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ اور ہر ایران مظالم کے باوجود آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ بلکہ خلافت کا کام انجام دیتے ہی رہے۔ اگر آپ چاہتے تو فتنہ و فساد کو فوجی طاقت کے ذریعہ چند ہی گھنٹوں میں ختم کر دیتے مگر آپ نے مدینۃ النبیؐ کے احترام میں مسلمانوں کے ایک قطرۂ خون کو بھی بہانا گوارا نہ کیا اور آخر وقت تک باغیوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات سے آگاہ کرتے رہے، مگر مفسدوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کے برعکس آپ کو انہوں نے بھوکا پیاسا رکھا۔ اور طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے رہے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ وقتاً فوقتاً آپ کو غذا وغیرہ حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ سے روانہ کرتے رہے۔

باغیوں نے جلد از جلد حضرت عثمان غنی رضؓ کی شمع حیات بجھانے کا فیصلہ کر لیا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت عثمان غنی رضؓ کو اپنی شہادت کا پورا پورا یقین تھا۔ مگر آپ رضؓ صبر و استقلال کے ساتھ ہر وقت اس کے منتظر تھے۔ بنابریں آپ بیسؓ غلام آزاد کئے۔ جمعہ کا دن تھا۔ آپ بحالت روزہ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے، اس وقت قصر خلافت کے پھاٹک پر حضرت امام حسینؑ تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ، حضرت محمد بن مسلمہ رضؓ اور بہت سے صحابہؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از
مصطفیٰ کمال پاشاہ
زمرۂ ثالثہ
دارالعلوم لطیفیہ مکان
حضرت قطب ویلورؒ

الحمد للہ الذی ابدع الافلاک والارضین والصلوٰۃ علیٰ من کان بین او آدم بین الماء والطین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین اما بعد، اسلام میں بہت سی جنگیں ہوئیں۔ ان میں غزوۂ بدر بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اسلام کا ازلی دشمن ابوجہل اسی جنگ میں مارا گیا۔ چنانچہ میں اس سلسلے میں چند واقعات ہدیۂ ناظرین کررہا ہوں تاکہ اندازہ ہو کہ ہمارے اسلاف نے اسلام کی اشاعت میں کیسی کیسی بیش بہا اور عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں اور مصائب وحوادث کے طوفان کے مقابلہ میں عزم واستقامت کا کوہِ گراں پیکر ثابت ہوئے ہیں اور بڑے سے بڑے خطرات وآفات کا مقابلہ بڑی جوانمردی واولوالعزمی کے ساتھ کرکے اپنی قوت وشوکت کا سکہ تمام عالم میں بٹھایا ہے۔

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیٔ اسلام کا عام چرچا تھا اسی بنا پر انصار میں معاذ اور معوذ ان دونو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آئے گا یا تو اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے، کہ میں صف میں تھا کہ اچانک مجھکو داہنے بائیں دو نوجوان نظر ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا اے بھائی ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا۔ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کردوں گا یا خود لڑکر شہید ہوجاؤں گا۔ میں جواب دینے نہیں پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کہیں۔ میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔ بتانا ہی تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور اسی وقت ابوجہل خاک پر تھا۔ یہ دونوں عفراء کے بیٹے تھے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے پیچھے سے آکر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری جس کی وجہ سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذؓ نے عکرمہ کا پیچھا کیا وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی ہے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ جس کی وجہ سے تسمہ بھی الگ ہوگیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ لڑائی کے

لئے آئے ہیں، ان میں ایسے بھی لوگ ہیں، جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے، ان میں ابوالبختری بھی تھا۔ مجذر کی نظر ابوالبختری پر پڑی۔ مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھ کو تیرے قتل سے منع فرمایا ہے، اس لئے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا۔ ابوالبختری نے کہا اس کو بھی چھوڑ دو۔ مجذر نے کہا نہیں۔ ابوالبختری نے کہا میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کیلئے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری یہ رجز (شعر) پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

شعر: لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ
حتی یموت او یری سبیلہ

(ترجمہ) شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا۔ جب تک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی ابوجہل کی خبر لائے کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو وہ زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا۔ ابوجہل نے ایکدفعہ ان کو پتھر مارا تھا۔ انہوں نے انتقام میں اسکی گردن پر پاؤں رکھا، ابوجہل نے کہا او بکریوں کے چرانے والے دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر کاٹ لیا۔ اور آنحضرت ؐ کے قدموں میں ڈال دیا۔

لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپ اس کو وہیں دفن کر دیتے تھے لیکن اس موقعہ پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرنا ممکن نہ تھا، اس لئے ایک وسیع کنوئیں میں آپ نے تمام لاشیں ڈلوا دیں۔ امیہ کی لاش چونکہ پھول کر اس قابل نہیں تھی کہ جگہ سے ہٹائی جائے اس لئے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا قدم اکھڑ گیا اور فوج میں انقلاب بھڑک اٹھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اس سے کسی زمانہ میں معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کے جان کے ضامن ہوں گے۔ بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقعہ تھا، مگر چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے اس کو لیکر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال رضؓ نے دیکھ لیا، انصار کو خبر کر دی۔ دفعتاً لوگ ٹوٹ پڑے، انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اسکو قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی یعنی امیہ کے بیٹے کو مارنے کے بعد بھی خاموشی اختیار نہیں کی، بلکہ امیہ کی طرف بڑھے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے امیہ سے کہا کہ تم فوراً زمین پر لیٹ جاؤ۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں، یہ لیٹ گیا تو اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں۔ لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے حتی الامکان بچانے کی کوشش کی مگر کوشش ناکام رہی۔ آخر کار انجام یہ ہوا کہ بچانے کے موقعہ پر حضرت عبدالرحمٰن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہو گئی، اور

زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔ ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی۔ اس لئے کہ جب کفار کے سردار اور ان کے بڑے بڑے سپہ سالار خود گرفتار ہو گئے۔ تو وہاں کون ایسا تھا جو ان کی فوج کی دیکھ بھال کرتا۔ آخر کار ان کو مسلمانوں کے آگے سر خم کرنا پڑا۔ اور تمام نے ہتیار زمین پر ڈال دئے اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ان گرفتار ہونے والے معزز لوگوں میں کچھ یہ لوگ بھی تھے، حضرت عباس، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی تھے) نوفل۔ اسود ابن عامر، عبداللہ بن زمعہ، اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

جنگ میں جو قیدی لائے گئے ان کو مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا اور اس موقعہ پر حضرت سودہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ یہ بھی تشریف رکھی تھیں، ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمر بھی تھے، ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں، کہ تم نے بھی عورتوں کی طرح بیڑیاں پہن لی، یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے"۔ اسیران جنگ دو دو، چار چار صحابہ کرام کو تقسیم کر دئے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے۔ ان قیدیوں میں ابوالعزیز بھی تھے، جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھکو جن انصار نے اپنے گھر میں قید رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھے شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا۔ لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس کر دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا، جو نہایت فصیح اللسان تھا، یعنی اس میں بہت فصاحت پائی جاتی تھی۔ اور عام مجمعوں میں آنحضرتؐ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھی طرح نہ کہہ سکے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں گا، تو اگرچہ میں نبی ہوں لیکن خدا اس کے جزاء میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا۔ (صحیح بخاری)

عام روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے مدینہ میں آکر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کی، سب اپنے ہی خویش و اقارب ہیں، فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ میں دوست دشمن، عزیز و بیگانہ قریب و لعبید کی تمیز نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دئے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے اپنے عزیز کو قتل کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا۔ اس پر خدا کی جانب سے تنبیہ ہوئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ لو لا کتب من الله سبق لمسكم فيما اخذتم عذاب عظيم (ترجمہ) اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر

روپڑے۔ یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور ہے۔ احادیث میں بھی موجود ہے، لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے۔ ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے، کہ اس وقت تک مالِ غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے۔ عرب کے عام دستور کے مطابق صحابہ مالِ غنیمت میں مصروف ہوگئے۔ اس پر عتاب آیا۔ لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا، اس لئے یہ جرم معاف کر دیا گیا اور حکم آیا کہ مالِ غنیمت جو ہاتھ آچکا حلال ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (ترجمہ) تو جو تم نے مالِ غنیمت حاصل کیا ہے اسے کھاؤ کہ حلالِ طیب ہے۔

اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا، وہ حلال طیب کر دیا گیا اور وہ مالِ غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ابكي الذي عرض علی اصحابك من اخذهم الفداء یعنی تمہارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے تنبیہ کی گئی، اس پر میں رو رہا ہوں۔ عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا۔ چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتیٰ یثخن فی الارض، یعنی کسی نبی کو یہ زیبا نہیں کہ بغیر اچھی طرح خوں ریزی کئے لوگوں کو قیدی بنائے۔

اس آیت کا ماحصل یہ ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خون ریزی نہ ہو جائے قیدی بنانا مناسب نہیں، اس سے یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اگر خوں ریزی سے پہلے لوگ گرفتار کر لئے گئے تو لڑائی کے بعد انہیں قتل کر دینا ضروری ہے۔ بہرحال اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا۔ لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے ان میں جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں تو چھوڑ دئے جائیں گے۔

اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسیران مستطیع نے فدیہ دیکر چھٹکارہ پایا اور بعض نے ناداری کی وجہ سے بچوں کو تعلیم دیکر نجات حاصل کی۔

عمیر بن وہب قریش میں اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن امیہ حجرے میں بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہیں۔ عمیر نے کہا سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے۔ صفوان نے کہا، تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو، ان کا میں ذمہ دار ہوں۔ عمیر نے گھر آکر تلوار زہر میں بجھائی، اور مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لئے، گلا دبا کے اس کو حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ نے فرمایا، عمیر کو چھوڑ دو۔ عمیر قریب آجاؤ۔ پوچھا کس ارادے سے آئے ہو، جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا تلوار کیوں حمائل ہے۔ عمیر نے کہا آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں۔ فرمایا کیا تم اور صفوان نے حجرے میں بیٹھکر میرے

قتل کی سازش نہیں کی؟

عمیر یہ سنتے ہی بے اختیار ہو کر بولا "محمدؐ بے شک تم پیغمبر ہو۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔ حضرت عمیرؓ مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے جہاں کا ہر ذرہ اس وقت مسلمان کے خون کا پیاسا تھا ان اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت کے ساتھ اب دشمنان اسلام کے دشمن تھے۔ یہاں پہنچکر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کر دیا۔

آج ہم ہیں کہ ہم کو اسلاف سے کوئی نسبت نہیں۔ پست ہمتی، بزدلی، خوف وہراس دلوں پر مسلط ہے۔ موت کے نام سے ڈر لگتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان تمام ذلتوں اور رسوائیوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ اسلاف کے کارناموں سے کچھ سبق حاصل کریں کہ ان کا طریقہ کار شیری تھا نہ کہ روباہی۔

شعر

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سلسلۂ صفحہ ۱۳۱ کرام باغیوں کو روکے ہوئے تھے۔ اس وقت کچھ کشت وخون بھی ہوا۔ جب ان باغیوں کو اندر داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو انہوں نے پھاٹک میں آگ لگا دی۔ کچھ باغی قصرِ خلافت کے اردگرد جو مکانات تھے ان کے ذریعے اوپر چڑھ کر اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت حضرت عثمان غنیؓ تلاوت کلام اللہ میں منہمک تھے۔ اسی وقت محمد بن ابی بکر جو حضرت عثمان غنیؓ کے بڑے دشمنوں میں سے تھے آپکے اوپر چڑھ کر آپکی ریش مبارک پکڑ لی اور گستاخانہ الفاظ زبان پر لائے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا، اے بھتیجے اس کو چھوڑ دو۔ تمہارے والد کبھی ایسا نہ کرتے۔ اگر وہ یہ دیکھتے تو ان کو یہ فعل پسند نہ آتا۔ محمد بن ابی بکر جب ان کلمات کو سنے تو وہ شرمندہ ہو کر لوٹ گئے۔ بعدازاں دوسرا باغی ایک جانب سے آپ پر حملہ آور ہوا اور قرآن مجید کو پاؤں سے ٹھکرا دیا۔ دوسری جانب ایک اور شخص کنانہ بن بشر نامی نے اتنی شدت کے ساتھ آپ کی پیشانی پر لوہے کی لاٹ ماری کہ آپ چکرا کر پہلو کے بل گر پڑے، آپکی زبان مبارک پر بسم اللہ توکلت علی اللہ نکلا۔ آپکے جسم اطہر سے خون کا فوارہ کلام اللہ کے اوراق پر جاری ہو گیا۔ آپکی زوجہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے یہ نہ دیکھا گیا۔ لہٰذا وہ بے تاب ہو کر بچانے کیلئے دوڑ پڑیں۔ مگر ان کی تین انگلیاں ہتھیلی سے جدا ہو گئیں اور سودان بن حمران نے حضرت عثمان غنیؓ کو لپک کر شہید کر دیا۔ شہادت کے وقت آپ یہ آیت کریمہ تلاوت فرما رہے تھے۔ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔

ایک سنجیدہ بات

از
جناب افضل العلماء مولوی عبد الحفیظ صاحب

رفتارِ زمانہ کے ساتھ بات ٹیڑھی اور وقت کے ساتھ تقاضے بڑھتے جارہے ہیں۔ امڈنے والے تقاضوں کی تکمیل سے انسان گھبرا رہا ہے۔ اور رُونما ہونے والے حادثات سے نمٹنے کیلئے حوصلہ مند آدمی بھی ہچکچا رہا ہے۔ کوئی شخص عزمِ مصمم اور مجاہدۂ مسلسل سے بگڑی ہوئی صورت کو بنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ مصروفیاتِ زندگی نے انسان کو اس قدر تنگ کردیا ہے کہ اسے متانت کے ساتھ کوئی معاملہ سوچنے کا موقع نہیں ملتا۔ بلاتفریقِ مذہب ملّت ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہر انسان چکر میں ہے۔ دنیا کی اور قوم کے ساتھ خود مسلم قوم بھی اپنی ساری کمزوریوں کو محسوس کرتے ہُوئے میدانِ زندگی میں بزدلی کا ثبوت دئے جارہی ہے اور وہ متعدد پیچیدہ معاملات سے دوچار ہے۔ اس قوم کے سامنے بے شمار ناقابلِ حل مسائل کے ساتھ اس وقت مذہبی تعلیم کا ایک نہایت سنگین مسئلہ بھی درپیش ہے اور یہ مسئلہ اس قدر نازک اور اہم ہے جس سے دامن بچاکر کوئی مسلمان خود کو اور اپنے مستقبل کو روشن نہیں بناسکتا۔ کیونکہ اس کی مذہبی روایات آن بان عزّت وآبرو، اور خود دولتِ ایمان کا انحصار صرف مذہبی تعلیم پر ہے۔

ظاہر بات ہے کہ آج کا انسان الحاد وکُفر کی طرف سُرعت کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے اور مسلسل درندگی کا شکار ہوا جارہا ہے اور دنیا کے عاقل اس اقدام سے روکنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مگر ان کی ہر ممکن کوشش ناکام ہوتی جارہی ہے۔ ایسے پُر آشوب دور میں ہر بنی نوعِ انسانی کے لئے مذہبی تعلیم نہایت ضروری ہوگئی ہے۔ کیونکہ مذہب ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو اس طوفان کا مقابلہ کرکے انسانیت کو صحیح راستے پر لگا سکتا ہے۔

مُسلم قوم بھی اپنے مذہبِ اسلام کی تعلیمات سے بہت دُور جا پڑی ہے۔ اس کا معیارِ اخلاق دن بدن گرتا جارہا ہے۔ وقت کے تیز رو سمندر کے ساتھ وہ بھی اپنے فرائض سے غافل ہوتی جارہی ہے۔ اور اپنے آبا واجداد کی وراثت سے محروم ہوئی جارہی ہے۔ ایسی حالت میں اس قوم کی بنیادی طور پر اگر اصلاح نہ کی جائے اور اس کے رگ و پے میں روحِ اسلام نہ پھونکی جائے اور ایک بدترین نمونہ بنکر اقوامِ عالم کے سامنے نمودار ہو۔ اس کی بے پروائی کمال درجہ کو پہنچ چکی ہے اور اپنی تباہیوں کا اسے مطلق احساس نہیں رہا۔ ایسی ہی غافل اقوام کے بارے میں قرآن حکیم کا قطعی فیصلہ ہے اِنّ اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم جسکی تشریح شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے ؎

خدا نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیالِ آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

اگر قریہ کے ناخواندہ اور دیہات کے معصوم افراد دین سے ناواقفیت کی بنا پہ خلافِ شرع کوئی حرکت کر بیٹھیں تو ایک حد تک

قابلِ عفو اور درگزر ہیں، مگر ہزاروں تعلیم یافتہ کالجوں اور مدارس کے نوجوان جن کے دماغ مغربی تعلیم سے خوب سرشار ہیں، دینی تعلیم سے انہیں ذرا بھی آشنائی نہیں ہے اور لاکھوں مذہبی خواتین جو نئی تہذیب میں پل کھائی ہوئی ابھر رہی ہیں اور جن کا شہرہ اطراف عالم میں ہے دین و مذہب میں ان کی معلومات صفر کے برابر ہیں۔ اس قسم کے متمدن لوگ بر سرِ محفل مذہب کی توہین و تذلیل سے ذرا بھر نہیں جھجکتے۔ اور مذہب اسلام پر بے جا نکتہ چینی سے شرم نہیں محسوس کرتے، اگر کوئی غیر مسلم اپنی جہالت و نا داری کی بنا پر ہتکِ اسلام کرتا ہے یا کوئی بے جا اعتراض کر بیٹھتا ہے تو ہم آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور ہماری قوتِ برداشت جواب دے دیتی ہے اور غضب ناک ہو کر اسکی ایذا رسانی کے درپے ہو جاتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے، خود اپنے بھائی مسلمان کو؟۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ آنچہ کرد آشنا کرد

مسلمانوں کی بے راہ روی اور مذہب سے دوری پر ہزاروں صفحات سیاہ کئے جا چکے ہیں اور کئی ہزار مضامین اس موضوع پر سپردِ قلم ہو چکے ہیں۔ اب ضرورت ہے کہ ہم بے جا شکوہ شکایت اور آپس کے نکتہ چینیوں کو بالائے طاق رکھ کر ایسے طور طریق، اور تجاویز ڈھونڈھ نکالیں جن سے مسلمانوں میں مذہبی تعلیم عام ہو جائے اور فساد زدہ ماحول سے گندگی کا خاتمہ ہو۔ یہاں تک کہ مسلمان مغربی تہذیب کے ساتھ دین اور مذہبی تعلیم پر بھی کافی عبور رکھیں۔

ان پیچیدہ اور مشکل معاملات کے حل کے لیے غیر معمولی کوشش درکار ہے اور معاشرہ میں ایک سلیم العقل اور سنجیدہ طبقے کی اشد ضرورت ہے۔ وہ اپنے گرد و پیش حالات کو مدنظر رکھ کر ماضی، حال اور مستقبل کے نفع و نقصانات کا اندازہ کر کے ایک ایسی جامع اور بالغ اسکیم تیار کرے جو قوم کے لئے ہر حال میں مفید اور کارآمد ثابت ہو۔

ہماری مسلم قوم اکثر و بیشتر کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ بہت جلد احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے جملہ امور میں غیروں کے دست نگر رہتے ہیں۔ اور اغیار سے بہت بھاری توقعات باندھکر خود ساری ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ جب ان کی کشتی اعتماد میں فرق ہونے لگتی ہے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ سب کچھ کٹ جانے کے بعد نئی عمارت تیار کرنے کی از سر نو سعی کرتے ہیں۔ ٹھیک یہی معاملہ مذہبی تعلیم کے سلسلے میں بھی چلا آ رہا ہے۔ مسلمان خوابِ غفلت میں ہیں۔ حکومت اور اس کے ذمہ دار احباب پر پوری طرح تکیہ کر کے بیٹھ چکے ہیں۔ سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں حکومت کی طرف سے مذہبی تعلیم کے انتظامات کے سہانے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور دوسروں کی امداد کے سہارے اپنی کامیاب زندگی کے ذرائع تلاش کر رہا ہے۔ ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت یا قانون کا دباؤ ہر کام کی ترقی یا رفتار میں بہت کچھ ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ مگر تاریخ ایک چکر ہے، وہ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اس چکر میں قوموں کا عروج و زوال، حکومتیں اور سلطنتوں کا الٹ پھیر ہوتا ہے۔ اور دنیا میں انقلابات آتے رہتے ہیں۔ اس زمانے کے حالات کبھی موافق و موزوں ہوتے ہیں تو انسان کی سب کچھ بن جاتی ہے اور کبھی دَور نکما شروع ہو جاتا ہے اور انداز زمانہ نامساعد

ہو جاتا ہے تو ہر قوم کے ذمہ دار افراد کا فریضہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ذاتی امور خصوصاً مذہبی معاملات کی باگ ڈور اپنے ہی ہاتھ میں لے لیں اور اپنی انفرادی یا اجتماعی کوششوں کو کام میں لاکر ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اور دیگر وسائل پر بہت کم اعتماد رکھ کر اپنی کشتی کو آپ پار لگانے کی سعی کریں۔

میں ان پریشان کن اور الجھے ہوئے مسائل پر جب کبھی غور کرنے لگتا ہوں اور آنے والی نسلوں کی طرف نظر کرتا ہوں تو میرا ذہن زمانۂ قدیم کے عجائبات اور کارناموں کی طرف اچانک منتقل ہو جاتا ہے کہ ہمارے بزرگ آبا و اجداد بھی تو آخر انسان ہی تھے۔ انہوں نے دین کی کس قدر پابندی کی تھی اور مذہب کے پاس و لحاظ میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ ہونہار بچوں کی تربیت کس عمدگی سے فرمائی تھی اور ان کے معصوم دماغوں میں اعتقاد کی بنیادوں کو کس درجہ استوار کیا تھا؟ آخر ان بزرگوں اور ہم میں آج اتنا بڑا تفاوت کیوں آپڑا ہے؟ اس منزل پر پہنچکر لازماً یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ اول تو ان کے قلوب میں خوفِ خدا کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اور حرارتِ ایمان دلوں میں موجزن تھی۔ اپنی اولاد کے لئے تعلیم دین مقدم و اہم تصور کرتے تھے۔ چنانچہ ماؤں کی گود معصوموں کیلئے مدرسۂ اول تھا جہاں وہ اپنے ہونہاروں کو صبح و شام مسائل ضروریہ اور خصوصی دعاؤں کا ورد کراتی تھیں، جو نوعمر چند دعاؤں کا حافظ ہو جاتا، وہ فخر خاندان اور نہ سکھانے والی ماں ننگِ خاندان سمجھی جاتی تھی۔ دوسرا مدرسہ مساجد کے مکتب ہوا کرتے تھے (جو میرا اصل موضوع سخن ہے) جہاں محلے بھر کے بچے خوشی خوشی وقتِ مقررہ پر جمع پڑتے اور ان کی حاضری اہم مانی جاتی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے مکتب کیا تھے؟ دار العلوم تھے جو ان میں داخل ہوا، پیاسا نہ لوٹا۔

مسائل ضروریہ اور دین کی اہم کتب کے علاوہ تفسیر قرآن حکیم اور احادیث نبوی ﷺ کی مکمل تعلیم کا بند و بست ہوتا تھا، اور ان مکتبوں سے فارغ ہونے والے طلباء تفسیر، حدیث، فارسی، عربی وغیرہ زبانوں میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ حافظِ قرآن اور حکیم و دانا بھی تصور کئے جاتے تھے اور "توحید کی ماتوں" سے ان کے سینے لبریز ہوا کرتے تھے۔ ان مکتبوں کا سلسلہ زمانۂ قریب تک تھا۔ ہر مسجد کے ساتھ مکتب بھی ملحق ہوا کرتا تھا۔ اور یہ ہمارے بزرگان دین کا ایک نادر تحفہ تھا جن کی قدر و قیمت کو ہم نے نہیں پہچانا۔ اور اس عظیم المرتبت امانت سے ہم نے جو غفلت برتی تو ہر طرف ہمارے سروں پر جہالت و ضلالت کے بادل منڈلانے لگے۔ ہمارا سارا دینی ذخیرہ اور مذہبی روایات کچھ تو ہماری بے پروائی اور کچھ عیش پرستی کی نذر ہو چکا اور ہم اقوام عالم کے سامنے بالکل بے سر و سامان ہو کر رہ گئے۔ زمانہ کے نشیب و فراز نے ہر عام و خاص پر اس رازِ نہاں کو عیاں کر دیا ہے۔ دورِ حاضر میں ان مکتبوں کا سلسلہ گھٹتے گھٹتے بہت ہی کم بلکہ "نہیں" کے برابر ہو چکا ہے اور جہاں کہیں موجود ہیں، یا تو ان کی تنظیم ٹھیک نہ رہی یا نہایت ہی ابتر حالت میں دم توڑ رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کی دلچسپی اس طرف سے ختم بھی ہو چکی ہے، وجہ یہ ہے آجکل کے شاندار کالج اور اعلےٰ مدارس کے مقابلہ میں مساجد کے یہ مکتب کمترین اور بالکل

بے حقیقت ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر مسلمان باریک بین، اور دور رس نگاہوں سے کام لیں تو یہ چھوٹی چیزیں افادیت سے خالی نظر نہ آئیں گی۔ اور ان مکتبوں کا کلی طور پہ تجزیہ کر کے دیکھنے کے بعد پتہ چلے گا کہ ان کا کھویا ہوا دینی سرمایہ اور قلبی سکون ان کے درودیوار میں پوشیدہ ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ مکتب مُسلم قوم کے لئے خدا کی ایک بہت بڑی دین ہے بلکہ ان کو فضلِ رب کہنا چاہئے۔

انگریزی، مدارس اور کالجوں کی تعلیم کے لئے آج کی دنیا میں تسلی بخش عمارتیں اور راحت بخش مقامات میسّر نہ ہونے کی وجہ سے درختوں کے سائے تلے طلباء کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ مگر یہاں جگہ کی کوئی کمی نہیں ہے۔ کون مسلمان نہیں جانتا کہ ہماری مسجدوں میں وسیع دعریض، کشادگی، بچّوں کے لئے پانی کی فراوانی، طہارت وعبادت اور تعلیم کے یکساں انتظام، وہ بھی بغیر معاوضہ اور خرچ اخراجات کے موجود ہے۔ اخلاقی اور مذہبی تعلیم کے لئے اس بہترین ماحول، عمدہ مقام اور خوش گوار فضا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتی؛ ذرا غور کر کے دیکھئے اگر ایسے پرسکون مقام پر مسلمان بچے روزانہ چند منٹوں ہی کیلئے سہی کامل طور پر تربیت پا جائیں تو ان کی روحانی ترقی قابل رشک ہو جائیگی اور ان کے دلوں پر ناقابل بیان عمدہ اثرات، وہ بھی بغیر معاوضہ اور خرچ واخراجات کے موجود ہے۔ اخلاقی اور مذہبی تعلیم کے لئے اس سے بہترین ماحول، عمدہ مقام، اور خوش گوار فضا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتی۔ ذرا غور کر کے دیکھئے اگر ایسے پُرسکون مقام پر مسلمان بچے روزانہ چند منٹوں ہی کیلئے سہی کامل طور پہ تربیت پا جائیں تو ان کی روحانی ترقی قابلِ رشک ہو جائے گی اور ان کے دلوں پر ناقابلِ بیان عمدہ اثرات چھا جائیں گے۔ اور دماغوں میں ہمیشہ فرحت ہی فرحت رہیگی۔

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے چند سالہ مختصر تعلیم کے بعد ان کے اخلاق نکھر آئیں گے۔ اور ان کی فطری صلاحیتیں کمال درجہ تک جاگر ہو جائیں گی۔ ان کے اعتقادات مضبوط اور ایمان میں پختگی آجائے گی۔ پھر وہ زندگی میں کسی بھی گمراہ کن طاقت کا مردانہ وار مقابلہ کر سکیں گے۔ اور کسی بیرونی طاقت کا باآسانی شکار نہ ہو سکیں گے۔ یہ میرا خام خیال یا خوش آیند جواب نہیں بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے لئے حکومت نے بھی بہت سارے دروازے کھول رکھے ہیں۔ ہماری نظروں کے سامنے آج ہر صوبے میں وقف بورڈ جیسے ادارے کام کر رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے اوقاف ومساجد وغیرہ تنظیم کی ہر وقت جانچ پڑتال بھی کر رہے ہیں اور مسلم قوم کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے آئے دن نئی نئی اسکیمیں تراشی جا رہی ہیں۔ ان اداروں میں اوقاف ومساجد سے لاکھوں کی رقم جمع بھی ہو چکی ہے۔ ایسے زرین موقع پر مسلمان ذرا غور وتدبیر سے کام لیں تو ان کی ساری مشکلات کا حل بخوبی نکل آئے گا۔ اس سلسلے میں انہیں اپنی ذاتی رقم سے ایک پائی بھی خرچ کرنے کی چنداں ضرورت پیش نہ آئے گی۔

صرف ذرا سی دماغی محنت درکار ہے۔ مساجد کی طرح مکتبوں کی ذمہ داری بھی وقف بورڈ ہی کے

(بقیہ برصفحہ ۱۵۲) ۱۸۱

اولاد کی تربیت اسلام میں

از محمد عبد القدوس زمرۂ رابعہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ ویلور

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ۔

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم اَمّا بعد،

الٰہی پُر جلال نے بنی نوع انسان کو اس کرۂ ارض پر موجود فرمایا، صرف اس لئے کہ اسکی بندگی کرے اور اخلاق کریمہ و اوصاف عظیمہ کا ایک مجسّمہ بن کر اس دنیائے فانی میں زندگی بسر کرے۔ اور اپنے احکام اور شریعت نبوی پر گامزن رہے اور پرستش حق کے طور و طریقہ پر عمل کرے۔ تو ایک انسان اسی وقت شریعت الٰہی سے واقف اور اخلاق کا مادہ اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے جبکہ والدین بھی اچھے ہوں اور اسکو رہبر بھی ٹھیک ملے۔ اور وہ بھی اخلاق حسنہ سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ خود عمل کیا کرے پھر دوسروں کی ہدایت کرے کیونکہ اولاد کے اخلاق کا دار و مدار والدین پر ہے۔ جیسا سانچہ ہوگا ویسے ہی چیز ڈھلے گی۔ اگر سانچہ ٹیڑھا ہے تو معنوی چیز بھی ٹیڑھی ہی رہے گی۔ بچّے اگر سنورے سُدھرے رہتے ہیں تو اسی وقت جبکہ ان کے والدین کا نقش پا بھی اسی انداز کا ہو۔ جیسے کہ اوپر حدیث میں آیا ہے: "ہر پیدا ہونے والی اولاد اسلام ہی کے طریقے پر پیدا ہوتی ہے" اس کے بعد اس کے والدین اگر یہودی ہیں تو یہودی بنا لیتے ہیں، اگر نصارےٰ ہیں تو نصاریٰ، مجوسی ہیں تو مجوسی بنا لیتے ہیں۔ والدین کے لئے سب سے افضل اور اولیٰ امر یہ ہے کہ جب بچہ پیدا ہو تو نام اچھا رکھے جیسا کہ حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے (حدیث) تسمّوا باسماء الانبیاء ترجمہ۔ بچہ پیدا ہو تو اس کا نام انبیاء علیہم اجمعین کے اسماء فاضلہ میں سے رکھو یا اس کے مشابہ۔۔ کیونکہ بُرے نام اسلام پسند نہیں کرتا۔ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُرے ناموں سے نفرت کرتے تھے۔

ایک عورت بارگاہِ نبوی میں آئی تو آپ نے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے، اس نے کہا آسیہ، تو آپ نے فرمایا کہ تو آسیہ نہیں جمیلہ ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان فرد کو اپنی اولاد کا نام اچّھا رکھنا ضروری ہے مثلاً ابراھیم عیسیٰ۔ موسیٰ، ہارون وغیرہ اور اس کے جیسے مشابہ، اور شرعۃ الاسلام میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر نام رکھنا مستحب ہے اور بعض روایتوں میں اسکی ترغیب و بشارت دی گئی ہے کہ جس کا نام سرکار مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہو روزِ محشر حضور اسکی شفاعت فرمائیں گے اور اس کو بہشت میں لے جائیں گے۔

شرعۃ الاسلام میں یہ بھی وارد ہے کہ بچہ روتے وقت خدائے ربّ الجلیل کی حمد و ثنا اور ماں باپ کے لئے

دعا واستغفار کرتا ہے اور بعض روایتوں میں ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی چار ماہ تک لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے، پھر چار ماہ تک محمد رسول اللہ پڑھتا ہے اور پھر چار ماہ تک اللّٰھم اغفر لی ولوالدیّ کا ورد پڑھتا ہے۔ اسی طرح کفار کا لڑکا بھی۔ لیکن والدین کے استغفار کی جگہ پر لعنۃ اللہ علی الوالدیّ پڑھتا ہے۔ اور بچہ پیدا ہونے کے بعد اگر وہ تندرست ہے تو پیدا ہوتے ہی ختنہ کر دے، ورنہ تیسرے دن، اگر تب بھی نہ ہو سکے تو ساتویں دن اسی طرح عقیقہ کے قیاس پر، لیکن ختنہ کی آخری گھڑی یہ ہے کہ قبل بلوغ کر دے۔ اور بعض چھوٹے بچے شرماتے ہیں، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسمیں عقل کا نور جلوہ گر ہے۔ اور چھوٹے بچوں کو پیار کرنا، بوسہ دینا سنّت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کو بوسہ دیتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم منبر پہ خطبہ دے رہے تھے۔ حضرت حسین علیہ السلام اچانک گر پڑے تو آپ فی الفور منبر سے اترے اور حسین علیہ السلام کو اٹھا لیا اور پیار کیا اور فرمایا کہ ماں باپ کو چاہیئے کہ بچوں کے رونے سے تنگدل نہ ہوں۔ اور جب کھانا خود کھانا شروع کرے تو داہنے ہاتھ سے کھانے اور اپنے آگے سے کھانے کی عادت ڈلوائے۔ اور ادھر ادھر دیگر جانب تاکنے سے منع کرے اور بہت زیادہ کھانے سے بھی روکے۔ تنظیم وتہذیب سے کھلائے۔ اگر تنظیم نہیں تو طبیعت خراب ہو جائے گی اور زیادہ کھانا احمقوں اور جانوروں کا کام ہے۔ کھانے کے بعد ان سے الحمد للہ یا شکر ہے خدایا کہلوائے۔ ابتداً ان کو بہت تہذیب وتمدن سے لیجاوے۔ اور مہذب وشریف لڑکوں کی ستائش ان کے آگے کرتے رہے۔ تاکہ وہ بھی شرم وحیا کے مارے تہذیب وتمدن سیکھنے کی کوشش کرے، اور کسی بھی کام وحرفت سے انہیں منع نہ کریں کیونکہ اس کے بعد سست ومست اور عیش وآرام اختیار کر لے گا اور یہ طریقہ عورتوں کا ہے۔ مخنثوں اور مردوں کا شیوہ جد وجہد ہے اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ جھوٹ اور غلیبت سے زجر وتوبیخ کر کے رہیں۔ کیونکہ یہ بھی گناہوں کی جڑ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الکذاب لا امتی فرمایا۔ یعنی جھوٹ بولنے والا میرا امتی نہیں ہے اور اس کے حق میں میری شفاعت نصیب نہیں۔ اور اس کے ہر بات اور ہر فعل پہ نگاہ رکھے کہ یہ اس فعل میں یہ کیسا ہے۔ والدین اگر اچھے ہیں تو اولاد بھی اچھی ہو گی جیسے کہ ؎

بے ادب ماں، با ادب اولاد جن سکتی نہیں
معدنِ دُر، معدنِ فولاد ہو سکتی نہیں

لہٰذا والدین کو چاہیئے کہ جو اولاد ناسمجھ اور غیر مکلف ہو، اس کو اچھی تربیت دے۔ اولاد ایک پھول ہے اور والدین ایک درخت۔ جیسا درخت ہوگا ویسے پھول اُگ آئینگے اور یہ پھول بنانے کا طریقہ صرف اسلام میں موجود ہے۔ اور اولاد کو ایک پھول سمجھ کر عوارضات سے محفوظ رکھے، ورنہ وہ نیست ونابود ہو جائیگا۔ اور اسکو ایک شجر گل سمجھ کر خار وخس سے محفوظ رکھے اور اسلامی تعلیم وتربیت بچوں کو دینا والدین پہ واجب ہے۔ اور ان کو طریقۂ اسلام واحکام بچپن ہی سے سکھاوے۔ ان سے نیک افعال سرزد ہوں اور وہ برے افعال سے بچے رہیں۔ آخر کار صاحب ایمان بنے اور یہ اولاد مثل ایک پودے کے ہے۔ کم عمری ہی میں جو چاہے کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جب بچہ چھوٹا رہتا ہے تو اسکو جو چاہے سکھا

ہیں۔ یا ایک دیوار سمجھیں کہ اس کو پہلے ہی سے مستحکم و پائیدار و مضبوط باندھے ورنہ وہ دیوار رکھنا اور نہ رکھنا برابر ہے۔ اسی طرح اولاد بھی، اگر بچپن میں اسکو راست نہ کر سکے تو اس کے بعد اس کو راست کرنے کی کوشش گنبد پر اخروٹ رکھنے کے برابر ہے۔ اس کے ساتھ جتنی بھی کوشش کی جائے عمل اور بے کار ہے۔ اس سے خیر و بہتری کا خیال و امید معطل ہے جیسے کہ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

درختے کہ اکنوں گرفت است پائے ۔ بہ نیروئے شخصے بر آرد ز جائے
وگر ہمچناں روزگارے ہلی ۔ بگردونش از بیخ برنگسلی

مطلب یہ کہ جو درخت کا پودہ ابھی جڑ پکڑ رہا ہو صرف ایک جھٹکے سے اُٹھا سکتے ہیں۔ اگر اُسی درخت کو ایک زمانۂ دراز تک چھوڑ دے پھر اس کو مشین سے بھی نکالنا محال ہے۔ اسی طرح اولاد بھی۔ اور ایک جگہ سعدیؒ نے فرمایا کہ ؎

سرِ چشمہ شاید گرفتن بہ بیل
چوں پُر شد، نشاید گذشتن بہ پیل

یعنی پانی آنے سے پہلے ہی اگر چشمہ کو بند کرنا چاہتے ہیں تو بند کر سکتے ہیں ورنہ پھر محال ہے ہاتھی کی طاقت کافی ہوگی، اسی طرح اولاد کو بھی گمراہی و ضلالت سے پہلے اگر ہم ان کو ٹھیک کرنا چاہیں تو ٹھیک کر سکتے ہیں ورنہ پھر ناممکن بات ہے۔

قرآن میں خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ط (ترجمہ) اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ، یہیں اس آیت کے معنی و مضمون سے معلوم ہوا کہ اولاد کو راہِ راست پہ لانا اور دوزخ کی آگ سے بچانا ماں باپ پر فرض ہے۔ لہٰذا اس بچاؤ کا ابتدا ہی سے اچھا سا مان پیدا کرے اور انہیں اکل حلال کھلائے اور اعمال صالحہ پر ان کو راغب کرائے، اور اگر خود عمل نہ کرے اور اولاد کو یا اور کو تربیت دینی چاہے، یہ بات محال ہے۔ یہ دونوں اجتماع ضدین ہیں کیونکہ اولاد پر والدین کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک یہود بادشاہ نے اپنی کتاب میں پڑھا کہ اولاد کی زندگی کا دارومدار والدین کے اوپر ہے۔ جیسے والدین ہوں گے نسل بھی ویسے ہی رہے گی۔ اور ان کے اچھے بُرے افعال کا عوض دنیا میں ہی میں لیا جائے گا تو بادشاہ نے سوچا کہ میں اکیرتبہ راہ میں آتے وقت ایک اجنبی عورت کا بوسہ لیا ہے لہٰذا اس کو آزمانا ضروری ہے اور اس کی تلافی بھی ہو جائے گی۔ لہٰذا اپنے دو چار غلاموں کو بلا کر حکم دیا کہ اپنی لڑکی کو لیجا کر اچھی طرح نہلانے دُھلانے کے بعد عطر و خوشبو مَل کر شہر کے اطراف لیجاوے اور جو شخص اس سے جو چاہے کرنے دو، اس کو اُف تک نہ کہو۔ لہٰذا جب شہر کے اطراف گھوم کر جب دریا کے قریب پہنچے تو ایک شخص دوڑ کر آیا اور لڑکی سے ایک بوسہ لیا اور چلا گیا۔ اس واقعہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ والدین کی جو سیرت ہوگی اس کے مشابہ اولاد بھی ہوگی۔ اور لڑکوں کو ہمیشہ بُرے لڑکوں اور بری صحبتوں سے پرہیز رکھے، کیونکہ صحبت کا اثر انسان میں بہت جلد اثر پذیر ہوتا ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند ۔ صحبتِ طالح ترا طالح کند

پسرِ نوحؑ بابداں بنشست　　خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحاب کہفؑ روزِ چند　　پئے نیکاں گرفت و مردم شد

نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بروں کی صحبت اختیار کی اور خاندان نبوت گم کر دیا، اسی طرح اصحاب کہفؑ کے کتوں نے نیکوں کی صحبت میں آدمیت اختیار کی۔

حضرت سعدی تو ایک پائیدار عالم ہیں۔ فارسی کے زبردست شاعر ہیں۔ وجہ کیا تھی؟ کہ والدین نے بچپن ہی سے انہیں اچھی تربیت دیا۔ والد صاحب کو رات دن اپنے پہلو میں رکھتے تھے اور ہر بُرے قول و فعل پر زجر و توبیخ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ جب ایک انسانیت کے درجہ پر پہنچے، آپکے والد صاحب نے اس دنیائے فانی سے کوچ کیا، پھر ان کی والدہ ماجدہ نے انہیں تربیت کی۔ لہٰذا آپ کامیاب ہوئے۔

لڑکوں کو والدین سے ورثتہً ہر فعل خیر و شر و عادات حاصل ہوتے ہیں اور جو شخص اپنی اولاد کو ادب و اخلاق پر رکھا گویا کہ اس نے تمام دنیا کی نعمت سے بڑی نعمت انہیں عطا کی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَالِدَهُ مِنْ نُحْلٍ اَفْضَلُ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ یعنی کہ نہیں عطا کیا کہ والد نے اپنے بچوں کو کوئی نعمت اس شخص سے بڑھکر جس نے اپنی اولاد کو ادب سے آراستہ کی ہو۔ (ترمذی) اس سے معلوم ہوا کہ ادب سے بڑھ کر دنیا کی کوئی نعمت نہیں۔ والد اگر عطیہ یا انعام اپنی اولاد کو دینا چاہے تو وہ ادب سے بڑھکر دنیا کی کوئی نعمت نہیں۔

اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے ابتدا ہی سے اچھا ادب سکھایا جیسا کہ رسولِ عربی نے فرمایا۔ حدیث اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ اور کہا گیا کہ بہترین سرمایہ اور خوشتر زیب و زینت اولادِ آدم کے لئے ادب ہے۔ **واقعہ**:۔

سلطان روم اور پادشاہِ مصر دونوں میں مراسلت اور رفاقت بڑھ گئی اور دوستی پیدا ہوئی اسطرح کہ ہر فعل کے لئے ایک دوسرے کی رائے ضروری تھی، یہاں تک کہ قیصر روم نے اپنی بیٹی کو بادشاہ چین کے بیٹے سے شادی کرنا چاہا تو مصر کے بادشاہ نے قیصر روم کو پیغام بھیجا کہ ہماری اولاد جن سے ہماری نیکنامی ہمارے بعد رہتی ہے ان کے لئے تم نے کیا رکھا ہے۔ تو اس نے کہا کہ ان کی زندگی کے وسعت رزق اور تمام سامان مہیا کیا ہوں، اور ہر وہ چیز ان کے لئے زندگی میں چاہیے وہ مہیا ہے۔ لہٰذا تم نے کیا کیا تو قیصر روم مسکرایا اور کہا کہ "مال ناپائیدار اور محبوب بے وفا ہے اس سے کچھ توقع نہ رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ اب ہمارے ہاتھ ہے اور کل اور کے ہاتھ میں۔ لہٰذا میں ایسا مال اپنی اولاد کے لئے رکھا ہوں جو ہر حال میں ساتھ آئے گا۔ وہ ادب ہے"۔ اور جب لڑکا کچھ عقل و شعور میں آئے تو اس کو کلام اللہ پڑھا دے۔ پھر حدیث و قرآن کی تفسیر کا درس دلا دے۔ پھر مادری زبان کی جانب مائل ہو۔ اور مادری زبان میں سیرت صحابہؓ و رسولؐ کی سیرت پڑھائی جائے۔ کیونکہ اس سے مادری زبان بھی آجائے گی۔ عام معلومات بھی حاصل ہوں گے۔ لیکن انہیں دیوانوں، غزلیات اور ناولوں سے منع رکھیں کیونکہ ان سے خصائل سیئہ پیدا ہونے کا احتمال ہے اور دل برائی کی جانب مائل ہو جاتا ہے اور عشقیہ اشعار بھی ان کیلئے مضر ہیں۔

بولنے چالنے میں بھی حکمت ملحوظ رکھی جائے۔ من مانے نر

منہ چھڑکیں۔ کیونکہ وہ ڈھیٹ، دل تنگ، غبی الذہن بن جائے گا۔ ڈینگ وغیرہ سے خود کو پرہیز کریں اور انہیں بھی روکیں۔ اور بے کار و بے محل بولنے سے ڈانٹیں۔ کیونکہ عاقل بے وقت نہیں بولتا اور زیادہ بولنے والا بے وقوف ہوتا ہے۔ اور بیکار فحش بولنا حماقت ہے ؎

ندہد ہوش مند جواب مگر آنکہ کہ ازو سوال کنند

اور جب سات سال کی عمر ہو تو نماز کی عادت ڈالے۔ اور جب دس سال کی عمر ہو تو اس کو نہ ماننے کی بنا پر مار کر نماز پڑھائے کیونکہ ہر خدا کے بندے جن کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا گیا ہے پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور جو خدا کے حکم کو نہ مانا وہ جہنمی ہوا۔ اور اسکے مطابق یہ شعر ہے ؎

یہ تھی نمازِ مصطفٰے ؐ بیروں پہ آ گیا وَرم
شام کو ہو گئے کھڑے صبح کیا نماز میں

بوڑھا ہو یا جوان ہو سب پہ نماز فرض ہے، بچوں کو آٹھ سال ہی مار کے لا نماز میں

اور والدین پر بھی یہ فرض ہے کہ ایک زندگی کا صحیح اور عروجی راستہ انہیں بتا دے جن سے ان کی دنیا بھی ٹھیک ہو، اور وہ اس دنیائے فانی میں کسی کا محتاج نہ بنے اور زندگی کے ہر قسم کے اشیاء مہیا کرے جو ان کو ضروری اور لازمی ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حدیث عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ السِّبَاحَةَ وَالرِّمَايَةَ وَالْفُرُوْسَةَ (ترجمہ) اے لوگو! اپنی اولاد کو تیرنا اور گھوڑا سواری کرنا اور لکڑی پھینکنا سکھاؤ، کیونکہ یہ اشیاء انہیں لازم ہیں، اور اولاد کا حق والدین پر یہ بھی ہے کہ جب یہ سن بلوغ کو پہنچے تو شادی کر دے۔ اور جب اولاد پندرہ سالہ ہو جائے تو والدین کو چاہئے کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کہہ دینا کہ اے بیٹا تم ابتک ہمارے سپرد تھے خدا نے ہمیں تمہیں امانت دی تھی، اب ہم خدا کی امانت کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ آج سے تم خدا کے سپرد ہو گئے۔ جہاں تک ہو سکے فتنہ و شرور سے بچتے رہو اور آخرت کے عذاب سے ڈرتے رہو۔ اگر اب بھی ہو سکے، تو شادی کر دی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حدیث عن ابن سعید وعن ابن عباس قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ وَاَدَبَهُ فَاِذَا بَلَغَ يُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهُ عَلٰى اَبِيْهِ یعنی جو کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کے والد کو چاہئے، کہ اس کا نام اچھا رکھے اور ادب سکھاوے اور جب بالغ ہو تو اس کی شادی کسی شریف خاندان سے کر دے، اور اگر بالغ ہونے کے بعد شادی نہیں کیا اور بچہ سے کچھ گناہ سرزد ہو جائے تو اس کا عذاب والدین پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کا عتاب و سزا ان کے غلطیوں پہ اور رحمت و عطا ان کے نیک اعمال کا والدین کو دیا جائے گا۔

از
عبدالرزاق جولیالیہ زمرہ اولیٰ
مدرسہ لطیفیہ ویلور

س سب سے پہلے کعبۃ اللہ کی بنیاد کس نے ڈالی تھی ؟

ج حضرت آدم علیہ السلام نے ۔

س مسجدِ اقصیٰ کی بنیاد کس نے ڈالی ؟ اور کس نے پورا کیا ؟

ج حضرت داؤد علیہ السلام نے ڈالی ۔
اور (فرزند) سلیمان علیہ السلام نے پورا کیا ۔

س مسجدِ اقصے کتنی لمبی اور کتنی چوڑی ہے ۔

ج ایک ہزار گز لمبی اور سات سو گز چوڑی ہے ۔

س حضرت شموئیل علیہ السلام نے جس شخص کو اپنے ملک کا بادشاہ بنایا تھا اس کا نام کیا تھا اور اس کی لڑائی کس بادشاہ سے ہوئی، اور وہ کس کے ہاتھ سے مارا گیا ؟

ج اس کا نام طالوت تھا اور بادشاہ طالوت کی لڑائی جالوت کے ساتھ ہوئی اور جالوت حضرت داؤد ؑ کے ہاتھ سے مارا گیا ۔

س شہر بصرہ کو کس نے آباد کیا تھا ؟

ج حضرت عمر فاروق اعظم ؓ نے آباد کیا تھا ۔

س دنیا کے سب سے پہلے سیاح کون تھے ؟

ج حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے ۔

س سب سے پہلے اپنے باپ کی زندگی میں کون خلیفہ بنے اور قرآن شریف کو کس نے مصحف کا خطاب دیا اور کس نے بیت المال بنایا ؟

ج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلیفہ بنے اور آپ ہی نے قرآن شریف کو مصحف کا خطاب دیا اور بیت المال بنایا ۔

س دنیا میں سب سے پہلے اٹم بم کہاں ڈالا گیا اور اس سے کتنے افراد ہلاک ہوئے ؟

ج اٹم بم امریکہ نے ہیروشیما (جاپان) میں ڈالا اور اس سے 92,000 افراد ہلاک ہوئے ۔

س سب سے پہلے اسلامی دنیا میں مدارس کی بنیاد کس نے ڈالی ؟

ج نظام الملک طوسی وزیر اعظم نے ڈالی ۔

س سب سے پہلے معانقہ کس نے کیا ؟

ج حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

س سب سے پہلے پولیس اور فوجداری کا حکم کس نے دیا ؟

ج حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کیا ۔

۱- اول خدا کا خوف ہمیشہ دل میں رکھو تاکہ قیامت کے روز شرمندہ نہ ہوں۔

۲- دوم، زیادتیِ زندگانی کی آرزو مت کرو، جبتک کہ اچھی موت اس کی شامل نہ ہو۔ کیونکہ موت و زندگی وہی اچھی ہے جو تحصیلِ حسنات کے ذریعہ ہو۔

۳- سوم۔ آسائش اور خواب پر رغبت نہ کرنا جبتک کہ تین چیز ملیں، آپنے نفس سے محاسبہ ہو۔ اول سوچ کہ اُس دن کوئی خطا تجھ سے سرزد ہوئی یا نہیں۔ دوسری تامل، کہ کسی کام کو اپنی کاہلی، اور کوتاہی سے ترک کیا ہے یا نہیں۔ تیسری اندیشہ کر کہ اُس دن کوئی بھلائی حاصل کی یا نہیں۔

۴ چہارم۔ یاد کرو کہ تم اصل میں کیا تھے، اور بعدِ مُردن کیا ہوگے، اور اب اس کے مقابلہ میں کیا کرتے ہو؟

۵- پنجم۔ اُس شخص کو اصلی بدنصیب سمجھنا کہ جو عاقبت کی یاد نہ کرے، اور گناہ سے باز نہ آئے۔

۶- ششم۔ اُس شخص کو دانا نہ سمجھنا کہ جو دُنیا کی راحت سے شاداں اور اس کی تکلیف سے نالاں ہو، بلکہ عقیل وہ ہے کہ ہمیشہ موت کو یاد کرکے دنیا کی تکلیف و آرام پہ رنج و خوشی، اور متاعِ دنیا پہ افتخار نہ کرے۔

(نور الانوار)

لطیفہ

ایک روز ایک امیر کے کان میں سخت درد ہوا۔ جب درد سے افاقہ ہوا تو سماعت

میں فرق معلوم ہُوا۔ اُسی وقت اپنے چپراسی کو طلب فرما کر کہا' شفاخانہ جاؤ اور ڈاکٹر صاحب کو ہمارا سلام کہو اور یہ کہو کہ آج بہ سبب کم ہوجانے درد کے' یا کسی زخم کان کے' سماعت میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

چپراسی تھے نیم منشی' دوسری' گرمی کی شدّت' تیسری' جلدی۔ آخر چلتے بھُنتے شفاخانے پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب بھی ظریف الطبع تھے۔ اس کی شکل دیکھکر حال پوچھا۔ چپراسی صاحب گھبرا کے کیا کہتے ہیں کہ جناب ان کے دونوں کان نابینا ہوگئے۔

تو ڈاکٹر صاحب فوراً بولے کہ ہاں سچ کہتے ہو کہ ابھی ایک اور آدمی آیا تھا' اس کو بھی آنکھوں کی سماعت نے جواب دے دیا ہے۔ یہ سنتے ہی اور گھبرائے اور کہنے لگے کہ حضرت بینائی نہیں' بلکہ کانوں کی بصارت جاتی رہی۔

سُبحان اللہ! یہ اس سے بھی زیادہ ہوی۔

(سلسلہ صفحہ ۱۴۴) کارکنوں کے حوالہ کرکے دانشمند حضرات شہروں اور محلوں کے سُدھار اور نگرانی کا بیڑا خود اٹھالیں' تو مجھے امید ہے بورڈ بھی ان باتوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کریگا۔ اور ائمۂ کرام' موذن صاحبان کی تنخواہوں کے ساتھ مکتب کے اساتذہ ضروری فرنیچر' اور پاکی صفائی وغیرہ کا بھی بندوبست خود کردیگا۔ میں وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہماری اس قسم کی نیک خواہشات جائز مطالبے اور حق طلبیاں کبھی رائیگاں نہ ہونے پائینگے۔ جو مساجد انتظامات میں خود کفیل ہیں' وہ اپنے طور پر اس کا بندوبست کر سکتے ہیں اور جو مساجد اپنی قلیل آمدنی کی بنا پر اسکی اہلیت نہیں رکھتے' بورڈ سے امداد طلب کرکے اپنا کام چلا سکتے ہیں۔ اسی وقت ایک معاشرہ کی اصلاح کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں' اور بہت ساری باتوں کے علاوہ والدین کا اتفاق بھی اس سلسلے میں نہایت ضروری ہے۔ وہ اپنے بچوں کو صبح شام مکتبوں کی طرف دوڑانے کے ساتھ ساتھ ان میں مذہبی جوش پیدا کرنے کی پوری پوری سعی کریں۔ وقت ابھی ہمارے ساتھ ہے اور فضائیں سازگار ہیں۔ مُسلم قوم کو اب تو کم از کم چوکنا ہونا چاہیئے۔ اور مزاج زمانہ کے مطابق مکتبوں کی از سر نو تنظیم اس عمدگی سے کرنی چاہیئے جس سے سرکاری مدارس کے طلباء صبح و شام کچھ وقت کیلئے یہاں سے بہرہ اندوز ہوں۔ جن بچوں نے ابھی تک اسکولوں تک رسائی نہیں کی ہے انہیں دن بھر یہاں مصروف رکھا جائے۔ دیگر بالغ نوجوان' مزدور پیشہ یا ملازم اپنی اپنی فرصت کے برابر اس مقام سے فائدہ اٹھا سکیں۔

۱۔ ایک اجنبی بارش کی زد میں آکر سرائے ڈھونڈتے ہوئے کسی مکان پر پہنچا۔ اور دستک دی۔ مالکِ مکان نے گھر کے اندر سے پوچھا تم کون ہو؟

اجنبی نے جواب دیا "زبدۃ السالکین عمدۃ الواعظین، حضرت حکیم حاجی مولوی ابو الفضل بن شیخ غلام محی الدین چشتی صابری اجمیری ثم مانک پوری ....

بات ابھی تک ختم نہ ہونے پائی تھی کہ مالکِ مکان نے گھبرا کر کہا "جناب معاف فرمایئے گا، میرے گھر میں اتنے آدمیوں کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

۲۔ **دیہاتی مسافر** لو یہ دام، مجھے دہلی کا ٹکٹ دیدو۔

ٹکٹ بابو۔ دام تو کم ہیں۔

دیہاتی مسافر۔ تو ٹکٹ پھاڑ کر دیدیجئے۔

۳۔ **سراج** بھیا جلدی آؤ! میرا کبوتر اُڑ گیا ہے۔

اکرم۔ کوئی بات نہیں، فکر نہ کرو۔ گیٹ بند کئے دیتا ہوں۔ کہاں جائے گا۔

۴۔ ایک کسان دوسرے کسان سے، ارے بھیّا! تم ہل چلا رہے ہو اور تمہارے مکان میں آگ لگ رہی ہے،

دوسرا کسان (ہنسکر) تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔ گھر کی چابی میرے جیب میں ہے۔

۵۔ **حامد**۔ ڈاکٹر صاحب! مجھے آپ کی دوا سے بہت فائدہ ہوا ہے۔

ڈاکٹر مگر وہ دوا تو تمہارے چچا کو دی تھی۔

حامد، جی دیدی تو انہیں کو تھی، لیکن وہ دوا پیتے ہی مر گئے۔ اور اب انکی ساری جائداد کا مالک میں بن گیا ہوں۔

۶۔ **استاد** عیدگاہ کس کو کہتے ہیں؟

شاگرد۔ جہاں عید منائی جاتی ہے۔

استاد۔ شاباش اب بتاؤ بندرگاہ کس کو کہتے ہیں۔

شاگرد۔ جہاں بندر جمع ہوتے ہیں۔

۷۔ **راجپوت** (گھڑی ساز سے) اس گھڑی کی درستگی کے لئے کیا لوگے؟

گھڑی ساز جتنی گھڑی کی قیمت ہے اسکی آدھی قیمت

راجپوت میں نے چار گھونسے مار کر یہ گھڑی ایک آدمی سے چھینی ہے، تم کو ابھی دو گھونسے لگاؤں یا گھڑی بنانے کے بعد؟

۸۔ **استاد** اپنی گاؤں کی صفائی کے لئے تم کونسا قدم اٹھاؤ گے۔

شاگرد۔ جناب! میں لنگڑا ہوں۔

اقوالِ زرّیں

از حافظ سید محمد اللہ بختیاری
دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ جو شخص خدا سے خوف کھاتا ہے، تو خدا اس کے لئے خوشحالی کے اسباب مہیا کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا کرتا ہے جو اسکے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی (قرآن شریف)

۲۔ جو لوگ مسلمانوں پر ایسا الزام لگاتے ہیں جو انہوں نے نہ کیا ہو تو وہ لوگ بدترین گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (قرآن شریف)

۳۔ احوال پوچھکر غم خواری نہ کرنا نفاق کی علامت ہے۔ (حدیث شریف)

۴۔ دو بھائیوں میں صلح و صفائی کر دینا نماز و روزہ اور صدقے سے افضل ہے (حدیث شریف)

۵۔ پڑوسی کو ستانے والا دوزخی ہے، چاہے وہ تمام رات عبادت ہی کیوں نہ کرتا ہو اور سارا دن روزہ رکھتا ہو (حدیث شریف)

۶۔ شیطان سے پوچھا گیا، بنی آدم میں کونسا گروہ تیری سب سے زیادہ مدد کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا حریص اور بخیل (حضرت نوحؑ)

۷۔ وہ شخص جسکے دل میں برائی ہے بھلائی نہیں پائے گا، اور جسکی زبان میں نکتہ چینی ہے وہ کبھی آزاد نہ ہوسکیگا۔
(حضرت سلیمانؑ)

۸ پاک نفس آدمی عورتوں سے بھی زیادہ شرمیلا ہوتا ہے۔
(حضرت ابوبکر صدیق رضؓ)

۹ جو اپنے آپ کو عالم بتائے وہ جاہل ہے۔ جو اپنے آپ کو جنتی بتائے، وہ دوزخی ہے۔
(حضرت عمر رضی اللہ عنہ)

۱۰ جس شخص کا راز اس کا سینہ نہیں سما سکتا، اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہے۔ (حضرت علی رضؓ)

۱۱۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمام آدمی تم سے محبت کریں، تو تم ان کے ساتھ محبت کرو اور اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔
(حضرت امام اعظم رضؓ)

۱۲ دنیا کو چوروں کی کمین گاہ سمجھ کر آگاہی و ہوشیاری کی زندگی بسر کرنی چاہیئے (افلاطون)

۱۳۔ کسی کو نقصان پہنچانا خود نقصان پہنچانے کے مترادف ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ (سقراط)

۱۴ اوقاتِ فرصت کو غنیمت جانو، یہ ایسے بادل ہیں جو جا کر پھر واپس نہیں آتے۔
(حضرت علی رضی اللہ عنہ)

۱۵ جو شخص زبان کو قابو میں نہیں رکھتا، وہ ہر وقت پشیمان ہوتا رہتا ہے۔ (حضرت امام جعفر صادق رضؓ)

۱۶ جو جوانی میں کام نہ کرے اور فضول تضیع اوقات کرے، خداوند کریم بوڑھاپے میں اسے ذلیل کرتا ہے۔

(حضرت ابوعبداللہ رضی اللہ عنہ)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین اما بعد قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ

(ترجمہ) نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایمان والوں سے بہ نسبت ان کی جان کے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور ان کی ازواجِ مطہرات ان کی ماں ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ ازواجِ مطہرات تھیں آپکی پہلی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ اُس وقت آپ کی عمر پچیس سال کی تھی۔ اور حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر چالیس سال کی تھی۔ حضرت خدیجہ رضؓ کی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ سے ہوئی۔ اُن کے انتقال کے بعد عتیق بن عابد مخزومی کے نکاح میں آئیں۔ حضرت عتیق بن عابد کسی جنگ میں انتقال ہوئے ان کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ چنانچہ بیس اونٹ کے عوض حضورؐ کی شادی حضرت خدیجہ رضؓ سے ہوئی اور ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضؓ کے بطن سے ہی تھیں۔ حضرت خدیجہؓ سے آپ کو بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کی زندگی میں حضورؐ نے دوسری شادی نہیں کی ہجرت کے تین سال پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا۔

از محمد ابوبکر برکاتی تونسوی
زمرۂ رابعہ متعلم دار العلوم لطیفیہ مکانِ حضرت قطبؒ ویلور رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خدیجہ رضؓ کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت سودہ رضؓ سے مکہ معظمہ میں ہوا۔ ازواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد یہ فضیلت صرف حضرت سودہؓ ہی کو حاصل ہے۔ اور حضرت سودہؓ کی شادی پہلے سکران بن عمرو سے ہوئی تھی۔ اور حضرت سودہؓ ان ہی کے ساتھ اسلام لائیں اور ان ہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ سکران کچھ دنوں کے بعد وفات ہوئے اور ایک لڑکا بطور یادگار چھوڑا جس کا نام عبد الرحمٰن تھا۔ اور حضرت سودہؓ بیوہ رہ گئیں۔ انہوں نے حضورؐ سے شادی کی درخواست کی۔ تو آپ نے اسے منظور کر کے بعوض چار سو درم مہر کے ان سے شادی کی۔ حضرت سودہ رضؓ کا انتقال ماہ شوال ۵۴ھ میں ہوا۔ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضؓ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ اُس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال کی تھی۔

نکاح کے بعد چند سال مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں اور مکہ معظمہ سے مدینہ واپس آنے کے بعد حضرت عائشہ رضؓ سخت بیماری میں مبتلا ہوئیں۔ مرض کی شدت سے سر کے بال سب گر گئے۔ طبیعت درست ہوئی تو اُم رومان

کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال ہوا۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی عمر نو۹ سال کی تھی۔ ساتھیوں کے ساتھ کھیلتی اور جھولا جھولتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضؓ بڑی فقیہ اور بڑی عالمہ تھیں، قرآن کا ترجمہ اور حلال وحرام سے خوب ماہر تھیں۔ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں فتویٰ دیتی تھیں۔ اور حضورؐ کو حضرت عائشہ رضؓ سے بہت محبت تھی۔ ۵۷ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وفات پائیں۔ جنت البقیع میں رات کے وقت مدفون ہوئیں۔ قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، عبداللہ بن ابی عتیق، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن زبیر نے قبر میں اُتارا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ حضرت حفصہؓ حضرت عمر رضؓ کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت حفصہ رضؓ کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی، اور حضرت خنیس بن حذافہ غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور واپس آکر اُن ہی زخموں کی وجہ سے شہادت پائی۔ حضرت حفصہ رضؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر رضؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی تو چند دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہُوا۔ حضرت حفصہ رضؓ کی طبیعت میں ذرا تیزی اور شدت تھی۔ ایکمرتبہ حضرت حفصہ رضؓ کی کچھ تیزی زبان کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خفا ہوکر ایک طلاقِ رجعی دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے نہایت رنج ہُوا۔ اُس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لائے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ حضرت حفصہ رضؓ سے رجوع کیجئے۔ کیونکہ وہ بہت روزہ رکھتی ہیں اور رات کو بہت نماز پڑھتی ہیں اور بہت عبادت کرتی ہیں۔ پھر آپ نے ان کو رجوع کرلیا۔

حضرت حفصہ رضؓ چوپن ہجری میں جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا وفات پائیں۔ مروان بن حکم نے جو اُس وقت مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت زینب ام المساکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں ہیں اور زینب رضؓ فقراء ومساکین کو بہت کھانا کھلاتی تھیں، اسی لئے ام المساکین کنیت پڑی اور ان کا پہلا نکاح طفیل بن حارث سے ہوا۔ انہوں نے طلاق دیا تو ان کے بھائی عبیدہ بن حارث نے نکاح کیا۔ اس کے بعد وہ جنگ بدر میں شہید ہوئے۔ تو پھر عبداللہ بن جحش نے نکاح کرلیا۔ ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے تیسرے سال رمضان شریف میں نکاح کرلئے۔ دو تین ماہ حضورؐ کے ساتھ رہنے پائی تھیں کہ ان کا بھی انتقال ہُوا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ حضرت ام سلمہ کا پہلا نکاح، عبداللہ بن عبدالاسد سے ہوا اور ام سلمہ رضؓ اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام لائیں۔ ان کے شوہر مشہور غزوات مثلاً غزوۂ بدر، غزوۂ احد وغیرہ میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں چند زخم لگے تو وہ زخم تو درست ہو گیا مگر جمادی الثانی ۴ھ میں ٹانگ ٹوٹ گئی۔

اور اسی میں وفات پائی۔ نمازِ جنازہ بڑے اہتمام کے ساتھ پڑھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی نمازِ جنازہ نو تکبیروں کے ساتھ پڑھایا تو لوگوں نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ آپ کو بھول تو نہیں ہوی، تو حضور نے فرمایا کہ وہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے۔ چنانچہ ان کی وفات کے بعد ام سلمہ رض کو ماہ شوال سنہ ۴ھ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بعوض دس درہم مہر کے نکاح کر لیا۔ حضرت عائشہ کے بعد فضل و کمال میں ان ہی کا درجہ تھا۔ صحیح بخاری میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے کہ سنہ ۶۱ یا ۶۲ ہجری میں ان کی وفات ہوی۔ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں ہیں۔

حضرت زینب رض کی پہلی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ہوی تھی۔ انہوں نے کسی نا اتفاقی کی وجہ انہیں طلاق دے دیا، تو ہجرت کے چوتھے سال اُن سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوگئی۔ اُس وقت حضرت زینب کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ اور حضرت زینب حسن و جمال میں بھی زیادہ تھیں اور حضور کو بھی ان سے زیادہ محبت تھی۔ حضرت زینب رض سنہ ۲۰ھ میں انتقال ہوئیں۔ حضرت زینب رض کے انتقال کے بعد حارث بن ابی ضرارہ کی بیٹی جویریہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا۔ پہلے انکی شادی مسافع بن صفوان سے ہوی تھی جو غزوۂ مریسیع میں قتل ہوے، تو ان کے انتقال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعوض چار سو درہم مہر کے حضرت جویریہ رض سے نکاح کر لیا تو چند سال رہنے پائی تھیں سنہ ۵۰ھ میں وفات پائیں اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

حضرت جویریہ رض کا انتقال کے بعد ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا اور انکی پیدائش بعثت سے سترہ برس پہلے ہوی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہونے سے پہلے آپ کا عبید اللہ بن جحش سے نکاح ہوا تھا۔ دونوں نے مشرف بہ اسلام ہو کر حبش کی جانب ہجرت کی تھی۔ وہاں جا کر عبید اللہ مرتد ہوگیا اور دین نصرانی قبول کیا۔ شراب پینا اختیار کیا، پھر چند روز بعد وہ مرگیا اور ام حبیبہ رض اسلام پر قائم رہیں، اس کے بعد حضور سے نکاح ہوا۔ بعوض چار سو دینار مہر کے۔

آپ بہت پاکیزہ ذات نیک صفات، عالی ہمت اور سخاوت والی تھیں۔ چنانچہ سنہ ۴۴ھ میں وفات پائیں۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اسکے بعد حارث الحی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ہوی۔ حضرت صفیہ رض کی پہلی شادی سلام بن مشکم القرضی سے ہوی تھی۔ ابن مشکم نے طلاق دے دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ کنانہ جنگ خیبر میں مقتول ہوا۔ حضرت صفیہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھیں۔ نبی کریم سے حضرت صفیہ کا نکاح ہجرت کے ساتویں سال ہوا۔ اس وقت حضرت صفیہ کی عمر سترہ سال سے کم تھی۔ حضرت ابن عمر رض سے مروی ہے کہ نبی کریم صلعم نے ایک دفعہ حضرت صفیہ کی آنکھ دیکھا تو وہ نیلگوں تھی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ عرض

کہیں کہ کنانہ بن ابی الحق میرے پہلے شوہر تھے۔ ایکبارتبہ ان کے گھٹنے پر سر رکھ کر سوئی ہوئی تھی کہ اس وقت خواب میں دیکھی کہ چاند میری گود میں آیا ہے، میں اٹھی اور خواب کا حال اپنے شوہر سے بیان کیا تو وہ سنتے ہی غضبناک ہو گئے اور مجھے ایک طمانچہ مار کر کہا کیا یثرب کے حاکم کی عورت بننے کی آرزو کرتی ہے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اور میں آپ کے نکاح میں آئی۔

منقول ہے کہ جب صفیہ مدینہ پہنچیں تو ان کے حسن وجمال کی خبر سن کر انصار کی عورتیں انہیں دیکھنے آئیں اور حضورؐ کو حضرت صفیہ رضؓ سے بے انتہا محبت تھی۔ مروی ہے کہ ایکبارتبہ آپ سفر میں تھے اور ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صفیہ کا اونٹ اتفاق سے بیمار ہو گیا۔ حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا ایک ونٹ حضرت صفیہ رضؓ کو دیدو۔ انہوں نے کہا، میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ نہ دوں گی۔ اس بات پر آپ ان سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک اُن کے پاس نہیں گئے اور نہ بات کئے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بڑے مرتبے والی تھیں۔ چند سال حضور کے ساتھ زندگی بسر کیں۔ سنہ ۵۰ھ میں صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوی۔ جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

ان کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلعم کا نکاح ہوا۔ حضرت میمونہ کی پہلی شادی مسعود بن عمیر و بن عمیر الثقفی کے ساتھ ہوی۔ مسعود نے چند روز بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کر لیا۔

ابورہم کے انتقال کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ذی القعدہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ حضورؐ کی آخری بی بی ہیں۔

ان گیارہ بی بیوں میں بی بی خدیجہ رضؓ اور بی بی زینب رضؓ حضور کے عین حیات وفات پائیں۔ باقی نو حضورؐ کے وفات تک زندہ رہیں۔

از سید مصطفےٰ قادری آنا ہھوری متعلم دارالعلوم لطیفیہ
حضرت مکان قطب ویلور قدس سرہ

اسلام نے ملک کے نظم ونسق کے لئے جمہوریت اور مجلس شوریٰ کا نظام مقرر کیا ہے۔ جو شخصی حکومت کا مخالف ہے۔ جو لوگ اسلام کو شخصی حکومت کا حامی بتاتے ہیں، وہ یقیناً اسلامی تعلیمات سے بالکل ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔

شواہد و دلائل سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام میں حکومت، طاقت، متحدہ جمہور کا نام ہے۔ اسلام کی نظر میں ملک کے تمام افراد، حقوق و مراتب کے اعتبار سے مساوی ہیں۔ مشورہ کے وقت آقا، غلام، ادنیٰ و اعلیٰ، امیر و غریب تمام کو مساوی مرتبہ دیا جاتا ہے۔ وہ حکومت کو کسی خاص شخص کی ذاتی ملک یا خاندانی وراثت نہیں تبلاتا۔ چنانچہ قرآن میں خدا فرماتا ہے وشاورھم فی الامر اس میں حکومت کے لئے مشورۂ عام کا حکم دیا جاتا ہے جس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کسی کی ملک یا وراثت نہیں ہے بلکہ مشورۂ عام ضروری ہے۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ بانی ملت اسلامیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین نے اپنا جانشین کسی عزیز یا بیٹے کو نہیں بنایا۔ وہ نظم ونسق کے معاملے میں انصار و مہاجرین کا مشورہ ضروری سمجھتے تھے۔ اور بوقتِ ضرورت عامۃ المسلمین کا مشورہ بھی ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مملکت اسلامیہ میں خلفاء کا تقرر عموماً مشورہ ہی سے ہوتا تھا۔ جیسا کہ تاریخ کے جاننے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے، متمدن دنیا میں انسان کے اپنے معاملات کی خوش اسلوبی اور بہبودی کا دارومدار صحیح رائے پر ہے۔

تو اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جو انسان کی ہر حالت میں راہبری کی ہے اور ہر قسم کی فلاح و بہبودی کی ضامن ہے، اس مسئلہ میں کیا حکم دیا ہے اور اس کی افادیت کس طرح واضح کیا ہے۔

مذکورۂ بالا آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپس کے معاملات میں ایک دوسرے سے مشورہ کریں۔ مشورہ چونکہ بڑی اہمیت رکھنے والی شئی ہے، اس لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔ مشورہ کرنا چونکہ سنتِ الٰہیہ ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزۃ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے مشورہ فرمایا، کہ میں روئے زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں، یہ مشورہ تھا اور اس سے فرشتوں کی رائے بھی لینا مقصود تھا۔ محض اپنے ارادہ کی اطلاع نہ تھی۔ اس لئے فرشتوں نے یہ سن کر عرض کیا اور عرض کرنے کی جرأت ہوئی اتجعل فیھا من یفسد ویسفك الدماء (ترجمہ) کیا ایسے کو خلافت عطا فرمائے گا جو زمین میں خوں ریزی کریگا نحن نسبح بحمدك

و نقدس لک ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیری ، تعریف و تقدیس کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اگرچہ کہ ان کی یہ رائے قبول نہیں ہوئی بلکہ ان سے کہا گیا۔

اِنّی اَعلمُ ما لا تعلمُون

(بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔) اگر یہ مشورہ نہ ہوتا تو فرشتے اپنی رائے کبھی پیش نہ کرتے۔ ان کی صفت تو یہ ہے کہ جس کام کا انہیں حکم مل جائے اسکی اطاعت کرتے ہیں۔ تو اگر یہ اللہ کا حکم ہوتا تو اس میں لب کشائی کی ہرگز جرأت نہ کرتے۔ اس میں بندوں کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ ہم علم و خبر رکھنے کے باوجود مشورہ کرتے ہیں۔ تم بھی اپنے کاموں میں مشورہ کرلیا کرو۔ حضور صلعم افضل البشر سید الرسل عالم الخلائق ہونے کے باوجود معاملات میں اپنے صحابۂ کرام سے مشورہ فرماتے تھے۔ چنانچہ جنگ خندق کے موقعہ پر حضور صلعم نے صحابۂ کرام سے مشورہ طلب فرمایا تو ہر ایک نے مختلف رائے دی۔ آخر میں سلمان فارسیؓ (جو ایران کے رہنے والے تھے) سے بھی آپ نے مشورہ طلب فرمایا تو انہوں نے شہر کے اردگرد خندق کے کھودنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ حضور صلعم اور صحابۂ کرام اس بات پر متفق ہو گئے اور ان کے مشورہ کے مطابق عمل کیا گیا تو مسلمانوں کے سر سے آفتِ عظمیٰ ٹل گئی، تو معلوم ہوا کہ مشورہ سنّتِ نبویہ بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے، جبتک تمہارے حکام اچھے ہوں، اور تمہارے آپس کے کام باہمی مشورہ سے طے پائیں، تو اس وقت تمہارے لئے زمین کی پشت، زمین کے بطن سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے تمام معاملات عورتوں کے ہاتھوں میں ہوں تو تمہارے لئے زمین کا بطن زمین کی پشت سے بہتر ہے یعنی موت زندگی سے بہتر ہے۔ مشورہ تلوار اور تیر و تفنگ سے بھی زیادہ قوی ہے۔ اور یہ چیزیں مشورہ کے سامنے ہیچ ہیں۔ مشورہ سے کام کرنے والے مخالفت اور عوام کے طعنوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ تنہا ایک شخص کی رائے کچے دھاگے کے مانند ہے۔ چند آراء کا اتفاق ایک بٹی ہوئی مضبوط رسی کے مانند ہے۔ مشورہ سے قوم میں اتفاق پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس میں ہر چھوٹے بڑے کو اظہار رائے کا موقع حاصل ہوتا ہے اور ہر شخص ایک دوسرے کے موافق و مخالف باتوں کا متحمل ہوتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ تعاون و تعامل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور اونچ نیچ کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ خداوند عالم نے مشورہ کو انسانی مصلحتوں کی تکمیل کا ایک بہت بڑا ذریعہ بنایا ہے۔ اور ارباب عقول کو اس پر عملدرآمد کا حکم دیا ہے۔ قبیلہ عبس کے ایک شخص سے کسی نے پوچھا کیا بات ہے کہ تم لوگ معاملات میں غلطی بہت کم کرتے ہو تو اس نے جواب دیا۔

نحن الف رجل وفینا حازم واحد فنحن نشاورہ فکنا الف حازم (ترجمہ) ہم ایک ہزار ہیں اور ہم میں ایک دانشمند مدبر اور تجربہ کار ہے۔ ہم اس سے مشورہ کرتے ہیں تو گویا ہم سب ہزار دانشمند اور مدبر ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر مشورہ کے کوئی کام نہیں کرتے۔ اور مشورہ ہم میں سے سب سے زیادہ مدبر و تجربہ کار کا قبول کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سب بغیر سوچے سمجھے کسی ایک کا اتباع کرتے ہیں۔ بلکہ ہم اس معاملہ میں

غور وفکر سے کام لیتے ہیں، بالآخر سب ایک رائے پر متفق ہو جاتے ہیں۔

جب آدمی اپنے رب سے استخارہ کر لے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کر لے اور اپنی عقل ودانش سے پوری طرح کام لے تو وہ اپنا پورا فرض ادا کر چکا، اب نتیجہ کی کامیابی یا ناکامی خدا کے اختیار میں ہے۔ خود وہ شخص قابل ملامت نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر کوئی الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب آیت وشاورھم فی الامر نازل ہوئی تو جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سمجھ لو کہ خدا اور اس کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں۔ لیکن مشورہ کو خدائے تعالیٰ نے میری امت کیلئے رحمت بنایا ہے۔ میری امت میں سے جو شخص مشورہ کرتا رہیگا رشد و ہدایت اس کے ساتھ رہیگی اور جو اس کو ترک کر دیگا تو رشد و ہدایت بھی اس کا ساتھ دینا ترک کر دیگی۔

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور صلعم نے کہ مشورہ ندامت سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے بلکہ محفوظ رکھنے کا ایک مضبوط قلعہ ہے اور لوگوں کی ملامت سے امن بخشتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، جو شخص کوئی کام کرنا چاہے اور اس نے اس بارے میں کسی مسلمان سے مشورہ لیا تو خدا اس کو سب بہتر بات کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

مذکورہ احادیث میں چند باتیں اس بارے میں ذہن نشین ہوتی ہیں کہ طریقۂ رشد و ثواب پر چلنے کے لئے مشورہ اصل اصول ہے۔ مشورہ پر کاربند ہو کر جو کام کیا جاتا ہے اس میں خیر و برکت ہوتی ہے اور رشد و ہدایت بھی اس کے ساتھ ہوتی ہے اور اگر مشورہ سے کام نہ لیا جائے تو گمراہی سے نجات ملنا مشکل ہے۔ اس سے انسان کو بہت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے تو ان میں ان اوصاف کا ہونا لازمی ہے جن سے ان کے مشیر ہونے کی صلاحیت ولیاقت ثابت ہوتی ہے۔ ہر کس وناکس اور خام خیال لوگوں کا مشورہ شرمساری اور رسوائی کا سبب بن سکتا ہے۔ قرآن کی ایک آیت کا مفہوم یہ بھی ہے۔ (اور اگر غصہ آجائے تو درگذر کر جاتے ہیں جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورہ سے چلاتے ہیں) اس چیز کو یہاں ایمان کی بہترین صفات میں شمار کیا گیا ہے اور سورۂ آل عمران میں اس کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ اس بنا پر مشاورت اسلامی طرز زندگی کا ایک اہم ستون ہے اور مشورہ کے بغیر اجتماعی کاروبار چلانا صرف جاہلیت کا طریقہ ہی نہیں، بلکہ اللہ کے مقررہ ضابطہ کی صریح خلاف ورزی ہے۔

یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن پر اگر کسی نے غور کیا تو اسکی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ اسلام جس اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، مشورہ اس کا لازمی تقاضہ ہے، اس سے انحراف ایک بڑی غلطی ہے جسکی اسلام کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام کی طرز زندگی یہ چاہتی ہے کہ مشاورت کا اصول ہر چھوٹے بڑے معاملات میں برتا جائے۔ اگر خاندان کے معاملات ہوں تو ان میں کنبے کے سب عاقل و بالغ افراد کی رائے لی جائے۔ اگر ایک قبیلہ یا برادری یا بستی کے معاملات

ہوں جس میں [illegible] لوگوں کا ہونا ممکن نہ ہو تو اس کا فیصلہ کوئی ایسی پنچایت یا مجلس کرے جس میں متفق علیہ طریقہ کے مطابق متعلق لوگوں کے معتمد علیہ نمائندے شریک ہوں۔

اگر ایک پوری قوم کے معاملات ہوں تو اسکے چلانے کے لئے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے اور وہ معاملات کو ایسے صاحب الرائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو اور وہ اس وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ کوئی ایماندار آدمی قوم کا سربراہ بننے اور بنے رہنے کی خواہش یا کوشش نہیں کر سکتا۔ ایسی خواہشات صرف اس نفس میں پیدا ہوتی ہیں جو نیت کی خرابی سے ملوث ہو اور اس خواہش کے ساتھ امرھم شوریٰ بینھم کی ظاہری شکل بنائے اور اسکی حقیقت غائب کرنے میں کوشش صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے خدا اور خلق دونوں کو دھوکا دینے میں کوئی خوف نہ ہو۔ حالانکہ خدا دھوکا کھا سکتا ہے اور نہ خلق ہی اتنی اندھی ہو سکتی ہے کہ کوئی دن دہاڑے علانیہ چوری کرے اور مخلوق اسے چوری نہ سمجھ سکے۔

اسلام کے اصول وشوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ بنیادی مسئلہ بھی نگاہوں کے سامنے رہنا چاہیئے۔ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات میں مطلق العنان اور مختار کل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کے حدود کے اندر محدود ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور اسی اصل الاصول کی پابندی ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضور صلعم کے بتائے ہوئے طریقہ پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے معاملات شرع کے مطابق مشورہ سے انجام دیں۔ اور خلاف شرع چلنے سے پرہیز کریں۔

خلافِ پیمبرؐ کسے رہ گزید
کہ ہرگز بخواہد بمنزل رسید

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ پر ایک طائرانہ نظر

سید محبوب بادشاہ
عیدروس منگولی
زمرۂ ثانیہ
متعلم دار العلوم لطیفیہ
حضرت مکان ویلور

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، ایک جلیل القدر صحابی گذرے ہیں۔ آپ زہد وورع کے اُس مقام تک پہنچ گئے تھے، جہاں رُہبانیت کی سرحد شروع ہوجاتی ہے۔

آپؓ دین اسلام قبول کرنے سے قبل مجوسیان فارس میں سے تھے، اور جب آپ کی عمر کا بڑا حصہ گذرا تو آپ دینِ مجوسی چھوڑ کر دین نصاریٰ اختیار کیا۔

ایکمرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ کا نسب کیا ہے تو فرمایا کہ میں مسلمان ابن الاسلام ہوں۔ یعنی میں کافر باپ کی طرف اپنی نسبت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ میں اسلام کا پروردہ ہوں اپنے کو اسلام کا بیٹا کہتا ہوں۔

آپ کو فارسی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ملک فارس کے رہنے والے تھے اور آپ کو علمائے یہود و نصارا سے معلوم ہوا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہونے والے ہیں۔ اس لئے برسوں حضورؐ کی آمد کا انتظار رہا۔ ان دنوں میں آپؓ دس سے زیادہ لوگوں کے غلام رہے اور آپ فارس کے شہر اصبہان میں ایک گاؤں (جی) کے باشندے تھے۔

بعض روایت میں ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا کہ میں شہر رامہر فر سے تعلق رکھنے والا ہوں۔ آپ کے باپ کا مشغلہ کاشتکاری تھا۔ مذہبًا وہ آتش پرست تھا اس کا نام بود خشاں بن موسلمان تھا۔ وہ اپنے شہر کا چودھری بھی تھا۔ وہ حضرت سلمان کو بہت ہی چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کو گھر سے باہر تک جانے نہ دیتا تھا۔ جب حضرت سلمانؓ کی پیدائش ہوی تو ان کا نام مایہ رکھا۔ ہوش سنبھالنے پر ان کو بھی آتش پرستی میں لگادیا۔ یہاں تک کہ حضرت سلمان آتشکدہ کی خدمت میں اسطرح لگے رہے کہ ہر وقت آگ روشن کرتے تھے اور آتش کدہ کے پجاری اور مندر کے نگران بن گئے تھے۔

اللہ رب العزۃ جسے چاہے ظلمات سے نکال کر نور میں داخل کرتے ہیں اور ہدایت سے نوازتے ہیں تو ہر حال میں اور ہر فضا میں وہ نوازے جاتے ہیں یہی تو خدا کی شان ہے۔ حضرت سلمانؓ جو ایک آتش پرست تھے جن کو اپنے فضل سے نوازا اور آپ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی بن گئے۔ اور آجتک کروڑوں آدمی آپؓ کو رضی اللہ عنہ کی دعا پہنچا رہے ہیں۔ اور پہنچاتے رہیں گے۔ اسلام جس نے قبول کیا وہ بہت ہی نوازا گیا۔

اسلام قبول کرنے کا عجیب وغریب واقعہ، حضرت سلمان فارسی رضؓ خود فرماتے ہیں، ایکروز میرا باپ مکان بنوانے میں مشغول تھا۔ عدم فرصتی کی بنا پر حکم دیا کہ آج

کاشتکاری کی خبر لیں اور یہ بھی کہا کہ تیرا جلدی نہ آنا میری بیتابی کا باعث بنیگی، لہٰذا فوراً واپس ہو جانا۔ میں حسب الحکم جا رہا تھا کہ راستے میں ایک گرجا ملا تو خیال ہوا کہ اندر جاؤں۔ دیکھتا ہوں کہ عیسائی نماز ادا کر رہے ہیں۔ ان کا طریقہ مجھے از حد پسند آیا اور دین مسیح سے متاثر ہو کر دریافت کیا کہ آخر اس کا مرکز کہاں ہے تو انہوں نے کہا ملک شام میں ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ شام تک وہیں رہے، غروب آفتاب کے بعد گھر واپس آئے تو باپ نے دیری کا سبب دریافت کیا تو میں نے اپنا تمام حال سنایا اور میں نے یہ بھی عرض کیا مجھے اپنے دین سے دین نصارا بہتر و افضل معلوم ہوتا ہے۔ جواب میں باپ نے کہا ہمارے آبا و اجداد ہی کا دین بہتر ہے تمہیں اس دین کی حقیقت کیا معلوم۔ جو دین کہ ہزاروں سال سے چلا آرہا ہے تمہیں اسی دین پر قائم رہنا ہوگا۔ تو میں نے فوراً یہ عرض کی کہ خداوند قدوس کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

باپ میرے اس بے ساختہ الفاظ کو سن کر پریشان ہو گیا اور انہیں یہ یقین ہوگیا کہ اگر اس کو میں ایسے ہی آزاد دے دوں گا تو یقیناً دین نصارا میں جا ملیگا۔ لہٰذا مجھے نظر بند کر کے بیڑیاں ڈالی گئیں۔ ان سختیوں اور مصیبتوں کے باوجود میں اپنی اسیری کی حالت کو نصارا تک پہنچا دیا۔ اور یہ کہا کہ اگر شامی تجار یہاں آئیں تو مجھے اسکی خبر دیجائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور شام کے تجار کی روانگی کی خبر بھی مجھے دی گئی اور میں بڑی بے اضطرابی و بے تابی سے اپنی بیڑیاں توڑ کر ان کے ساتھ ہولیا۔

جب میں ملک شام پہنچا تو وہاں سے لوگوں سے دریافت کیا کہ آپکے راہب کون ہیں۔ انہوں نے مجھے گرجا کے پاپائے عظیم سے ملایا، تو میں پاپائے عظیم سے اپنا از سر نو قصہ بیان کیا اور عرض کیا کہ اس بندے کو اپنے ساتھ رکھیں، آپ نے قبول کیا تو کچھ عرصہ دراز تک ان کے ساتھ رہا۔ ان کی باطنی حالت بہت ہی زبوں تھی۔ جب وہ مرگیا تو اس کی جگہ دوسرا پادری مقرر کیا گیا جو خدا پرست اور دنیا سے بے نیاز تھا۔ میں اسکی خدمت میں رہا۔ جب اسکی بھی موت کا وقت قریب آیا تو میں نے عرض کی کہ میرے متعلق آپکا کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا کہ تم شہر موصل چلے جاؤ۔ وہاں پر فلاں نام کا زاہد و پرہیزگار و حق پرست ہے۔ چنانچہ میں فوراً موصل پہنچا اور ان کو پایا۔ انہیں کے پاس رہا۔ چونکہ دنیا کسی کا ساتھ نہیں دیتی۔ جب وہ بستر مرگ پر پڑے تو وہ مجھے شہر نصیبیاں بھیجا۔ وہاں کے پادری سے بھی مجھے شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں شہر عموریا پہنچا، وہاں پر ان تمام سے اعلیٰ و افضل راہب تھا۔ چنانچہ خدمت میں رہنے کی عرض و گذارش کی اور ان کے ساتھ رہنے لگا۔ عموریا کے دوران قیام کسب کرنے لگا۔ میرے پاس چند بکریاں اور گائے بھی جمع ہوگئے۔ کچھ عرصہ گذرا آخر الامر راہب عموریا بھی عمر طبعی کو پہنچا تو میں نے عرض کی کہ میرے متعلق آپکی کیا رائے ہے، تو راہب عموریہ نے کہا قسم اس خدائے پاک کی کہ اب میرے خیال میں کوئی راہ حق والا نہیں رہا۔ اتنا بتا دیتا ہوں کہ عنقریب آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم دین ابراہیم لیکر مبعوث ہونے والے ہیں،

لہٰذا تم ان کا انتظار کرو۔ ملک عرب سے ان کا ظہور ہوگا اور ضرور تم سے ملاقات ہوگی اور وہ ایسے شہر کی طرف ہجرت کریں گے، جن کے دونوں طرف کنکریلی زمین ہوگی اور اس شہر میں کھجور کے باغ ہوں گے۔ ان کی چند خصوصیات کو بھی بیان کیا۔ وہ یہ ہیں کہ آپ ہدیہ کھائینگے، صدقہ نہ کھائیں گے اور آپؐ کی پشتِ مبارک پر مہر نبوت ہوگی۔ اتنا کہہ کر پادری عالم فانی سے چل بسا۔

اب حضرت سلمان فارسی رضؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی انتظار میں نکلے حتیٰ کہ قبیلۂ بنی کلب کے چند تجار عموریہ کو تجارت کیلیئے آئے۔ جب وہ قافلہ واپس ہونے لگا، تو حضرت سلمان فارسیؓ نے کہا اگر تم لوگ مجھے عرب تک پہنچا دو تو میں اس کے عوض میں بکریاں اور گائے وغیرہ دوں گا۔ یہ سن کر تجار ان کی شرط منظور کرلی اور ساتھ لیکر چلے۔ مجھے وادی القریٰ لے گئے جو عرب ہی کا حصّہ ہے، مگر ان تاجروں نے مجھ سے غداری کی کہ مجھے اپنا غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کردیا۔ وہ یہودی قبیلہ بنی قریظہ سے تھا اور وہ مجھے مدینہ لے گیا۔ دیکھتا ہوں شہر کے دونوں جانب کنکریلی زمین ہے اور کھجور کے باغ ہیں، اس وقت مجھے احساس ہوا کہ جو نشانی اس پادری نے بتائی تھی وہ یہی ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مالک کے باغ سے کچھ کھجوریں لیکر سرکار دو عالم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض وگذارش کی کہ یا رسول اللہ یہ صدقہ ہے، آپؐ نے کہا صدقہ میرے لئے جائز نہیں، تو پھر دوبارہ کھجوریں لیکر خدمتِ اقدس میں مؤدبانہ حاضر ہوئے اور عاجزانہ التماس کی کہ یہ ہدیہ ہے۔ تو آپ نے اسے قبول فرمایا اور اس کے بعد میرے دل میں انتہائی محبت جاگزیں ہوگئی۔ اس کے بعد مجھکو یہ تڑپ رہی کہ مہر نبوت کو دیکھ لوں۔ چنانچہ تیسری دفعہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں مع صحابۂ کرام کے تشریف فرما تھے میں نے آپ کو سلام کیا اور ختم نبوت دیکھنے کے لئے گھوم کر آپ کے پیچھے پہنچ گیا۔

• جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیچھے کھڑا ہوا دیکھا تو میرے مقصد کو آپ نے سمجھ لیا اور خود بخود اپنی مبارک چادر اٹھا کر مہر نبوّت کو دکھایا۔ میں اُسے دیکھ کر چوم لیا اور فرط مسرّت سے میری آنکھوں سے آنسو آنے لگے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سامنے بلایا اور مجھے دعا دی۔ جب میں ان کو اپنا پورا قصہ سنایا تو یہ سن کر آپؐ تمام صحابہ کرام کو بھی سنایا۔ جب تینوں نشانیوں کو پایا تو مشرف بہ اسلام ہُوا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا کہ اب آپ اپنی غلامی سے آزاد ہونے کی فکر کرو۔ تو انہوں نے اپنے مالک سے تحریری شکل میں عرض وگذارش کی کہ مجھے اب آزاد کردیا جائے۔ مالک نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر تم تین سو کھجور کے درخت لگا دیں اور جب وہ بار آور ہوں تو تم آزاد ہو۔ اور یہ بھی شرط لگائی کہ چالیس اوقیہ سونا یعنی ساڑھے سیر سونا دیکر آزاد ہوجاؤ۔

چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں حاضر ہوئے

اور بہودی کے شرائط سے آگاہ کیا۔ آپ نے چندہ وصول کرکے
تین سو درخت جمع کیا اور ان میں دو سو ننانوے درخت
اپنے دستِ مبارک سے لگائے، تمام کے تمام درخت اسی سال
برآور ہوئے۔ ان میں ایک درخت جو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ
عنہ لگائے تھے وہ برآور نہیں ہوا۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کو بھی اکھاڑ کر اپنے دستِ مبارک سے لگایا تو وہ بھی
اسی سال برآور ہوا۔ اب رہا سونے کا معاملہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں مال غنیمت میں تھوڑی مقدار میں سونا
آیا تھا وہ سونا آپؐ نے حضرت سلمان فارسی رضؓ کو دیا۔ حضرت
سلمان فارسیؓ اسے دیکھکر کہا یا رسول اللہؐ سات سیر سونا چاہئے
یہ کیا کفایت کریگا۔ آپؐ نے فرمایا تم اسے لے جاؤ یہ برابر ہوگا۔
یہ سن کر حضرت سلمان فارسی رضؓ اس سونے کو لیا اور تولا تو وہ
برابر ہوا۔ پھر وہ سونا مالک کو دیکر آزاد ہوئے۔ اور آپ کے
دربار میں رہنے لگے۔ اور چند سالوں کے بعد حضرت عمر فاروق
رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مدائن کے گورنر مقرر ہوئے۔ آپ
نہایت سادہ لباس رکھتے تھے۔ ایکمرتبہ کسی شخص نے گھاس کا
گھٹا سر پر لا دیا۔ آگے گئے تو لوگوں نے کہا یہ تو ہمارے امیر
ہیں، تو نے یہ کیا کیا۔ حیرت سے وہ شخص ڈرا اور معذرت خواہ
ہوتے ہوئے کہا مجھے معاف کر دیجئے میں نے آپ کو پہچانا نہیں،
اس وقت حضرت سلمانؓ فارسی کہتے ہیں، کوئی بات نہیں اس
بوجھ کو تمہارے گھر تک پہنچاؤں گا۔ اس واقعہ سے اندازہ
لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کس طرح کی زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت سلمان فارسی رضؓ کے مکان پر ایک مہمان
آئے۔ آپ صحرا کی طرف نکل کھڑے ہوئے، وہاں پر ہرنیوں
کا غول اور پرندے، جانوروں کی قطاروں کو دیکھ کر آپ رضؓ
نے ایک ہرنی اور پرندہ جانور کی طرف اشارہ کیا۔ اشارہ
کے پاتے ہی دونوں جانور دوڑتے ہوئے چلے آئے۔
مہمان تعجب نہ کرکے سبحان اللہ! خدا نے آپ کے لئے
ہرنیوں اور پرندے، جانوروں کو مسخر و تابعدار رکھا ہے
تو حضرت سلمان فارسی رضؓ نے برہم ہوکر کہا کیا تو نے ایسے بندے
کو دیکھا ہے جس نے خدا کی اطاعت کی ہو اور اس کی نافرمانی
کی ہو۔

آپکی عمر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک
سو پچاس برس کی عمر پائی۔

وفات

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ساٹھ روایت کی ہیں کہ آپ کا انتقال
۳۵ھ ہجری میں ہوا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سید محبوب باشاہ عیدروس
منگولی

زمرۂ ثانیہ دار العلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور
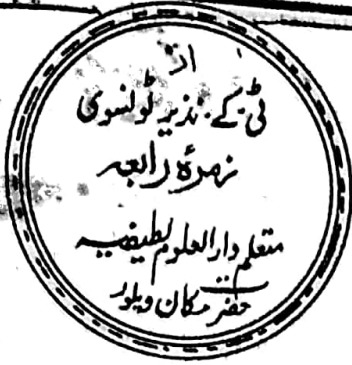
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

وہ شریعت کے سلطان، محبت کے اور حقیقت کے برھان، وہ اسرار الٰہی کے مفتی، وہ انوار نامتناہی کے مھدی، وہ وارث دین حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس مرتبہ کے شخص تھے کہ سارا جہان آپکے شرح صدر سے پُر نور ہے۔ پسندیدہ فضائل اور مناقب آپکے بہت ہیں۔ آپ کے لئے یہی وصف کافی ہے کہ آپ شجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شاخ ہیں۔ اور دورِ مصطفوی کے میوہ ہیں۔ آپ فراست اور کیاست میں یکتا ہیں اور مروت اور فنون میں بے مثل تھے کیونکہ آپ کریم جہاں اور فیاض زماں بھی تھے اور آپ افضل وقت بھی تھے اور اعلم عہد بھی۔

حجۃ الائمۃ من قریش بھی تھے اور آپ کی کرامات بے حد و حساب بے پایاں و بے شمار ہیں۔ اور آپ کی زبان گہربار فصاحت و بلاغت کے دریا میں غوطہ زن ہے۔

اسم شریف نام محمدؐ و کنیت ابو عبداللہ اور لقب ناصر الحدیث شافعی، ان کے جد اعلیٰ شافع بن سائب کی جانب نسبت ہے۔

سلسلۂ نسب، نسبت یہ ہے محمد بن ادریس، بن عباس، بن عثمان، بن شافعی، بن سائب، عبید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف القریشی الہاشمی المطلبی۔ آپ ساتویں پشت پر جا کر سلسلۂ نسب حضورؐ تک ملجاتا ہے۔ اور علامہ تاج الدینؒ نے آپکی والدہ کو ہاشمی کہا ہے۔ لیکن قول صحیح یہ ہے کہ آپکی والدہ قبیل ازد سے تھیں۔ قبیلۂ آذر کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے۔ ترمذی شریف میں یہ الفاظ روایت کئے گئے ہیں **الازد اسد اللہ فی الارض**، آپکا سلسلہ عبد مناف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔

آپکے والد ادریس بن عباس مدینۂ منورہ کے قریب ایک قصبہ (تبالہ) کے رہنے والے تھے پھر مدینۂ منورہ چلے آئے اور آپ ارض مقدسہ کے شہر غزہ میں پیدا ہوئے، وہاں سے ان کی والدۂ محترمہ ان کو عسقلان لے آئیں۔

معاشی کشمکش کی وجہ سے شام پہنچے۔ حضرت امام کے جد امجد شافع بن سائب صحابی تھے۔

ولادتِ باسعادت آپ بمقام غزہ ۱۵۰ھ رجب المرجب میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب قبلہ کا انتقال آپکے پیدا ہونے

سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ آپ فرماتے ہیں ولدت لغزۃ
وحملتنی امی الی عقلان یعنی میں غزہ میں پیدا
ہُوا پھر میری ماں مجھے عقلان لے آئی۔ باپ کا سایہ ولادت
سے قبل ہی اٹھ چکا تھا اسلئے آپ کی والدہ نے مدت رضاعت
ختم کر کے دو سال بعد اپنے قبیلہ اذر لواح یمن کا سفر کیا۔
آپ نے اپنے ماموں کے پاس کامل آٹھ سال گذارے ہیں
آپنے سات سال کی عمر میں قرآن شریف کا حفظ کیا اور دس
سال کی عمر میں موطا امام مالکؒ کو حفظ کرلیا۔ بچپن ہی سے
آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا شعر کہنے لگے۔ ایام العرب اور
ادب کی طرف خاص رغبت تھی۔

تعلیم و تربیت

جب آپنے زندگی کی دس بہاریں دیکھ لیں تو آپ کی والدہ نے آپ کو
اپنے چچا کے پاس مکہ مکرمہ بھیج دیا تاکہ شہر میں رہ کر علم الانساب
حاصل کریں، اس لئے کہ عرب میں نسب کا محفوظ رکھنا ضروری
ہے۔ آپ کے چچا کی مالی حالت کمزور تھی اس لئے آپ کو علم
حاصل کرنے میں بہت سی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ اور جب
کسی عالم دین سے کوئی حدیث یا کوئی مسئلہ سنتے تو اس کو یاد
کر لیتے اور ہڈیوں پہ لکھ لیا کرتے۔ اور ان ہڈیوں کو کسی
ایک مٹکے میں بڑی احتیاط سے محفوظ کر دیتے۔ بالآخر آپ
کو معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں مسلم بن خالد زنجی فقہ و حدیث
کے امام اور مفتی مکہ مکرمہ میں ہیں۔
یہ سنتے ہی آپ مکہ مکرمہ چلے گئے اور ان کی
صحبت میں رہ کر بہت کچھ استفادہ حاصل کیا، اور
وہاں رہ کر تین برس فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی اور حدیث
کی تکمیل کی اور اس کے بعد آپ امام مالکؒ کے پاس علم
حاصل کرنے کی غرض سے چلے گئے۔ اور وہاں سے تکمیل علم
کے بعد آپ یمن تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے عراق گئے۔
آپ نے ایک کتاب ملقب بہ کتاب حجۃ نامی تصنیف کی۔

ایک خواب اور اسکی تعبیر

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے
خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ نے فرمایا اے
لڑکے تو کس خاندان سے ہے؟
تو میں نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان
سے ہوں تو پھر آپنے فرمایا اے لڑکے میرے قریب آ۔
جب میں قریب پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لعاب
دہن کو میری زبان پر اور میرے ہونٹوں پر اور میرے منہ میں ڈالا۔
اور فرمایا کہ جا خدا تجھ پر برکت نازل فرمائے گا۔ پھر
امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں نے اسی عمر میں حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھاتے دیکھا۔ جب آپ نماز سے
فارغ ہوئے تو لوگوں کو تعلیم دیتے رہے پھر میں بھی آپ کے قریب پہنچا۔
اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی کچھ سکھائیے
آپؐ نے آستین سے ترازو نکال کر عطا فرمایا اور فرمایا تیرے
لئے یہ میرا عطیہ ہے۔
اس کے بعد امام شافعی رح ایک معبّر سے اس خواب کی
تعبیر پوچھی، تو اس نے کہا تو دنیا میں رسول اللہ کی سنت مطہرہ
کی نشر و اشاعت میں امام بنے گا۔

حالاتِ جوانی

کسی بزرگ نے اپنی نظم میں یہ شعر آپ کے متعلق لکھا ہے ؂

والشافعی من الائمة کان فی
فقه الحدیث مسلم الاقران

(ترجمہ) آئمہ کرام میں سے امام شافعیؒ حدیث کے احوال و کیفیات سمجھنے کے علم میں یکتائے زمانہ تسلیم کئے گئے۔

فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف احادیث کو چھوڑ دیتے تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایکسو۱۱۳ تیرہ بتلائی ہے۔ یہ کتابیں تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، تاریخ وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ اس میں سے کتاب الامت وکتاب رسالت نہایت عجیب وغریب کتاب ہے، جو اس سرزمین میں مشہور و معروف ہے، آپ فن ادب ولغت وفن تاریخ میں کامل بن چکے تھے۔ اور قناعت وسخاوت وتواضع واتباع سنت، ادب، احترام، فراست و ذہانت اور صداقت میں یکتا و کامل تھے۔

آپ فرماتے ہیں کہ اپنی عمر میں، میں کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ جھوٹی گواہی دی۔ اور امانت میں خیانت نہیں کی۔

فن ادب

اس فن میں آپ اتنے ماہر تھے کہ آپ کو اپنی مہارت پر فخر تھا۔ اور فن لغت میں بیس۲۰ سال کی عمر تک آپ کوشش کرتے رہے، آپ نے ہزیل کے دس۱۰ ہزار اشعار غرائب لغت کے حفظ کیا۔ مبرد جو ادب ولغت کے امام ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعیؒ کی تحریر سے بہتر کسی کی تحریر نہیں دیکھی!

حضرت امام شافعی فن ادب ولغت وعلم ہیئت و نجوم، علم طب، علم فراست میں بہت کامل تھے اور ان تمام علموں سے آپ بہت فائدہ اٹھائے۔ آپ اپنے زمانہ کے جاننے والوں میں یکتا و بے مثال تھے، اور آپ کہیں کسی علم کا پتہ سنتے تو اس جگہ چلے جاتے اور اس وقت تک واپس نہ آتے جب تک آپ تمام علموں کو جان نہ لیتے، اور حفظ نہ کر لیتے۔

پندرہ سال کی عمر میں فتوے دینا

حسن بن عفرانی کہتے ہیں، کہ اصحاب الحدیث سو رہے تھے۔ شافعیؒ نے ان کو جھنجوڑا تو اب وہ بیدار ہو گئے۔ امام شافعیؒ کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو اس وقت ان کے استاد مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ نے شافعیؒ سے کہا اب تم فتویٰ دیا کرو۔ بخدا تم فتوے دینے کے قابل ہو گئے۔ تفقہ میں آپ کا سایہ بہت ہی بڑھا ہوا تھا۔ حافظہ نہایت ہی قوی تھا۔ فصیح بھی اعلےٰ درجہ کے تھے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ وآثار سلف وکلام صحابہ وعلماء کے اختلافات کے جاننے، پھر کلام لغت عربیہ، اور ناسخ ومنسوخ کے پہچاننے میں، حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو علم عمیق عطا فرمایا تھا۔ کسی بزرگ نے اپنی

امام الائمہ ابن خزیمہ سے سوال کیا گیا، کوئی ایسی بھی سنت صحیحہ ہے جس کا ذکر امام شافعیؒ نے اپنی تصانیف میں نہ کیا ہو۔ تو انہوں نے جواب دیا نہیں۔ عبدالملک بن ہشام، جو علم نحو ولغت میں امام تسلیم کئے گئے ہیں ان کا قول ہے۔

الشافعی محجۃ فی اللغۃ حدیث ان عالم قریش یملا طباق الارض علمہا (ترجمہ) بیشک ایک عالم قریش میں سے روئے زمین کو اپنے علم سے معمور کریگا۔

فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے، اور ضعیف احادیث کو چھوڑ دیتے۔ کسی اور مذہب میں فقہ کی تعمیر اس معیار پر نہیں کی گئی۔ مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار کرتے تھے۔

فن تاریخ

علم ادب ہی عرب کی ایک مفصل تاریخ ہے جو شخص ایام العرب یعنی اشعار جاہلیت و دورِ جاہلیت کے اتار چڑھاؤ سے باخبر ہو مستقل مؤرخ ہے۔ امام شافعی کی تاریخ مرأت الجنان میں فرماتے ہیں۔

وکان الامام الشافعی اعرف بالتواریخ یعنی امام شافعی فن تاریخ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اکثر تیہ امام شافعی اور امام محمد بن حسن کے مناظرات کا تذکرہ ہارون رشید تک پہنچا۔ ہارون رشید نے آپ کو بلوایا اور آپ سے قرآن مجید حدیث شریف ولغۃ وشعر وادب وطب' ان تمام کے متعلق سوالات کئے' آپ نے ہر بات کا مکمل جواب دیا تاکہ شک نہ پیدا ہو۔

فن نجوم

جب آپ تمام علم کو حاصل کر چکے تو علم ہیئت ونجوم آپ نے سیکھا۔ آپ اس علم میں اتنے ماہر تھے کہ امام شافعی کے ایک دوست کا ذکر آیا تو آپ نے دیکھکر کہا کہ ستائیس دن میں تمہارے میاں بچہ پیدا ہوگا۔ اسکی بائیں ران میں تل ہوگا' جو بیس روز تک زندہ نہ رہیگا۔ پھر دفعتاً مر جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ آپکے واقعات ہیں جو کہ صادر ہوئے ہیں۔

علم طب

آپ بہت بڑے اور عالی شان طبیب تھے۔ دیگر حکیم جالینوس وارسطاطالیس وبقراط و دیگر حکماء یونان ومصر کی کتابوں پر آپ کی وسیع وبلیغ نظر توجہ تھی۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسان دو شئ سے مرکب ہے' ایک تو جسم' دوسری روح۔ اسی طرح سے دو علم ہیں۔ ایک علم طب دوسری علم دین اور یہ دونو علم بھی مرکب ہیں۔ اور آپ نے علم طب کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان پر اپنی نظر سے بھی کام لیا۔

علم فراست

اور آپ علم فراست میں بھی کامل تھے اور اس میں بھی آپ نے کوشش کی اور اس علم کو بھی حاصل کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فراست کے متعدد واقعات حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب توالی التاسیس' میں اور امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مناقب امام الشافع میں بیان فرماتے ہیں۔

امام بخاریؒ کے استاد محترم امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور امام شافعی مکہ مکرمہ کے باہر چلے' ایک جگہ ابطح نامی قریہ میں ہی ایک شخص دکھائی دیا۔ پس ہم آپس میں اس کے ذریعۂ معاش کا تذکرہ کر رہے تھے کہ یہ کیا کام کر رہا ہوگا تو ہم نے کہا شاید یہ بڑھئی ہوگا یا درزی۔ چنانچہ میں اس شخص سے جاکر دریافت کیا کہ تو کونسا شغل یعنی کام کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں نے اس سے قبل ایک بڑھئی تھا اب میں درزی ہوں۔ تو آپ کا یہ اندازہ تھا کہ اپنے علم فراست سے پہچان لیتے تھے کہ شخص کیا ہو سکتا ہے۔

اور ایسے مختلف آپ کے واقعات ہیں جو ہر اس شخص پر برابر

صادر آتے تھے۔

قناعت

آپ قناعت کی ایک مثال ہیں۔ آپکے واقعات قناعت کے بارے میں ضرب المثل ہیں۔ چنانچہ ذیل کا ایک واقعہ ہے کہ آپنے دوسروں کیلئے اپنے کو بھوکا رہنا پسند کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں بیس سال کی عمر میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور میں کبھی بھی لالچ و طمع کو پاس آنے تک نہ دیا۔ اور اسکی بدولت مجھے آرام پہنچا اور ہمیشہ ذلت سے محفوظ رہا۔ آپ یہی فرماتے تھے کہ طمع وہ برائی ہے جو دنائیت کو پوری طرح ظاہر کرتی ہے

سخاوت

آپ نے فرمایا کہ سخاوت کے اصل معنی کسی شئی کو خوشی کے ساتھ بغیر کراہت کے قبول کر لینا' یا دوسرے کو دے دینا۔

امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنے زمانہ میں کسی کو بھی ان سے زیادہ سخی نہیں پایا۔ عدل و انصاف میں بھی اور علم میں بھی آپ سے سبقت لیجانے والا اور آپ سے اونچا کسی کو بھی نہیں دیکھا۔ ذیل کے واقعہ سے آپکی سخاوت صحیح معنی میں سمجھی جا سکتی ہے :-

ایکمرتبہ آپکے گھر میں عید کے دن کوئی سامان نہیں تھا۔ چنانچہ آپکی اہلیہ نے آپ سے کہا کہ آج عید ہے گھر میں کوئی شئی نہیں ہے۔ بچے ایکدوسرے کو دیکھ کر ترس رہے ہیں' لہٰذا آپ کہیں سے کچھ روپیہ بطور قرض لے آئیں تاکہ آج کا دن خوشی کے ساتھ گذر جائے۔ چنانچہ اسی طرح آپ اپنے ایک دوست سے ستر دینار قرض لے آئے۔ راستہ میں بہت سے فقراء آپ کو گھیر لئے اور تمام نے اپنی حاجت عرض کی۔ آپنے تمام دینار ان لوگوں میں تقسیم کر ڈالا۔ آپ کی سخاوت کا یہ عالم تھا۔

حلیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک اتنے لمبے تھے کہ گھٹنے سے نیچے پہنچ جاتے تھے۔ پیشانی کشادہ اور چہرہ زیادہ پُر گوشت نہ تھا۔ تبسم ہمیشہ چہرہ پر۔ بھویں بھری ہوی، مگر علیحدہ علیحدہ۔ کشادہ داڑھی متوسط۔ آخر عمر میں داڑھی کو مہندی کا خضاب لگایا کرتے تھے۔

ایک کی ایک اہلیہ اور ایک جاریہ تھی۔ آپ کی اہلیہ حمیدہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کے خاندان سے تھیں۔ اور آپ کو تین لڑکے اور ۲ لڑکیاں تھیں۔ حضرت امام کے شاگردوں کی تعداد ایک سو ساٹھ سے زیادہ تھی۔ ربیع بن سلیمان فرمایا کرتے تھے کہ میں امام صاحب کے دروازہ پر سات سو سواری دیکھا کرتا تھا اور ان پر لوگ دُور دُور سے حدیث و فقہ سیکھنے آیا کرتے تھے۔

مقابلہ

جن لوگوں نے ہارون رشید سے جا کر کہا کہ حضرت امام شافعی کو قرآن شریف حفظ نہیں ہے۔ اور حقیقت ایسی ہی تھی۔ لیکن آپ کا قوت حافظہ اس درجہ تھا کہ جب ہارون رشید نے چاہا کہ امتحان لیں۔ رمضان شریف میں آپ کو نماز بنایا تو آپ ہر روز ایک ایک پارہ دن میں مطالعہ کرتے اور رات کو تراویح میں پڑھتے۔ یہاں تک کہ تیس دن میں قرآن شریف پڑھ کر سنا دیا۔ کہتے ہیں کہ امام شافعی کے زمانے میں ایک عورت خوبصورت تھی۔ آپ کو اس کو دیکھنے کا شوق ہوا۔ پس آپنے اسکو سو دینار دیکر اپنے عقد میں لائے۔ جب فارغ ہوے دیکھا تو آپنے اس کو

دے دیا۔

اور ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے مذہب میں جو شخص ایک نماز بھی قصداً اگر ترک کرے تو کافر ہو جائے گا۔ اور امام شافعی رح کے پاس جو شخص کہ نماز کا پڑھنا فرض نہ کہے تو وہ شخص بھی کافر ہو جاتا ہے اور نماز کے چھوڑنے والے کو عذاب دیا جاتا ہے۔ امام شافعیؒ نے امام حنبلؒ سے دریافت کیا کہ ایک نماز کا ترک کرنے والا کافر ہے تو ہم کیا کریں۔

تو امام حنبل رح نے فرمایا کہ نماز پڑھے تو اس وقت شافعیؒ نے فرمایا کہ جب وہ کافر ہے تو اس کی نماز کیسے درست ہوگی، تو امام حنبلؒ خاموش ہو گئے اور شافعی رح کی ذہانت کی داد دی۔

اقوال امام شافعی رح

امام شافعی مطلبی رح فرماتے ہیں کہ سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسی قول کی وجہ سے کبھی ترک نہ کی جائے (یعنی) امام شافعی رح فرمایا کرتے تھے کہ میرا ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں۔ جب آپ سے کوئی روایت ثابت ہو جائے تو اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ امام شافعی رح کی موت کے چند روز پہلے خواب میں دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہو گئی تو لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا جنازہ نکالیں۔ یہ خواب دیکھ کر حضرت ربیع رض نے کسی نجومی سے اس خواب کی تعبیر دریافت کیا تو اس نے کہا کہ تمہارے ملک کا ایک دین کا رہبر اٹھ جانے والا ہے یعنی ان کی وفات ہو جائے گی۔ یہ الفاظ کہہ کر صرف تین دن ہی ہوئے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات حسرت آیات

آپ کو مرض بواسیر یعنے اکثر مرتبہ سواری کی حالت میں بزیر ناف خون جاری ہو جاتا تھا۔ اس مرض سے آپ بہت ہی کمزور ہو گئے تھے۔ اس مرض کے علاوہ آپ کو فتیان نامی شخص نے جو آپ کی خلافت کے بارے میں کچھ گفتگو سے ناراض ہو گیا تھا اور اس کو سزا ملی تھی وہ چاہتا تھا کہ ایک دن اس کا بدلہ امام شافعی رح سے ضرور لوں گا۔

ایک دن اندھیری رات میں موقعہ پا کر آپ کے سر پر چھپتے ہوئے گزرا جس کی وجہ سے سر میں سخت چوٹ لگی۔ اس کے علاوہ بواسیر کی شکایت سے بہت خون جا چکا تھا۔ بدین آپ کو مرض الموت شروع ہوا۔ آپ کی وفات کے لیے بہت سے دشمن بد دعا کرتے تھے۔

اسہب بن عبدالعزیز نے آپ کے لئے اس لئے بد دعا کرتے تھے کہ وہ امام مالک بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں ایک فقیہہ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ دنیا میں کہیں سب سے زیادہ مذہب شافعی نہ ہوں۔ اور یہ بد دعا کی اللہ تعالیٰ جلد سے جلد اس دنیا سے آپ کو اٹھا لے۔ آپ کو معلوم ہوا جس وقت کہ آپ نزع کی حالت میں تھے اس وقت بھی فرمایا کہ اے لوگو میرے واسطے ایک شخص بد دعا کر رہا ہے اور وہ اسہب بن عبدالعزیز ہے، اس کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ آئے تو آپ نے ان سے فرمایا اے اسہب میر مرنے سے تم کو کیا ملیگا اگر میں مر ہی گیا تو تم میرے بعد مرنے والے ہو۔ اور مرنا تو سب کو ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے **کل نفس ذائقۃ الموت** کا مصداق تمام کو یکے بعد دیگرے مرنا ہے تو میں آج مرتا ہوں شاید تو میرے ساتھ ہی مرنے والا ہے۔ اتنی ہی دیر میں آپ کو شدت مرض الموت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ شب پنجشنبہ ۲۰۴ھ میں بوقت مغرب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اشاعتِ اسلام کے اسباب و ذرائع

از محمد عبدالسبحان مدراسی زمرۂ ثالثہ
دارالعلوم لطیفیہ حضرت مکان ویلور۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

دینِ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں سب سے اعلےٰ وافضل مذہب ہے۔ اور یہ مذہب بہت ہی قلیل مدت میں دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گیا۔ کتبِ تواریخ میں کہیں بھی کوئی ایسی مثال دستیاب نہیں ہوسکتی کہ کوئی مذہب اتنی قلیل مدت میں دنیا کے اکثر وبیشتر خطوں میں پھیل گیا ہو۔ مگر دینِ اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر بعض دشمنانِ اسلام مورخوں نے مذہبِ اسلام پر یہ بے بنیاد اور من گھڑت الزام لگایا کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔

دینِ اسلام پر یہ الزام جو چسپاں کیا گیا ہے یہ محض ان کی تعصبیت اور کم علمی کی بنا پر ہے۔ قارئین کرام ذیل کے اقتباس سے بخوبی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ کونسی ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے دینِ اسلام انتہائی سرعت کے ساتھ ترقی کے مدارج طے کرتا چلا گیا۔

دینِ اسلام کی نشر واشاعت کا سب سے مقدم سبب **معجزۂ قرآنی** ہے۔ قرآن مجید انتہائی مؤثر و دل گداز پیرایہ سے عقائد و معارف اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ جو لوگ خدا کے قائل نہ تھے قرآن مجید ان کے سامنے اپنا مضبوط استدلال پیش کرتے ہوئے اُن سے کہتا ہے کیف تکفرون وکنتم امواتاً فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون (بقرہ)

ملک عرب میں ملحد بہت کم تھے۔ زیادہ تر بلکہ قریب قریب تمام کے تمام مشرک تھے اگرچہ کہ وہ وجودِ خدا کے قائل تھے لیکن یہ بھی مانتے تھے کہ اللہ رب العزۃ کے علاوہ اور بھی معبود ہیں۔ جو خدا کے ساتھ شریک کار ہیں اور نظام انہیں کے ہاتھوں سے انجام پذیر ہوتا ہے۔ مگر قرآن پاک بیانگِ دہل اعلان کرتے ہوئے اور کفار کے اس خیالِ خام کو رد کرتے ہوئے ان سے خطاب کرتا ہے قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے۔

لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصر ولا یغنی عنک شیئاً۔ کفار اور مشرک خصوصاً قیامت اور جزا و حساب اور مرکر دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر تھے اور کہتے تھے، کہ من یحی العظام وھی رمیم مگر قرآن کریم کفار کے اس باطل خیال کی تردید کرتے ہوئے خطاب کرتا ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے۔

قل یحییھا الذی انشأھا اول مرۃ اور

ایک جگہ کہتا ہے۔

الم یک نطفۃ من منی یمنیٰ ثم کان علقۃ فخلق فسوی فجعل منہ الزوجین الذکر والانثیٰ الیس ذالک بقدر علیٰ ان یحیی الموتیٰ

غرض عبادات و اخلاق و اعمال اور عقاید وغیرہ کو قرآن کریم انتہائی دل نشین اور ایسے موثر طریقہ سے ادا کرتا ہے کہ ہر سامع چاہے وہ کتنا ہی بڑا دشمن اسلام ہو اور کٹر بت پرست ہی کیوں نہ ہو اس کا دل موم کے مانند ہو جاتا ہے اور رسم و عقائد کا بند، قرآن کریم کے اس زبردست سیلاب کو روکنے سے قاصر ہے۔ قرآن کریم کے ان عظیم صفات کے باوجود جو مشرک اور کافر اپنی دیرینہ جہالت پر مداومت اختیار کئے وہ ان کی ذاتی اغراض اور دوسرے وجوہات کی بنا تھی حقیقی جحود و انکار نہ تھا،۔ تمام اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بڑے بڑے روسائے قبائل اور بڑے بڑے شعراء، اور بلند پایہ کے خطباء صرف قرآن ہی کو سن کر مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت عمرؓ (نعوذ باللہ من ذالک) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرتے ہوئے گھر سے نکلے تھے لیکن جب قرآن مجید کی چند آیتیں آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو کانپ اٹھے اور بے اختیار کہہ دئے کہ واقعی یہ کلام اللہ ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے برگزیدہ رسول ہیں۔ اور کلمۂ طیبہ پڑھنے کے بعد دولت اسلام سے مالا مال ہو گئے۔ اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے پیشتر اپنے حقیقی برادر انیس کو (جو عرب کے نامور شاعر تھے) آپ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا۔

جب انیس تحقیق حال کیلئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، تو حضورؐ نے ان کو چند آیتیں سنائیں۔ قرآن کو سننے کے بعد وہ اپنے وطن واپس ہوئے اور اپنے بھائی سے کہا کہ میں شاعر اور کاہن کے کلام سے بخوبی واقف ہوں، مگر محمدؐ کا کلام بالکل نرالا اور مختلف ہے۔ یہ بات سننے کے بعد حضرت ابوذرؓ بذات خود تشریف لے گئے اور قرآن مجید کو سننے کے بعد آپ پر ایمان لے آئے اور جب نعمت اسلام سے مالا مال ہو کر اپنے وطن کو جاتے ہیں، تو ان کو دیکھ کر تقریباً ان کا آدھا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

ولید بن مغیرہ حضرت خالد بن ولید کا باپ (جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔) جب حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے اسکو یہ آیتیں سنائیں ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتای ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی لعلکم تذکرون۔

ولید نے سننے کے بعد کہا کہ دوبارہ پڑھئے۔ آپ نے دوبارہ پڑھا اس کے بعد وہ چلا گیا اور قریش سے کہا کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ کسی اور کا ہے۔ اس لئے تم محمدؐ کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

طفیل بن عمر دوسی جو قبیلۂ دوس کے سردار اور شعرائے عرب میں ممتاز مقام رکھتے تھے، ہجرت سے قبل جب وہ مکہ معظمہ تشریف لائے تھے۔ جب کفار مکہ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو اکثر و بیشتر سرداران کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ یہاں پر ایک جادوگر پیدا ہوا ہے جس نے ہم کو پریشان کر رکھا ہے، اور یہاں کے لوگوں کو اپنے آباو اجداد کے دین سے ہٹا دیا ہے اس لئے تم سے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم اس کے پاس نہ جاؤ، اور نہ

مسجدِ دار العلوم مکانِ حضرت قطب ویلوری قدس سرہٗ

دار العلوم لطیفیہ ویلور کی شمال جانب کا منظر